

إِبْقَاءُ الْمَنِّ بِالْقَاءِ الْمِحْنِ

خود نوشت سوانح حیات

نواب سید ابوالحسن
محمد علی خان

www.KitaboSunnat.com

تسهیل :

مولانا محمد خالد سیف

تنقیح و نظر ثانی :

قاری نعیم الحق نعیم

دارالذموة السلفیة، شہس محل روڈ، لاہور

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربعہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَاَلَمْ يَنْعَمْ عَلٰیكَ فَحَدِّثْ (الزلزالہ)

انفقا المین بالفاء المحم

بینہ

خود نوشت سوانح حیات

نواب سید محمد صدیق حسن خان

(۲۱۸۹۰ — ۲۱۸۳۲)

تصحیح نویسی

فَاذِی نَعْمَةً عَلٰی نِعْمَتِی

رفیق دارالذعوة استغنیہ ، لاہور

تصحیح

مَوْلٰی اَبِی مُحَمَّدٍ عَلٰی

رفیق دارالذعوة استغنیہ ، فیصل آباد

ہمشیر

دارالذعوة استغنیہ

سینٹر ماروی ، لاہور ، پاکستان

س

ص دی - ص

سلسلہ اشاعت ۳۱

یہ اہتمام _____ محمد سلیمان انصاری

تیسری وینچ کے ساتھ _____ طبع اول _____
بیچہ الثانی ۱۴۰۷ھ
دسمبر ۱۹۸۶ء

مطبع _____ زاہد بشیر پرنٹرز، لاہور

ناشر _____ دارالدعوة السلفیہ - لاہور

الکتب الخانیہ

۹۹... جے ماؤل ناؤن - لاہور

1.54.80.....

فہرست

صفحہ	عنوان
۱۱	تصدیر
۱۸	آغاز کتاب
۲۶	مقدمہ کتاب
۲۸	باب اول احساناتِ خداوندی
"	- حسب و نسب
۳۰	- ولادت
"	- شرافتِ نسب
۳۳	- ابتدائی حالات
۳۸	والدہ مرحومہ کی یاد میں
۵۳	والدین کے لیے دعائے مغفرت
۵۵	- تحصیلِ علم
۶۹	- علم کے موقی
۷۳	- خلقِ خدا کی غائبانہ شہادت
۷۵	- دینی کتب کی اشاعت
۷۶	- مناظرہ و مباحثہ کے مفرد
۷۹	- اختلافِ امت
۸۲	- میرا مذہب

صفحہ	عنوان
۸۶	۱ مذاہبِ اربعہ میں حق دائر ہے منحصر نہیں
۸۷	- مذاہبِ اربعہ کا مطالعہ
۸۸	- راہِ اعتدال
۹۱	- علوم و فنون میں مہارت
۹۳	- اندازِ بیاں اور
۹۵	شرفِ قبولیت
۹۶	- اتباعِ کتاب و سنت
۱۰۲	باب دوم
۱۰۵	- عاجزی و انکساری
۱۰۸	استغانت باللہ
۱۱۰	فقر و غنا
۱۱۲	- کسبِ معاش
۱۱۵	- دمن شر حاسد اذاحسد
۱۱۷	- ابتلاء کے بعد
۱۲۰	- علاماتِ عالمِ ربانی
۱۲۲	- شادی خانہ آبادی
۱۲۵	- حج بیت اللہ شریف
۱۲۷	- نواب شاہ جہاں بیگم
۱۲۹	- صحبتِ اغنیاء سے دوری
۱۳۰	- صحت و عاقبت

صفحہ	عنوان
۱۳۱	رائے سے احتراز
۱۳۳	صحبتِ صالح
۱۳۶	کن لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے۔
۱۳۷	کن کی صحبت سے بچنا چاہیے۔
۱۳۹	طلبِ آخرت
۱۴۱	دلوں کی کیفیت
۱۴۳	رنج و راحت
۱۴۹	اولادِ صالح
۱۵۱	مسئلہ تقلید
۱۵۷	برادرِ مرحوم کا سلوک
۱۵۸	خواب
۱۵۹	مجتہد نہ مجدد
۱۶۲	حسب و نسب کی چند باتیں
۱۶۴	زندگی کے چند سفر
۱۶۵	طلبِ معاش میں احتیاط
۱۶۶	پسندیدہ بات
۱۶۷	حقوق العباد
۱۶۹	باب سوم
"	سونے کے آداب
۱۷۰	اوراد و وظائف

عنوان

صفحہ

۱۷۲	بعض مؤلفات پر نام نہیں لکھا
۱۷۳	اندر از تصنیف
۱۷۶	چند بہترین کتابیں
۱۷۸	ابواب شریعت میں عبور
۱۸۰	دشمنوں سے نرمی
۱۸۲	اخلاقِ حسنہ و سیئہ
۱۸۳	چار محبوب علوم
۱۸۴	دنیا کی ناپائیداری
۱۸۶	معاملات میں نرمی
۱۸۷	نسبِ قابلِ فخر نہیں
۱۸۹	ترکِ دنیا کی خواہش
۱۹۰	خوف و زجا
۱۹۱	گناہ سے نفرت
۱۹۲	توبہ و استغفار
۱۹۳	آلام و مصائب
۱۹۵	حسد نہیں بلکہ رشک
۱۹۵	اہل اللہ سے محبت
۱۹۷	اہل فسق سے محبت نہیں
۱۹۸	خوشامد سے نفرت
۱۹۸	رزقِ فراواں

صفحہ	عنوان
۲۰۰	- دایرہ قیمی
۲۰۱	- صراطِ مستقیم کی ہدایت
۲۰۲	وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنِي
۲۰۳	شیخِ کامل کی پہچان
۲۰۵	- نسبت کی حقیقت
۲۰۷	طریقہ نقشبندیہ
۲۰۹	- کسبِ رزق
۲۱۱	باب چہارم
"	- آزمائشیں ہی آزمائشیں
۲۱۸	ابتدائی مشکلات
۲۲۳	بہنوں اور بچوں کی شادی کا مسئلہ
۲۲۵	کس روز تہمتیں نہ تراشا کئے عدو
۲۲۸	ایک حکایت
"	مگس طینت لوگ
۲۳۰	ہنگامہ آرائی و بے مروتی
۲۳۲	پہلی رفیقہٴ حیات کا دایرہ مفارقت
۲۳۸	ہم گستاخ ہیں بھی رہتے ہیں بیاباں کی طرح
۲۳۹	افتر پردازیاں اور دشنام طرازیوں
۲۴۰	- ہجومِ مصائب میں ایک نعمِ خوار کا خط
۲۴۷	خطاب و القاب کا انتراع

صفحہ	عنوان
۲۴۹	دردِ منت کشِ دو آنہ ہوا
۲۵۰	- کھانے میں زہر
۲۵۵	- امام شوکانیؒ کی تقلید کی تہمت
۲۵۶	ائمہ کی بے ادبی کا الزام
۲۵۹	تہمتِ وراثت
۲۶۲	- عربِ خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے
۲۶۵	اور یہ فتنہ پرداز لوگ
۲۶۸	انکارِ ولایت کا الزام
۲۷۰	تالیفات پر اعتراضات
۲۷۵	- اہل بیت کا ظاہری بتناؤ
۲۷۶	لوگوں کی ناراضگی کا اصل سبب
"	مکروہات میں شرکت
۲۷۷	دنیا میں معیار
۲۷۸	تجاہلِ عارفانہ
۲۷۹	- علیحدگی کے باوجود مصائب کا ہجوم
"	یہ نہیں ہو سکتا
۲۸۰	احسانِ فراموش
۲۸۱	- ذکر و فکر دنیا سے نفرت
۲۸۲	ریاست کی خدمت
۲۸۵	مالی پوزیشن کا غلط اندازہ

صفحہ	عنوان
۲۸۶	اس شہر کے لوگ
۲۸۸	درس کی بندش
۲۸۹	تعویذ گتہ کرنے والوں کی بلغار
۲۹۲	اور یہ خواب سنانے والے
۲۹۳	منافقوں کا ایک گروہ
۲۹۴	اولاد کا معاملہ
۲۹۶	ہجرت کا خیال
۲۹۸	حابدوں کی طرف سے کچھ اور تہمتیں
۳۰۳	خاتمہ
۳۱۷	حصہ دوم
"	اضافات و ملحقات
۳۱۹	ذوق مطالعہ
"	آفتاب از سلسلہ المسجد
۳۲۲	سفر کلکتہ
۳۲۴	بنارس
۳۲۵	کانپور
۳۲۶	بھوپال کی ثقافتی حیثیت
۳۲۷	نایاب کتابوں کے بارے میں حفاظت اور احتیاط کی تلقین
۳۳۵	حرفے از داستان - از جعفر شاہ پھلواری
۳۴۳	تنبیہ۔ آفتاب از کتاب قضا و الارباب من ذکر علماء النحو والادب

صفحہ

عنوان

۳۵۳

علامہ محمد عبدالرحیٰ کا اقتباس

۳۵۶

نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیفات

”

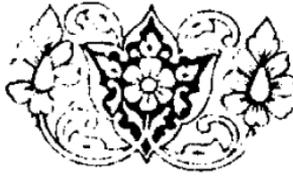
۳۶۱

از مولانا محمد حسین بٹالوی

۳۶۵

نقشہ بعض مؤلفات نواب صاحب بہادر بھوپال

مجمد۔ از مولانا محمد حسین بٹالوی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تصدیق



والاجاہ نواب سید صدیق حسن نعمان مرحوم والی بھوپال کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ موصوف دین و دنیا کے جامع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے علوم دینیہ و عربیہ کی دولتِ لازوال سے بھی بدرجہ کمال نوازا تھا۔ جس پر ان کی تین سو سے زائد تصنیفات و تالیفات شاہدِ عدل ہیں۔ جو عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں ہیں۔ نیز دنیاوی شرف و جاہ سے بھی آپ کو حظِ وافر عطا کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سب پڑھے لکھے لوگ جانتے ہیں۔

زیر نظر کتاب نواب صاحب موصوف ہی کی خود نوشت سوانح حیات "دابقار المنن بالقار المحن" جس کی تمہیل مولانا خالد سیف (اسلام آباد) اور تفتیح و تبیح و نظر ثانی کا کام ہمارے فاضل رفیق مولانا حافظ قاری نعیم الحق صاحب رفیق المجلسر العلمی السلفی لاہور نے حضرت الانشاؤ المحترم مولانا محمد عطاء اللہ حنیف حفظہ اللہ کی خواہش اور ایما و برکت سے جزا ہوا اللہ احسن الجزاء۔

نواب صاحب موصوف نے یہ کتاب بعض جلیل القدر اسلاف کے تتبع میں مرتب کی ہے۔ جیسا کہ انہوں نے آغاز میں اس کی صراحت کی ہے۔ بالخصوص شیخ عبدالوہاب شعرانی کی کتاب "لطائف المنن والاخلاق فی بیان وجوب التحدث بنعمة اللہ علی الاطلاق" ان کے پیش نظر رہی ہے۔ نواب صاحب مرحوم کو امام شعرانی کی یہ تالیف، جس میں انہوں نے ان النعمات و احسانات

کا ذکر کیا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کئے، بڑی پسند تھی اور اس کی ضروری تلخیص بھی انہوں نے اردو میں بنام "فتح الخلاق للطائف المنن والاخلاق" ۱۳۰۵ھ میں شائع کی تھی۔

اسی طرز اور انداز پر نواب صاحب نے اپنی سوانح حیات مرتب کی، جس میں انہوں نے انعاماتِ الہیہ کا ذکر بطور تشکرِ خدا کیا ہے۔ یہ کتاب آج سے ایک صدی قبل (۱۳۰۵ھ) میں طبع ہوئی تھی۔ اب بالکل نایاب تھی۔ علاوہ ازیں اس کی اردو بھی ایک صدی قبل کی تھی، جب کہ اردو بھی منت پذیر شانہ تھی، جب سے اب تک اردو کے طرزِ ادا اور تحریر و انشاء میں بھی کافی تبدیلیاں آگئی ہیں۔ اور نواب صاحب کے دور کا طرزِ تحریر و انشاء اب بالکل متروک ہو گیا ہے۔ اس لیے ضرورت تھی کہ اس انداز میں تھوڑی تبدیلی کر کے اردو کے جدید قالب میں اسے پیش کیا جائے تاکہ طرزِ تحریر کے نامانوس ہونے کی وجہ سے اس کی افادیت متاثر نہ ہو۔

الحمد للہ نواب صاحب کی یہ خود نوشت سوانح حیات (تسہیل شدہ) اب آپ کے سامنے ہے۔ جو عوام و خواص، اہل علم و اہل دانش، اہل دین و اہل دنیا، حاکم و محکوم، علماء و طلباء اور راعی و رعایا سب کے لیے یکساں مفید اور نہایت نصیحت آموز ہے۔

اس کتاب کے حصہ دوم میں نواب صاحب سے متعلق دوسری کئی مفید اور اہم چیزیں شامل کر دی گئی ہیں۔ مثلاً نواب صاحب ہی کا خود نوشت سفر نامہ جسے جناب علیم ناصری صاحب نے اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

۲۔ مولانا جعفر شاہ پھلواروی کا ایک مضمون، جس میں انہوں نے نواب صاحب اور ان کے ذی مرتبت خاندان کی بابت نہایت مفید اور

کارآمد معلومات فراہم کی ہیں۔

۳۔ نواب صاحب کے ایک ترتیب یافتہ اور رفیق کار مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی کا مضمون، جو ان کی کتاب ”قضاء الارب من ذکر علماء الخود الادب“ سے ماخوذ ہے۔ اس کتاب میں مولانا موصوف نے نواب صاحب کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز سے لکھا ہے۔ اور آخر میں ”تنبیہ“ کے عنوان سے ایک مستشرق کے بعض الزامات کا جو اس نے حضرت نواب صاحب مرحوم پر عائد کئے تھے۔ دفعیہ کیا۔ یہ دفعیہ الزامات بھی اس میں شامل کر دیا گیا ہے۔

۴۔ اسی طرح ایک اور صاحب نے کسی ہندوستانی اخبار میں نواب صاحب مرحوم کی خدمات اور انکی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی تھی۔ جس کے جواب میں مولانا محمد حسین بٹالوی مرحوم نے اپنے مشہور رسالے ”اشاعۃ السنۃ“ میں دو مضمون تحریر فرمائے تھے۔

۱۔ نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیفات۔
۲۔ مجدد۔

ان دونوں مضامین میں مولانا بٹالوی نے نواب صاحب پر عائد کردہ بعض الزامات کی وضاحت کے ساتھ ساتھ نواب صاحب مرحوم کی تصنیفی و تالیفی خدمات اور ان کی تجدید علم و دین کی ماسعی کو نمایاں کیا ہے۔ یہ دونوں مضامین بھی شامل اشاعت ہیں۔

۵۔ علامہ محمد عبدالحی الکتانی الجزائرئی مصنف کتاب ”التراتب الاداریۃ“ کا بھی ایک اقتباس نقل کر دیا گیا ہے۔ جو ان کی کتاب ”مفرد الفہارس والاثبات“ سے ماخوذ ہے۔ علامہ کتانی نے اس کتاب میں نواب صاحب

اور ان کی چند تاالیفات سلسلۃ العسجد وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ اور ساخنہ
ساخنہ اس الزام کی بھی وضاحت کی ہے جو مستشرق مذکور اور ان کے
دیگر بعض ہم نواؤں نے نواب صاحب پر عائد کیا ہے۔

نواب صاحب سے متعلق یہ ساری چیزیں، جو ایک قیمتی دستاویزات کی
حیثیت رکھتی ہیں۔ مختلف جگہوں پر بکھری ہوئی ہیں۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا
کہ انہیں بھی خود نوشت سوانح حیات میں شامل کر دیا جائے تاکہ یہ محفوظ بھی
ہو جائیں اور نواب صاحب کی شخصیت اور ان کی ہمہ جہتی خدمات کا ایک
سرسری خاکہ اہل علم کی نظر میں آجائے۔

نواب صاحب کی زیر نظر خود نوشت سوانح کے علاوہ بھی نواب
صاحب نے اپنی مختلف کتابوں میں اپنی زندگی کے جتے جتے واقعات
اور دیگر مفید معلومات و واقعات ذکر کئے ہیں۔ اہل علم کے استفادے کے
لیے ان کتابوں کے نام درج ہیں۔

- ۱۔ مقالات الاحسان فی مقامات العرفان
- ۲۔ غصن البان المورق بحسنات البیان کے آخر میں اعلان اہل الخیر
باجریات السفر والسیر (سفرنامہ دہلی)
- ۳۔ تقصیر جمود الاحرار من تذکار جنود الابرار
- ۴۔ خطبۃ القدس و ذخیرۃ الانس
- ۵۔ شمار التکلیت فی شرح ابیات التبیث
- ۶۔ حج الکرامۃ فی آثار القیامۃ
- ۷۔ اتحات النبلاء المتقین باحیاء ماثر الفقہاء المحدثین۔
- ۸۔ التاج المکمل من جواہر ماثر الطراز الآخرو الاول

- ۹۔ رحلتہ الصدیق الی البیت العتیق (آخر میں سفرنامہ حج)
- ۱۰۔ فتح الخلاق للطائف المنن والاخلاق
- ۱۱۔ سلسلہ العسجد فی ذکر مشائخ السند
- ۱۲۔ قرۃ الاعیان و مسرۃ الاذہان
- ۱۳۔ الفرع الناجی من الاصل السامی
- ۱۴۔ المقالة الفصیحة فی الوصیة والنصیحة
- ۱۵۔ وصیة نامہ ابو الوفا رتونی

چند سال قبل بھوپال میں ایک خاتون - رضیہ حامد - نے نواب صاحب کی شخصیت اور خدمات پر مقالہ لکھ کر ڈاکٹر پریٹ کی ڈگری حاصل کی ہے۔ یہ مقالہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مفذ سے لکھے گئے تھے۔ اس کے ساتھ کتابی شکل میں بنام "نواب صدیق حسن خاں" بھوپال سے شائع ہو گیا ہے۔

ان کے علاوہ نواب صاحب کے صاحبزادہ گرامی قدر ابونصر سید محمد علی حسن خاں صاحب (متوفی نومبر ۱۹۳۶ء) نے اپنے والد گرامی حضرت والا جاہ نواب سید صدیق حسن خاں کی سوانح "ماتر صدیقی" کے نام سے لکھی تھی، جس کے چار حصے آج سے نصف صدی قبل مطبع نول کشور لکھنؤ (ہند) سے شائع ہوئے تھے۔ اس کے بقیہ اجزاء کہاں تک لکھے گئے تھے؟ اور وہ شائع کیوں نہیں ہوئے؟ اور وہ اب کہیں محفوظ بھی ہیں یا نہیں؟ اس کی بابت پاک و ہند میں موجود نواب صاحب کے اہل خاندان ہی کچھ بتا سکتے ہیں۔ تاہم یہ بات واضح ہے کہ "ماتر صدیقی" مکمل طور پر شائع نہیں ہو سکی۔

اس کی تائید مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے اس ادارتی نوٹ سے بھی

ہوتی ہے جو انہوں نے ماہنامہ ”معارف“ میں ”تذکرہ طاہرہ“ یعنی سوانح خود
نوشت حسام الملک نواب سید محمد علی حسن خاں طاہر مرحوم کی اشاعت کے وقت
آغاز میں بایں الفاظ تحریر فرمایا تھا۔

”نواب سید محمد علی حسن خاں مرحوم کی وفات سے جو صدی علم و فن کو
پہنچا ہے، وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں۔ مرحوم نے اپنے والد ماجد
کی جو مفضل سوانح عمری ”آثر صدیقی“ کے نام سے لکھی ہے اس کا
انخیر حصہ ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حال میں لکھا تھا۔ اس
حصے سے ان کی یہ خود نوشت سوانح عمری شائع کی جا رہی ہے۔“
(ماہنامہ ”معارف“ اعظم گڑھ۔ جنوری ۱۹۳۷ء)

اس ”تذکرہ طاہرہ“ کی ۶ قسطیں ”معارف“ (جنوری تا جون ۱۹۳۷ء)
میں شائع ہوئی تھیں۔

ضرورت ہے کہ اس ”تذکرہ طاہرہ“ اور اس کے بنیاد بجزا بھی (اگر وہ
کہیں محفوظ ہوں تو) تلاش کر کے شائع کئے جائیں تاکہ اس ذی مرتبت خاندان
کے پورے حالات تاریخ میں محفوظ ہو جائیں۔

اسی سلسلے کی یہ کتاب بھی ہے جو اس وقت فارمین کرام کے ہاتھوں
میں ہے۔ اس کی اہمیت اس لحاظ سے سب سے زیادہ ہے کہ یہ خود
نواب صاحب کے گویا ہر بار قلم سے ہے۔ جس میں نواب صاحب نے
بڑے عبرت آموز انداز میں ابتلا و درمجن کا ذکر بھی کیا ہے۔ اور
احسانات و انعامات الہی کا بھی۔ یہ دونوں چیزیں نواب صاحب نے
بقول غالب

ذکر اس پریوش کا اہ پھر سیاں اپنا

کے سے دلچسپ پیرائے میں بیان کی ہیں۔
بہر حال اپنی علم و اہل ذوق کے لیے یہ خود نوشت سوانح عبرتوں کا
مرقع بھی ہے اور حقائق و واقعات کا گل دستہ بھی۔ علم و عرفان کا گنجینہ بھی
ہے اور مفید نصائح کا خزانہ بھی۔

اللہم اجعلنا ممن يتعظ به ويتبعون احسنه۔ آمین

حافظ (صلاح الدین یوسف
رفیق المجلس العلمی السلفی
دار الدعوة السلفیہ۔ لاہور

ربیع الاول ۱۴۰۷ھ

نومبر ۱۹۸۶ء

اِقْرَأْ مِنْ بَاتِقِ الْمَحْنِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى مَنِّهِ وَنِعْمِهِ وَكَوَالِهِ زَهَاءَ جَلَالِهِ وَجَمَالِهِ وَ
الصَّلَوةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدِينَ الَّذِي بَلَغَ الْعُلَى بِكَمَالِهِ
وَحَسَنَتِ جَمِيعِ خِصَالِهِ وَعَلَى صَحْبِهِ وَآلِهِ وَمَنْ عَلَى مِثْوَالِهِ

یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ان انعامات کا تذکرہ کیا گیا ہے جو اللہ تعالیٰ

نے مجھ پر فرمائے ہیں۔ اس رسالہ کی تصنیف کا سبب دو احباب ہیں۔

اول منعم حقیقی کا شکر بجالانا مقصود ہے، اگرچہ محمد میں یا کسی بھی بشر میں یہ طاقت

نہیں کہ اس سے عمدہ برآ ہو سکے۔ ہاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس فریضہ سے

یقیناً عمدہ برآ ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے حق میں فرمایا۔

إِنَّمَا كَانَ عَبْدًا شَكُورًا

بے شک وہ شکر گزار بندہ تھا۔

دوم اپنے متعلق لوگوں کے بعض ادبام کا ازالہ مطلوب ہے۔ کیونکہ ہر انسان کو

اپنے متعلق جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یقینی ہوتا ہے۔ اور جو کوئی دوسرا بیان کرتا ہے

وہ ظن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

بَيْنَ الْإِنْسَانِ عَلَى نَفْسِهِ بِصِيغَةٍ

وَكَوْلَا لَفِي مَعَاذِ يَدِهِ

بلکہ انسان کو اپنے آپ کا خوب پتہ ہے اگرچہ

کتنے عذر پیش کرتا ہے۔

۱۴۔ سنۃ القیامہ آیت ۳

اور حدیث میں آیا ہے۔

فَلْيَقُلْ أَحْسِبُهُ كَذَابًا أَوْ أَظَنُّهُ كَذَابًا
وَلَا تَزُكِّي عَلَى اللَّهِ أَحَدًا هُوَ أَعْلَمُ
بِمَنِ اتَّقَى لَهُ

پس انسان کو دوسرے کے بارے میں یہ کہنا چاہیے
کہ میں اسے ایسا خیال یا گمان کرتا ہوں اور اسے اللہ
کے بارے میں کسی کی (یعنی ہر صفتی) نہیں پیش

کرتا چاہیے۔ واعدہ ہی زیادہ جانتا ہے کہ کون متقی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو جس کام کے لیے بنایا ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر، وہ اس کے

لیے آسان ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

كُلُّ مَيْسَرَةٍ لِمَا خُلِقَ لَهَا

ہر آسان چیز میں بھی ارشاد فرمایا گیا۔

پس جس نے (اللہ کی راہ میں مال ہوا اور پرہیزگاری
کی اور نیک بات کی تصدیق کی پس ہم اسے آسانی
دیکر (راہ) کی توفیق دینگے اور جس نے عمل کیا اور
بے پروا بنا رہا اور نیک بات کی تکذیب کی پس

فَمَا مَنَ اعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ
بِالْحَقِّ تَسْتَيْسِرُ لَهُ الْيُسْرَىٰ أَمَّا
مَنْ كَفَرَ وَاسْتَعْتَبَ وَكَذَّبَ بِالْحَقِّ
تَسْتَيْسِرُ لَهُ الْعُسْرَىٰ

ہم اسے آسانی (دیکر) کی توفیق دیں گے۔

غرضیکہ ہر انسان کا حال سیر و عسر اور آسائش و تنگی ہم پر منحصر ہے؛

”فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ“

جو انسان اپنے آپ کو منعم حقیقی کی لوازمات سے مشرف اور اخلاقِ حسنہ سے

۱۰ متفق علیہ

۱۱ متفق علیہ

۱۲ الیل، ۱۰۶۵

منصف پائے، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر بقدر استقامت واجب ہے۔ اور توقع ہے کہ اگر وہ شکر بجالائے تو اللہ تعالیٰ اپنی نوازشات میں اضافہ فرمادے گا جیسا کہ ارشاد فرمایا:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ تُعَذِّبُونَ
اور اگر ناشکری کرو گے تو بلاشبہ میرا عذاب سخت ہے

معلوم ہوا کہ جس طرح شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح کفرانِ نعمت سے عذاب کی شدت میں اضافہ ہوگا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے بغیر میرے استحقاق کے مجھ پر بے شمار نوازشات فرمائیں اور مجھے اخلاقِ حسنہ سے منصف فرمایا۔ اس لیے مجھ پر فرض ہے کہ میں ہمیشہ اس کا شکر بجالاتا رہوں۔ زبان سے شکر اسی وقت تک ادا کیا جاسکتا ہے جب تک انسان بقیدِ حیات ہو، لیکن جو شکر کتابی صورت میں لکھ کر کیا جائے اس کا اثر باقی رہتا ہے اور کتاب شاکر کی وفات کے بعد بھی، گویا اس کے نائب کی حیثیت سے شکر ادا کرتی رہتی ہے۔

فیکون كالنائب في العلم والعمل وكان ذلك الشاكر لعمريمت
یعنی شکر گزار اگرچہ فوت ہو جاتا ہے تاہم وہ کتابِ علم و عمل میں اسکے قائم مقام رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ ہم عضو لوگ جب میرے علم و عمل سے آگاہ ہوں گے تو ان میں سے خدا کی توفیق جن کے شامل حال ہوگی۔ میری طرح کتبِ خیریت کے حفظ کی ادا اخلاقِ حسنہ کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ دین وہی ہے جو قرآن و حدیث کے سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اسی وجہ سے سلف صالحین میں سے ایک جماعت نے تحدیثِ نعمت کے طور پر اپنے حالات خود پر و قلم فرمائے ہیں۔ مثلاً حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اور ان کے تلمیذ رشید علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ۔

۱۰ ابراہیم : ۷

اس موضوع پر شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ کی ”مفن کبریٰ“ ایک مشہور و مبسوط کتاب ہے۔ جس میں آپ نے بہت سے خودنوشت سوانح حیات لکھنے والے اہل علم کا ذکر کیا ہے۔ اس رسالہ میں انہی کی اقتدا کی گئی ہے۔ فہمداہم آفتدہ۔ امام سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

إِنَّمَا ذَكَرْتُ مَنْ جِئْتُ إِتْدَاءً بِالسَّلَفِ
الصَّالِحِ وَتَحَدُّثًا بِنِعْمَةِ اللَّهِ لَا
اِفْتِخَارًا عَلَى الْأَقْدَانِ وَلَا طَلِبًا لِلدُّنْيَا
وَمَنَاصِبَهَا وَجَاهِهَا وَأَيُّ قَدْرٍ لِلدُّنْيَا
حَتَّى يُطَلَّبَ تَحْصِيلُهَا بِمَا فِيهَا مِنَ الدِّينِ
وَاللَّعْنَةُ وَالطَّرْدُ عَنْ حَضْرَةِ اللَّهِ تَعَالَى
وَقَدْ ظَهَرَ شَيْبِي وَمَضَى أَطْيَبُ عَمْرِي
وَعَيْشِي وَكَذَنِي رَجَبِي ۖ يَلَهُ
انتہی حاصلہ

قریب آچکا ہے۔

میں بھی بقول علامہ سیوطیؒ یہی کہتا ہوں کہ میرا مقصود انعامات و احسانات کے ذکر سے ہم عمروں پر فخر نہیں بلکہ نعمتِ الہی کے شکر کا اظہار میرے پیش نظر ہے طلبِ دُنیا میرے لیے تحصیلِ حاصل ہے، منصب اور جاہِ دُنیا میرے کسی ذاتی و اضافی استحقاق کے بغیر اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے حوصلہ سے بھی زیادہ بخشا ہے، عمر کی بھی پچھن ۵۵ بہا رہ گزر چکی ہیں۔ شباب گیا، بڑھاپا آیا، بال سفید ہو گئے، دانت گر گئے، ناتوانی کا ہجوم ہے۔ اور سفرِ آخرت کا زمانہ قریب آ گیا ہے۔ یہ جھوٹ بولنے اور فخر

لہ المتحدث بالنعمة۔

کرنے کا کون سا وقت ہے؟ محمود اثبات کا مجھے علم نہیں۔

”يَمْحُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ“

میں نے جو یہ چند کلمات لکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پر حسن ظن کے باعث لکھے ہیں کہ اس نے مجھے جو یہ مال و کمال عنایت فرمایا ہے سو اہل کرم کی طرح مجھ سے سلب نہیں کرے گا۔ جب کہ وہ سب سے بڑا صاحب کرم ہے۔ بلکہ میرا خاتمہ بخیر کرے گا۔ اگرچہ میں خسف کے لائق ہوں اور میرے حق میں کی وجہ خدا کا وہ ارشاد ہے جو ایک حدیث قدسی میں آیا ہے:

”میں اپنے بندے کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ

میرے بارے میں گمان کرتا ہے یہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

”ایک شخص ساری عمر اہل نار کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس

کے اور دوزخ کے درمیان ایک بالشت کا فاصلہ رہ جاتا ہے، پھر

کتاب ازل سبقت کرتی ہے۔ اور مرنے سے پہلے وہ اہل جنت جیسا

کوئی کام کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے و بالعکس۔“

ہر چند کہ تکلیف شرعی کے ابتداء وجود سے آج تک میری دانست کے مطابق

میرا کوئی ایسا عمل نہیں جس کو میں لائق قبول سمجھوں۔ لیکن اللہ کی رحمت سے ناامیدی کفر

ہے۔ میں اللہ کا بندہ ہوں، اگرچہ کبائرمیں آگندہ ہوں۔ اور اپنے گناہوں سے شرمندہ

لیکن اس کے رسول کی اُمت سے ہوں۔

گر ز فتم طریقِ سنتِ تو

بستم از عاصیانِ اُمتِ تو

اس لیے اس کی رحمت عامہ سے بالوس نہیں ہوتا ہوں

نا امید از رحمتِ شیطان بود

امام شعرانی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندہ سے علوم و معارف کو سلب نہیں کرتا بلکہ وہ چیز جو مسلوب ہو جاتی ہے حال ہے۔ کیونکہ اس کا ایک حال سے دوسرے حال کی طرف انتقال بہت جلد ہوا کرتا ہے۔

وَنَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الْخَوْرِ بَعْدَ الْكُوْرِ۔

ہر حال سجدہ میں نعمت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ نعمت طویل عمر تک بندہ پر مکرر رہ کر ہوتی رہے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ بندہ اس سے منتفع ہوا ہو، اگرچہ عمر بھر میں صرف ایک لمحہ کے لیے ہی ہوا ہو۔ امام شعرانی فرماتے ہیں۔

جس کو کوئی نعمت نصیب ہوئی، خواہ ایک لمحہ کے لیے ہی ہوئی ہو وہ ہر حال میں اس نعمت کے اعتبار سے منعم علیہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے اس لیے جب وہ برکے کہ اللہ نے مجھے یہ کچھ

فَمَنْ تَخَلَّقَ بِخُلُقٍ رَكَوْ لِحَفْظَةِ صَارَ
مِنْ أَهْلِ ذِيكَ الْخُلُقِ عَلَى كُلِّ حَالٍ
فَإِذَا قَالَ اللَّهُ كَذَا أَوْ كَذَا
فَعَدَّ صَدَقَ ۞

دیا تو اس نے سچ کہا۔

آدمی جب اپنے کمالات کو یاد کرتا ہے تو اس کے دل سے بہت سا شکر صادر ہوتا ہے اور جب اپنے نقائص کو یاد کرتا ہے تو وہ قلیل الشکر ہوتا ہے۔ اس لیے اصل بات یہی ہے کہ محاسن ہر وقت سامنے رہیں۔ اور نقائص صرف اس وجہ سے بدر نظر رہنے چاہئیں تاکہ انسان اپنے نفس ہی پر اترا نہ رہے۔

میرا مقصد بھی اپنے اخلاق کے ذکر سے شکر الہی کا اعلان ہے۔ فخر وغیرہ ہرگز نہیں اور اگر کہیں اپنے متعلق کچھ مدح ہو تو وہ اصلاً مقصود نہیں۔ اس لیے کہ وہ نہ مطابقت ہے نہ تقصیر۔ بلکہ لازم ہے، اور لازم مذہب علماء اصول کے راجح قول کے مطابق

لَا مَطَائِفَ الْمُنَى لِلشُّعْرَانِي۔

مذہب نہیں ہونا۔ غرضیکہ جب میں یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ انعام کیا یا نوازش فرمائی۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا اعلان کرتا ہوں۔ اس سے یہ ہرگز مقصد نہیں کہ وہ انعام مجھے اپنی طاقت یا کسی استحقاق سے نصیب ہوا ہے۔ معاذ اللہ من ذالک۔

میں نے اس رسالہ کا نام ”البقار المنن بالقرار المحمن“ رکھا ہے۔ اور اس میں کتاب ”معنی کبریٰ“ کا اسلوب اختیار کیا ہے۔ اور بعض جگہ احادیث کا بھی کچھ اضافہ کیا ہے اپنے حال و حال کی مناسبت کو ہر جگہ محفوظ خاطر رکھا ہے۔ اس لیے کہ ہر کوئی اپنے ٹھوب پر کام کرتا ہے۔

”قُلْ مَثَلٌ يَّمْلُ عَلَىٰ شَاكِرِيهِ تَزْرِيحًا أَمْ لَكُمْ بِسْمِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ سَبِيلًا“ والی واللہ ثم واللہ ثم واللہ اری نفسی قد اذقت الخسف بی من سینین لولا فضل اللہ وحلمہ علی ولا اری احدًا علی جملہ الارض اکتوا قسماً للمعاصی منی ولا اقل حیا منی وکثیراً ما اشرکت ان جمیع ما یقع علی هذا البلد وقد اها من البلاء انما هو بسبب ذنوبی وحدی وان ذنوب غیری کلها مغفورة الا اتعقل غیر ذلک۔

شیطان کے دوسرے سے نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اگر صبح کے وقت دل ایمان کی حالت پر ہوتا ہے تو شام کو کفر کا خطرہ و امن گیر ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے۔ ان خطرات کے تسلسل کا تقاضا خسف یا مسخ ہے۔ لیکن اللہ کے علم رحم اور کرم کے قربان جانیے کہ اس نے مجھے نہ خسف کیا اور نہ مسخ، بلکہ بدستور نوازش سے سرفراز فرمائے رکھا۔ لا اخصی شئاً علیک انت لکما اثنیت علی نفسک۔

وَلَوْ أَنَّ لِي فِي كُلِّ مَنبَتٍ شَعْرَةٌ
لِسَانَ كَمَا اسْتَوْفَيْتُ وَاجِبَ حَمْدِهِ

بھدا! اللہ تعالیٰ نے مجھ ظلوم و جہول پر یوم ولادت سے اس وقت تک جو احسان اور انعام فرمائے ہیں۔ وہ حیطرہ شمار میں نہیں آسکتے۔ اسی طرح مجھ سے ظاہری و باطنی طور پر جن جن معاصی کا ارتکاب ہوا ہے وہ بھی بے حد و شمار ہیں۔ دل میں گزرنے والے ہر نیال کو دیکھوں تو عسوس ہوتا ہے کہ ابھی پھٹکارا اور لعنت کا مستحق تھرا۔ لیکن اللہ کی رحمت مجھے ناسید نہیں ہونے دیتی۔ کیونکہ میں مسلمان ہوں اور میرے والدین بھی مسلمان تھے درنہ میں خسف و صبح اور ہمیشہ دوزخ میں رہنے کا مستحق ہوں۔

اس لیے تو میں ہر وقت عذابِ الہی سے ڈرتا ہوں۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ نے میرے لیے نجات مقدر کر رکھی ہے تو میرا یہ سارا کفر و ضلالت موت سے قبل، حرمِ خاتمہ کے باعث انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ اور اگر خدا نخواستہ قلمِ تقدیر نے کچھ اور لکھا ہے تو علم و عمل میں خواہ وحید و ہر اور فریدِ عصر کیوں نہ بن جاؤں تو بھی یہ فضائل میرے کسی کام نہ آئیں گے۔ اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میں وہ کام کروں جو میرے معبود و وحدہ لا شریک کو پسند ہوں اور شیطان کو خوش کرنے والے امور سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دوں۔ کیونکہ اچھا اور بُرا عمل نیک و نیکمی اور بد و نیکمی کا میزان ہے۔ وما توییقی اذ لا اللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔



مقدمہ

حضرت علیؓ تو اس نے فرمایا ہے کہ اعمال کے اظہار و اخفا کے اعتبار سے لوگوں کی کئی قسمیں ہیں۔

اول وہ جن کا ظاہر، باطن سے بہتر ہے۔

دوم جن کا ظاہر، باطن کیساں ہے۔

سوم جن کا باطن خیر میں علانیت کی نسبت راجح ہے

چہارم جو ان سب اقسام سے غائب ہیں۔ مؤخر الذکر کے علاوہ پہلی تین قسموں میں

ترجیح کے واضح ہونے کے باعث ریاکاری کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مشائخ کا اس بات پر

اجماع ہے کہ جو شخص اخلاص کا اظہار کرتا ہے، اس کا اخلاص ابھی تک متاخر اخلاص ہے

قیامت کے دن تو صرف اسی شخص کی میزان فذنی ہوگا۔ جو اپنے آپ کو اس بار بردار

بانور کی طرح سمجھتا ہے جس کو معلوم نہیں کہ اس کی پشت پر سامان نفیس ہے یا خیس۔

جب کسی انسان کو کشف و یقین سے یہ معلوم ہو جائے کہ میں سزاوارِ عقوبت ہوں، اور

میرے ان سارے کمالات میں سے کوئی چیز بھی میری نہیں بلکہ میرے آقانے یہ سب میرے

پاس مستعار رکھے ہیں۔ اسے سب کے سامنے تحدیثِ نعمت جائز ہے کیونکہ وہ اپنے

آپ کو کسی دوسرے سے بہتر نہیں سمجھتا۔ واللہ! میں دنیا و آخرت میں اپنے تئیں اللہ

کے کسی فضل کا مستحق نہیں پاتا۔ میں تو روئے زمین کے تمام عاصیوں کے پیچھے کھڑا ہونے کا مستحق ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کم عقل، عدم توانائی کے باوجود بغیر سبب کے ہزار ہا لوگوں سے زیادہ جاہ و مال عنایت فرما رکھا ہے۔ اور بہت سے عقل و شعور اور فہم و دانش مندی کے بلند مراتب پر فائز لوگ حاجت کے باوصف ان سے محروم ہیں۔ تو یہ اللہ پاک کا مجھ پر احسانِ عظیم اور اعداءِ عظیم نہیں تو اور کیا ہے کہ مستحق تو محروم ہیں اور غیر مستحق خدا سے زیادہ خوش حال۔ مجھے زیادہ خدشہ اس بات کا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا تو دوست دشمن دونوں کو دیتا ہے۔ لیکن دین کی دولت سے صرف اپنے دوستوں ہی کو نوازتا ہے۔ اس لیے دنیا دار اور مالدار کو کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ مجھے دنیا میں عزت و جاہ نصیب ہوئی ہے تو میں اللہ کو بھی عزیز ہوں اور آخرت میں بھی مجھے عزت نصیب ہوگی۔ اور یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ جو لوگ یہاں دنیا میں فقیر اور خفیہ ہیں۔ اللہ کے ہاں بھی ان کی کوئی عزت نہیں ہے۔ ورنہ وہ یوں خوار اور محتاج نہ ہوتے۔ کیونکہ آخرت دنیا کی سوت ہے۔ وہاں کے معاملات یہاں کے معاملات سے برعکس ہوں گے۔ ممکن ہے کہ دنیا کے اغنیاء و ملوک آخرت میں غلام و کنیز سے بھی بدتر ہوں۔ اور یہاں کے فقراء وہاں کے سلاطین بن جائیں، بلکہ یہاں کے ایماندار اغنیاء بھی فقراء سے پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے۔ اس سے آپ ان مالداروں اور دنیا کے پیچاریوں کا اندازہ لگتا ہے جو محض دنیا کی خاطر جیتے ہیں۔ اور آخرت سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ ان کا ٹکنا یقیناً جہنم ہوگا۔ تعوذ باللہ من غضب اللہ!



احساناتِ خداوندی

حسب و نسب | میں شریف النسب ہوں۔ لیکن یاد رہے کہ تقویٰ کے بغیر بے شرف

قطعاً نفع بخش نہیں ہے۔ امام شعرانیؒ نے اپنا شجرہ نسب

محمد بن الحنفیہ بن الامام علی رضی بن ابی طالب تک ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

مِمَّا مَنَّ اللَّهُ بِهَا عَلَيَّ شَرَفٌ
اللَّهُ تَعَالَى نَعْمَ فَجْهٌ بِرِجْوَا حَسَانٍ فَرَأَيْتُمْ هَؤُلَاءِ
نَسَبِيَّ ۖ لَهٗ

ان میں سے ایک شرفِ نسب بھی ہے۔

نیز انہوں نے لکھا ہے کہ میرے جدِ پنجم سلطانِ تلسان تھے۔ اسی طرح میں بھی

یہاں اپنا شجرہ نسب حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک سپردِ قلم

کرتا ہوں۔ اگرچہ قبل ازیں اپنی کتاب "فرع" نامی میں لکھ چکا ہوں۔ اور اس کتاب

میں ہر نام کا مختصر تعارف بھی کراچکا ہوں تاہم یہاں بھی شجرہ نسب لکھتا ہوں، اور

صرف اسماء کے ذکر کر دینے پر ہی اکتفا کرتا ہوں، چنانچہ میرا سلسلہ نسب حسب

ذیل ہے:

«صدیق بن حسن بن علی بن لطف اللہ بن عزیز اللہ بن لطف علی

بن علی اصغر بن سید کبیر بن تاج الدین بن جلالی بن سید

لہ لطف العن لشعرانی۔

راجہ شہید برج سید جلال ثالث بن حامد کبیر بن ناصر الدین محمود
بن جلال الدین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت بن احمد
کبیر بن جلال اعظم گل سرخ بن علی موید بن جعفر بن احمد بن محمد بن
عبداللہ بن علی اشقر بن جعفر زکی بن علی نقی بن محمد تقی بن علی رضا بن
موسٰی کاظم بن جعفر صادق بن محمد باقر بن علی زین العابدین بن حسین
سبط بن فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“

گویا میرے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین تینیس نفوس کا واسطہ
ہے۔ اور ان میں سے آٹھ ائمہ اہل بیت ہیں، جن کا شمار ائمہ اثنا عشر میں ہوتا
ہے۔ پھر جعفر زکی سے لے کر جناب مخدوم جہانیاں بلکہ جلال رابع تک غالباً
تمام اولیاء و صلحاء تھے۔ اور سید تاج الدین سے لے کر جد امجد علی بن لطف اللہ
تک تمام اہل دولت ہوئے ہیں۔ میرے دادا جو سید اولاد علی خاں کے نام سے
مشہور ہیں، انہیں ریاست حیدرآباد دکن سے نواب انور جنگ بہادر کا خطاب
ملا تھا۔ اور وہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کا علاقہ اور ایک ہزار سوار و پیادہ رکھتے
تھے۔ میرے نانا مفتی محمد عوض ساکن بانس بریلی عالم، عارف باللہ، صحیح النسب
قریشی اور خلیفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کا اپنی
جگہ مضبوط نسب نامہ ہے۔ اصف الدولہ والی اودھ ان کو نذر دکھلائے تھے۔
میرے والد سید اولاد حسن رحمہ اللہ نے شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز دہلوی
تدیس سترہما سے علم حاصل کیا۔ شاہ عبدالقادر صاحب موضح القرآن کو دیکھا اور
شاہ عبدالعزیز کے خلیفہ حضرت سید احمد ساکن رائے بریلی کے ہاتھ پر بیعت
کی۔ آپ عالم باعمل تھے۔ کلکتہ سے لاہور اور شمال سے دکن تک کے اکثر علماء و
امراء آپ سے واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نصائح میں نہایت اثر

ودیعت فرمایا ہوا تھا۔ چنانچہ قنوج و اطراف قنوج کے دس ہزار سے زیادہ آدمی ان کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ جن میں اپنی معرفت کی اکثریت ہے۔ اور باقی شیخ، سید، منغل اور پٹھان ہیں۔

۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۲۳۸ھ میں پیدا ہوا۔ ابھی چار پانچ برس ہی کا تھا کہ ۱۲۵۳ھ میں والد ماجد اللہ کو پیارے ہو گئے، اور والدہ محترمہ نے پرورش کی۔ **اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدِي وَلِمَنْ تَوَلَّاهُ وَارْحَمْهُمَا** کما در بیانی صغیراً۔

میں نے اپنے نسب کو جو شریف لکھا ہے، اس کی دہریہ شرافت نسب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

اہل بیت کو تطہیر کی بشارت دی ہے۔ اور انسان کا سب سے بڑا شرف یہی ہے کہ وہ مطہر ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوقت صبح باہر تشریف لائے۔ اس وقت سیاہ بالوں کا نقش کبیل زبیب تن تھا۔ اتنے میں حضرت حسن بن علیؑ آئے۔ آپ نے ان کو کبیل میں چھپا لیا۔ پھر حسینؑ آئے، آپ نے ان کو بھی حضرت حسنؑ کے ہمراہ کر لیا۔ پھر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں انہیں بھی اور پھر حضرت علیؑ آئے تو انہیں بھی اس کبیل میں داخل کر لیا اور فرمایا:

اِنَّهَا يَرِيكَ اللهُ لِيَذِيبَ عَنْكَ
الرِّيحَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيَطْمَرِكَ
اے اہل بیت اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ناپاکی دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے۔

اس حدیث میں گویا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ چاروں اور ان کی اولاد قرآن مجید کی نص کے ساتھ اہل بیت کے نام سے موسوم ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص

سے روایت ہے کہ جب آیت شریفہ "فَدَعُوا بَنَاتِكُمْ لِيُنكحُنَّ نَازِلَ هُوَئِي تُوَا نَحْضُرَتِ
صَلَّى اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی، حضرت فاطمہ رضی، حضرت حسن رضی اور حضرت
حسین رضی کو بلا کر فرمایا:

اللَّهُمَّ هُوَ لَا عَهْلَ بَيْتِي لَهُ
اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی کی اولاد کا اہل بیت ہونا
کتاب و سنت کی نصوص سے ثابت ہے۔ حضرت عائشہ رضی سے مروی ایک طویل
حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ الْاَلَاءُ تَرْضَيْنَ اَنْ تَكُوْنِي
سَيِّدَةً لِّنِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ اَوْ نِسَاءِ
اے فاطمہ رضی! تو اس بات سے خوش نہیں
کہ تو اہل جنت کی عورتوں یا آپ نے یہ
فرمایا کہ، مومنوں کی عورتوں کی سردار ہو جائے
الْمُؤْمِنِيْنَ

مسور بن مخرمہ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِثِّي فَمَنْ اَعْظَبَهَا
اے فاطمہ رضی میرا ٹکڑا ہے جو اسے ناراض کرے
اس نے گویا مجھے ناراض کر دیا۔
اَعْظَبَتْنِي عَلَيْهِ

حضرت ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ ایک دن میں آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے ہمراہ نکلا تو آپ حضرت فاطمہ رضی کے حجرہ میں تشریف لے آئے
اور فرمایا کیا یہاں لکع ہے؟ کیا یہاں لکع ہے؟ لکع کے معنی ہیں چھوٹا بچہ، اور
آپ کی مراد حضرت حسن رضی سے تھی۔ اچانک وہ بھی دوڑتے ہوئے آگئے تو آپ
نے ان کو گلے لگا لیا۔ پھر فرمایا:

لہ رواہ مسلم
تے متفق علیہ

اللَّهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ
مَنْ يُحِبُّهُ ۖ
اے اللہ! میں اس سے محبت کرنا ہوں تو
بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے محبت
کرے اس سے بھی محبت کر۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبتِ اہل بیت کے حق میں دُعا ہے۔ حضرت
اسامہ بن زید سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس کسی کام کی غرض سے آیا۔ آپ جب باہر تشریف لائے تو آپ نے کچھ اٹھا رکھا
تھا۔ مجھے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کیا ہے۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو عرض کی
حضور! آپ کیا اٹھانے ہوئے ہیں۔ آپ نے کپڑا کھولا تو حسن و حسینؑ آپ کے
زانو پر بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا:

هَذَا ابْنِ ابْنَائِي وَابْنَاتِي ۖ اللَّهُمَّ إِنِّي
أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ
يُحِبُّهُمَا ۖ
یہ دونوں میرے بیٹے ہیں امیری بیٹی کے
لحنتِ مگر میں اے اللہ میں ان سے محبت
کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت کر اور جو ان
سے محبت رکھے ان سے بھی محبت فرما۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہؑ کی اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی اولاد ہے۔ اگرچہ اولادِ دختر اپنی اولاد نہیں ہوتی۔ لیکن یہ جناب رسالت مآب
صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔
حضرت انس رضی سے مرفوع روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

کیا کہ:
أَيُّ أَهْلِ بَيْتِكَ أَحَبُّ
آپ کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ

لے متفق علیہ سلمہ رناہ الزمذی۔

محبوب کون ہے؟

آپ نے فرمایا:

الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَه

حسین اور حسین۔

حضرت فاطمہ رض سے آپ فرمایا کرتے تھے۔

أَدْعِي لِي أَبْنَاءَ - میرے بیٹوں کو تو ذرا بلاؤ۔

جب وہ آجاتے تو آپ ان کو سونگتے اور گلے لگاتے تھے

حضرت عبداللہ بن عمر رض سے بھی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن و حسین کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

هُمَا رِيحَانِي مِنَ الدُّنْيَا يَه
کہ وہ دونوں میرے لیے دنیا کی چیزوں میں سے خوشبودار پودوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت زید بن راقم رض سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

أَنَا حُذْرٌ لِمَنْ حَارَ دَهْرُهُ وَسِيَرُهُ
جو ان سے لڑائی کرے اس سے میری لڑائی اور
لِمَنْ سَأَلَ هُمْ يَه
جو ان سے صلح کرے اس سے میری صلح ہے۔

آپ کی مراد حضرت علی رض، فاطمہ رض اور حسن و حسین رض سے تھی۔

حضرت ابوسعید رض سے مرفوع روایت ہے کہ:

الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا الشَّبَابِ
حسن و حسین رض جنت کے نوجوانوں کے
أَهْلُ الْجَنَّةِ يَه
سوار ہیں۔

لہ روایہ الترمذی وقال ہذا احمدی غریب۔

لہ روایہ البخاری۔

لہ روایہ الترمذی۔

لہ روایہ الترمذی۔

حضرت یعلیٰ بن اترہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

حَسْبُنَا مَعْنَى وَأَنَا مِنْ حَسْبِنِ
حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں، خدا
أَحَبَّ اللَّهُ مَنْ أَحَبَّ حَسْبَنَا حِينَ
اس سے محبت کرے جو حسینؑ سے محبت کرتا ہے
سَبَطَ مِنْ الْأَسْبَاطِ
حسینؑ اسباط میں سے ایک سبط ہیں۔

سبط پوتے کو کہتے ہیں یہ سبط سے ماخوذ ہے۔ سبط بہت سی شاخوں والے
درخت کو کہتے ہیں۔ اس میں حضرت حسینؑ کی کثرت نسل کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے
اس کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں حسینؑ امتوں میں سے ایک امت ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ:

أَجَبُونِي لِعِبْتِ اللَّهِ وَأَجَبُوا أَهْلَ
مجھے اللہ کی محبت کی وجہ اور میرے اہل بیت
بَيْتِي لِحَبْتِي عَلَيْهِ
کو میری محبت کی وجہ محبوب سمجھو۔

معلوم ہوا کہ محبت سادات، عین سبب المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت
ہے۔ حضرت ابوذر رضی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے در کعبہ
پکڑے ہوئے ارشاد فرمایا:

أَلَا إِنَّ مَثَلَ أَهْلِ بَيْتِي فِيكُمْ مَثَلُ
نبردوار! میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوحؑ
سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ
کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا
تَخَلَّفَ عَنْهَا هَلَكَ عَلَيْهِ
اور جو پیچھے رہا، ہلاک ہوا۔

حضرت زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

لہ رواہ الترمذی۔ لہ رواہ الترمذی بطولہ۔ حضرت ابوذر کی یہ روایت اور اس کے علاوہ
دیگر صحابہ سے مروی اس مضمون کی روایات سب سنداً محذوف ہیں۔ دیکھئے مجمع الزوائد ج ۹

ص ۱۶۸ ص ۱

لہ رواہ احمد۔

نے مکہ و مدینہ کے درمیان بثرخم کے مقام پر خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور وعظ و تذکیر کے بعد فرمایا:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
 أَنْ يُاتِيَنِي رَسُولٌ مِّنِّي فَأُجِيبُ وَأَنَا
 تَارِكٌ بَيْنَكُمْ التَّقِيَدِينَ أَوْ لَهَا كِتَابٌ
 لِلَّهِ فِيهِ الْهُدَىٰ وَالتُّورُ وَفَحْنُ ذَا
 بِكِتَابِ اللَّهِ فَاسْتَمْسِكُوا بِهِ بِحَبِطِ
 عَلَى كِتَابِ اللَّهِ ذَرَعَبٌ فِيهِ تَمُّ قَالَ
 تَاهَلُ بَيْتِي أَدْرِكُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ
 بَيْتِي أَدْرِكُكُمْ اللَّهُ فِي أَهْلِ بَيْتِي ۖ

لوگو! میں ایک انسان ہوں، ممکن ہے کہ
 جلد ہی میرے پاس میرے رب کا پیامبر
 آجائے تو میں دعوت کو قبول کر لوں۔ میں تم
 میں دو مضبوط گراں قدر چیزیں چھوڑ کر نصرت
 ہو رہا ہوں ان میں سے ایک کتاب اللہ
 ہے جس میں ہدایت و نور ہے لہذا کتاب اللہ
 کو مضبوطی سے تمام لو۔ الغرض آپ نے
 کتاب اللہ کی طرف بست نوچہ دلائی۔ پھر فرمایا

کہ دوسری چیز جو ہے میرے اہل بیت میں۔ اپنے اہل بیت کے متعلق میں تمہیں خدا سے
 ڈرانا ہوں۔ اپنے اہل بیت کے متعلق میں تمہیں خدا سے ڈرانا ہوں۔“

اس حدیث میں آپ نے قرآن مجید اور اہل بیت کو شعلین قرار دے کر دونوں
 کو ایک ہی سلسلے میں منسلک فرما دیا ہے۔ اہل بیت کے لیے یہ نہایت شرف کی بات
 ہے۔ حضرت زید بن علی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

إِنِّي تَارِكٌ بَيْنَكُمْ مَا إِنْ كَسَمْتُمْ يَوْمَ
 لَنْ تَضِلُّوا بَعْدِي أَحَدُهُمَا أَكْظَمُ
 مِنَ الْآخِرِ كِتَابِ اللَّهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ
 مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ وَعِزَّتِي

میں تم میں وہ کچھ چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر
 انہیں مضبوطی سے تمام لو گے تو میرے بعد
 کبھی گمراہ نہ ہو گے مان میں سے ایک دو سزا
 سے بڑھی ہے۔ ایک کتاب اللہ ہے جو اللہ

لہ رواہ مسلم۔

اَهْلَ بَيْتِي وَكُنْ تَتَفَرَّقَ قَاحَتِي يَرِدَا
 عَلَيَّ الْخَوْضَ فَانظُرُوا كَيْفَ
 تَعْلَمُونَنِي فِيهِمَا۔
 کی آسان سے زمین تک پھیل ہوئی ایک رسی
 ہے اور دوسری میری اولاد ہے اور یہ دونوں
 ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے۔
 حتیٰ کہ مجھے حوض کوثر پہنچائیں گے۔ سو خیال رکھو کہ تم میرے بعد ان کے ساتھ کیسا سلوک
 کرتے ہو؟

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کے موقع
 پر عرفہ کے دن تصواء اولیٰ پر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا، جس میں آپؐ نے
 فرمایا تھا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ إرثًا
 أَخَذَ كَفَرِيهِ كُنْ تَهْلِكُوا كِتَابَ اللَّهِ وَ
 عِدَّتِي أَهْلَ بَيْتِي ۖ
 لوگو! میں تم میں ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں
 کہ اگر مغیروں نے اسے لے لیا تو تم لوگ
 گمراہ نہ ہو گے۔ اور وہ کتاب اللہ ہے اور
 میرے اہل بیت میری اولاد ہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہل بیت کے یہ مناقب حسین، فاطمہ اور علی رضی اللہ
 عنہم کے ساتھ مخصوص ہیں یا ان کی اولاد کو بھی شامل ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ فقہائے
 جو خاص ان کے نام پر آتے ہیں۔ رشادِ حق و حسیلیٰ جو انانِ جنت کے سردار ہیں۔ وہ
 تو متجاہد نہیں لیکن وہ الفاظ جو بعینہٴ عموم آتے ہیں۔ وہ متجاہد ہیں اور حضرت
 فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات کہ ان کی اولاد کو شامل ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم نے امام مہدی علیہ السلام کو اہل بیت میں سے قرار دیا ہے۔ حالانکہ آنحضرت

لے رعاہ النزدی۔

لے " " لے

صلی اللہ علیہ وسلم امدان کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ اور حسب و نسب کا ایک عظیم سلسلہ ہے۔ جب وہ آلِ رسول ہیں تو وہ ساداتِ جو حضرت فاطمہؓ کے زمانہ سے تا ظہورِ مہدیؑ دنیا میں گزر چکے ہیں یا گزریں گے یا فی الحال موجود ہیں، اقلت و سائط کے باعث بالاولیٰ اہل بیت میں داخل ہیں۔ بشرطیکہ ان کا اعتقاد و عمل قرآن مجید کے مطابق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِآيَاتِنَا وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا إِلَيْهِ

اسے ہمارے پروردگار! ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی مغفرت فرما جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں اہل ایمان کے لیے کینہ نہ پیدا ہونے دے۔

تو اس سے معلوم ہوا کہ جو اپنے دل میں سابقہ مومنوں کے لیے کینہ رکھتا ہو اور ان کے لیے دمان کرتا ہو بلکہ بددعا کرتا ہو۔ جیسے روافض و خوارج کرتے ہیں۔ تو وہ مومن نہیں ہے بلکہ جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر غیظ و غضب آئے۔ اس کے لیے کفر کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

”لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارُ“

اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنی رضامندی کا اظہار فرمایا ہے۔

”رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ“

اب جو کوئی ان سے ناراض ہو، وہ مخالفِ خدا ہے۔

یہ قید ہم نے دو وجہ سے ذکر کی ہے۔

اول تو اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت کو ثقلِ قرآن کے

ہم مثل قرار دیا ہے۔ اور یہ ثقل اسی وقت معتبر ہوگا۔ جب کہ یہ دونوں ترازو کے پلڑوں میں ایک دوسرے کے ہم وزن ہوں۔ تو جو لوگ نسیں نبوت میں ہو کر کتاب و سنت پر عمل پیرا نہیں بلکہ شیعہ، خوارج اور وافض کی طرح بدعت و ضلالت میں سرگرداں ہیں، وہ ان فضائل کے ہرگز مصداق نہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے مخاطب ہو کر ان کے بیٹے کے بارے میں فرمایا تھا:

إِنَّكُمْ كُنْتُمْ مِنْ أَهْلِكَ إِلَّا نَجْمًا وَعَمَلٌ
غَيْرَ صَالِحٍ لَهُ

بے شک وہ تیرے اہل میں سے نہیں ہے۔
بے شک وہ ناشائستہ افعال کا حامل ہے۔

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پسیر نوح با بدانِ نبشست

خاندا ان نبوتش گم شد

سب اصحاب کہف روزے چند

پنے نیکاں گرفت مردم شد!

اور دوم اس لیے کہ قرآن مجید میں ازواجِ مطہرات کے حق میں فرمایا گیا

ہے کہ تم میں سے اگر کوئی بُرا کام کرے تو اسے دو گنا عذاب ہوگا۔ اور یہ اس

لیے کہ تعزیر بقدر کرامت ہوتی ہے۔ اگر سیدِ سنی کبار کا ارتکاب کرے تو وہ

دو گنے عذاب کا مستحق ہوگا۔ اور پھر اگر عالم ہو کر اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرے

تو وہ اور زیادہ مستحق عقاب ہوگا۔ غرضیکہ سید اور ذریتِ نبی سے ہونا کوئی امرِ

بات نہیں۔ کیونکہ اگر عمل ٹھیک نہ ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے

نہایت ذلت و خجالت ہوگی۔ ایک سید کو اس نسبِ مبارک کا اسی وقت نفع

ہو سکتا ہے جب کہ وہ ہر صورت میں خواہ عالم ہو خواہ جاہل، کتاب و سنت

کے مطابق عمل کرے۔ بہت سے لوگ محض اس طرہ کے باعث ہلاک ہو گئے کہ ہم اہل بیت ہیں۔ اور ہمیں تمام امت پر شرفِ عظیم حاصل ہے۔ حالانکہ شیطان نے انہیں دھوکا دیا۔ اور صراطِ مستقیم سے انہیں دُور لے گیا۔ امام محمد تہجد نے لکھا ہے کہ اسبابِ تکبر میں سے ایک سبب نسبت ہے۔ چنانچہ:

فَشَرِيفُ النَّسَبِ كَيْتَمُ قَرْمَخَيْسَةَ
شَرِيفِ نَسَبٍ وَالْاَخْيَاسِ نَسَبٍ وَاللَّهِ كُوْحِيْرُ
وَإِنْ كَانَ أَرْفَعُ مِنْهُ عِلْمًا وَعَمَلًا
مُحْتَابٌ أَيْ كَرِهُ عِلْمٌ وَعَمَلٌ كَيْتَمُ قَرْمَخَيْسَةَ
وَقَدْ يَزِي بَعْضُهُمْ أَرْتَ النَّاسِ
وَهُ اس سے ارفع ہی کیوں نہ ہو۔ بعض
لَهُ عَيْدٌ وَيَأْتُ مِنْ مَجَالِسِهِمْ
تُو اس قدر مغرور ہو جاتے ہیں کہ وہ
وَهُ بِنَا أَظْهَرَ فِي اللِّسَانِ فَعَالَ
لوگوں کو اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ اور ان کے
يَقِيْرُهُ مَنْ أَنْتَ وَمَنْ أَبُوكَ وَأَنَا
ساتھ بیٹھنے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔
فَلَاكُنْ بِنُ فَلَإِنْ وَآفِي لِيْمَثَلِكَ أَنْ
حتیٰ کہ اس نفرت کا اظہار ان کی زبان سے
يَكَلِمَتِي وَنَحْوَهَا وَهَذَا آدَاءُ دَفْنِيْ
بھی اس طرح ہونے لگتا ہے کہ.....

قَالَ مَا يَنْفَكُ عَنْهُ تَسِيْبٌ وَإِنْ
وہ اپنے غیر سے مخاطب ہو کر
كَانَ صَالِحًا لَيْبًا لَكِنْ قَدْ لَا يَظْهَرُ
کہتا ہے کہ تو کون ہے اور تیرا باپ کون؟
عِنْدَ اعْتِدَالِ الْأَحْوَالِ فَأَوْعَضَ
تجھے معلوم نہیں کہ میں غلام بن فلاں ہوں
أَنْطَفَى نُورٌ بِصِيْرَتِهِ فَظَهَرَ
تیرے جیسے کینے کو میرے ساتھ بات
مِنْهُ قَالَ أَبُو ذَرٍّ فَأَوَلْتُ رَجُلًا
کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ ایک ایسا مخفی
عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ
مرض ہے کہ شاید ہی کوئی اچھے نسب
وَسَلَّمَ نَعَلْتُ لَهُ يَابْنَ السُّوقَاءِ
والا، اس سے محفوظ رہا ہوں نیک اور
فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
عقل مند لوگ اگرچہ اعتدالی احوال کے
كَيْسَ رِبِّ بْنِ بِيضَاءَ عَلَى ابْنِ سُوْدَاءَ
وقت ایسی باتیں نہیں کرتے۔ لیکن جب

جب حقے میں آجائیں تو ان کا بھی نورِ بصیرت
کچھ جاتا ہے۔ اور وہ بھی ایسی باتیں شروع

کر دیتے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی سے روایت
ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے پاس ایک آدمی پر طعن کرتے ہوئے
کہا اے سیاہ عورت کے بیٹے! آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سفید عورت
کے بیٹے کو سیاہ عورت کے بیٹے پر

کوئی فضیلت حاصل نہیں اور آنحضرت

أَنَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ فَمَنْ أَنْتَ
فَقَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَلَّمَ إِنَّتَحَرَ رَجُلَانِ عِنْدَ
مُوسَى فَقَالَ أَحَدُهُمَا أَنَا
فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ حَتَّى عَدَّ
تِسْعَةً أَبَاؤِي فَأَدْعَى اللَّهَ إِلَى
مُوسَى فَقَالَ كَذَا التَّسْعَةَ مِنْ
أَهْلِ النَّارِ دَأْتَتْ مَا شِئْتُمْ بِهِ

۵

صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو آدمیوں نے ایک دوسرے پر فخر کرنا

شروع کیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں بن فلاں ہوں، تو کون ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی دو آدمیوں

نے فخر کیا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ میں تو فلاں بن فلاں ہوں، حتیٰ کہ اس نے

اپنے نو آباؤ اجداد کے نام شمار کر دیئے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام

کی طرف وحی کی کہ اسے کہہ دو، وہ نو کے نو جہنم میں ہیں۔ اور دسواں تو بھی جہنم میں!

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ معزز انسان کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ معزز

وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ

أَتْقَاهُ بِهِ

لہ احیاء الاحیاء علیہ الحدیث متفق علیہ۔

حضرت عیاض بن ہمار مجاشعی سے مرفوع روایت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا
حَتَّىٰ لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلَىٰ أَحَدٍ
وَلَا يَتَّبِعِي أَحَدٌ عَلَىٰ أَحَدٍ ۖ

اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے کہ
تم سب اس قدر تواضع اختیار کرو کہ کوئی
شخص کسی دوسرے پر فخر نہ کرے اور
نہ کوئی کسی پر زیادتی کرے۔

حضرت ابوہریرہ رضی سے مرفوع روایت ہے کہ:

لَبِثْتُهُنَّ أَقْوَامٌ يَفْتَخِرُونَ
بِأَبَائِهِمُ الَّذِينَ مَا تَوَلَّوْا مِنَّا
لَهُمْ فَحَمٌ مِّنْ جَهَنَّمَ أَوْ لِيَكُونَنَّ
أَهْوَنَ عَلَى اللَّهِ مِنَ الْجُعَلِ
الَّذِي يَدْهُ هِدْيَةٌ الْخُرْأُ بِأَنْفِهِ
إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبَيْتَةَ
الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخَرَهَا بِالْأَبَائِ
لِنَسَاهُ مَوْمِنٍ نَّقِيٍّ أَوْ فَا جِرْ شِقْ
النَّاسِ كُلُّهُمْ بَنُو آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ ۖ

لوگ اپنے مردہ آباؤ اجداد پر فخر
کرنے سے باز آجائیں۔ وہ تو جہنم کے
کوٹھے ہیں، یا پھر اللہ کے ہاں اس
سیاہ کپڑے سے بھی زیادہ حقیر ہو جائیں
گئے جو اپنے ناک سے گندگی کو حرکت دیتا
ہے۔ بلاشبہ اللہ نے تمہارا دور جاہلیت کا
مکبر اور آباؤ اجداد کے ساتھ فخر کرنا
ختم کر دیا ہے۔ وہ دُخْر کرنے والا یا
تو مومن پر ہنر گار ہے یا بدبخت گنہگار۔

تمام لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے۔

حضرت حسن، سمرہ رضی سے ایک مرفوع روایت نقل فرماتے ہیں کہ:

الْحَسَبُ الْمَالُ وَالْكَوْمُ الشُّقْوَةُ ۖ

حسب سے مراد مال و کوم سے مراد تقویٰ ہے۔

لہ رواہ مسلم۔

لہ رواہ الترمذی و ابو داؤد۔

لہ رواہ الترمذی و ابن ماجہ۔

حضرت عقبرین مامروہ سے مرفوع روایت ہے کہ:

أَنَا كَرِهِيهِ كَيْسَتْ بِمَسْبَتِهِ عَلَى
أَحَدٍ مِّنْكُمْ بَنُو آدَمَ طَفُّ الصَّالِحِ بِالصَّانِ
كَمْ تَمَثَّلُوا لَيْسَ لِأَحَدٍ عَلَى أَحَدٍ فَضْلٌ
إِلَّا بَدِينٍ وَتَقْوَى - الْحَدِيثُ -
تمہارے یہ نسب کسی کے لیے گالی اور عار
کا عمل نہیں تم سب آدم کے بیٹے ہو، اور
نقص میں برابر ہو، کسی کو کسی پر دین و تقویٰ
کے بغیر کوئی فضیلت حاصل نہیں۔

صحاح و سنن کی ان احادیث مبارکہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح
ہو جاتی ہے کہ انسان اگرچہ کیسا ہی شریف النسب کیونہ ہو، اس کے لیے غیر شریف النسب
پر فخر کرنا حرام ہے کیونکہ دین اسلام میں شرف کا انحصار محض دینداری اور تقویٰ
پر ہے۔ لیکن افسوس کہ یہ مرض جاہل سادات اور صوفیاء کی اولاد میں کبھت
پایا جاتا ہے۔ عام طور پر یہ لوگ علم و عمل سے محروم ہوتے ہیں۔ اور محض ذات
اور شرافتِ نسب پر ناز و تکبر کرتے ہیں۔ قیامت کے دن یہی شرافت ان کے
لیے شروافت ہو جائے گی۔ اللہم احفظنا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میری نظر میں کوئی تقویٰ شعار مسلمان، خواہ وہ
کیسا ہی کم ذات و کم نسب کیوں نہ ہو۔ قطعاً حقیر نہیں۔ میں ہر متقی کو اپنے سے
ہزار درجہ بہتر سمجھتا ہوں۔ اس لیے میں نے آج تک کسی کے سامنے اپنے نسب
پر فخر نہیں کیا، اور نہ میں نے کبھی اپنی شرافتِ نسب کو تخصیصِ رزق یا تعظیم
کا وسیلہ ہی بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ میری اولاد بھی اسی راستے پر
گامزن رہے گی۔ اور ہم سب کا ایمان پر خاتمہ ہوگا۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز
اللہم آمین!

لہ رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان۔

امت کے بعض افراد میں یہ مرض بھی پایا جاتا ہے کہ وہ سید تو نہیں ہوتے۔ لیکن لوگوں سے طلب دنیا یا حصولِ صدقہ و خیرات کے لیے وہ اپنے آپ کو سید ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ غیر باپ کی طرف انتساب حرام ہے۔ صحیح حدیث میں اس کذب بیانی پر لعنت آئی ہے۔ اور فرض صدقات تو تمام بنی ہاشم پر قطعاً حرام ہیں۔ یہاں تک کہ ہاشمی بھی کسی دوسرے ہاشمی کو فرض صدقہ نہیں دے سکتا۔ بلکہ سادات کی لونڈیوں اور غلاموں کے لیے بھی صدقہ کا مال لینا درست نہیں۔ عافانا اللہ تعالیٰ عن ذالک۔

ابتدائی حالات؛

والد مرحوم کی وفات کے بعد اعزہ واقارب میں کوئی بھی ایسا نہ تھا جو میری پرورش کرتا۔ ہم دو بھائی اور تین بہنیں تھے۔ سب نے مادرِ مہربان کی آغوش میں تربیت پائی۔ آمدنی کا بھی بظاہر کوئی ذریعہ نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے خزانہ عیب سے رزق عنایت فرماتا رہا۔ والد مرحوم کے مرید بھی اگرچہ بکثرت تھے، جن کی اولاد ابھی تک باقی ہے۔ لیکن ان میں سے بھی کوئی ہمارا کفیل نہیں تھا۔ محض اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کے زیر سایہ پروان چڑھے ہیں۔ والد علیہ الرحمۃ کے بعد والدہ علیہا الرحمۃ نے ایک معلم کا انتظام کر دیا تھا۔ جس سے ہم نے قرآن مجید اور گلستانِ دوستان وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

برادرِ اکبر سید احمد حسن نجد سے دو برس بڑے تھے۔ اور بڑے ذہین تھے انہوں نے جلد فارسی سیکھ لی اور عربی پڑھنی شروع کر دی۔ گھر میں والد علیہ الرحمۃ کا کتب خانہ موجود تھا۔ ان کے خادم شیخ حسین جب کتابوں کو دھوپ میں ڈالتے تو ہم محض دل لگی کے لیے ایک ایک کتاب کھول کر جگہ جگہ سے پڑھتے۔ کوئی مقام

سمجھ میں آتا اور کوئی نہ آتا۔ لیکن اس معض ورق گردانی کا فائدہ یہ ہوا کہ اس کی برکت سے دل میں علم کا شوق پیدا ہو گیا۔ سید احمد علی مرحوم ساکن فرخ آباد، والد مرحوم سے ارادت کے باعث مجھے اپنے گھر لے گئے۔ میں کئی دفعہ ان کے ہاں کئی کئی ماہ تک رہا۔ اور وہاں کچھ عربی پڑھی۔ لیکن بے نیازی اور غفلت کے عالم میں۔ پھر والد صاحب کے کچھ مُرید مجھے تعلیم کے لیے کانپور لے گئے۔ اور وہاں بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ بچپن ہی سے مجھے علماء کرام کی مجلس و عظیم شرکت کا شوق تھا۔ اگرچہ میں اچھی طرح سمجھ نہیں سکتا تھا تاہم مجالس و عظیم شرکت ضرور کرتا تھا۔ بریلی میں مولانا محبوب علی مراد آبادی کا وعظ سنا۔ فرخ آباد اور کانپور میں مجالس و عظیم شرکت کی۔ مولانا محمد علی ٹونکی کا ایک مرتبہ قنوج سے گزر ہوا، آپ نے وہاں جو وعظ فرمایا، مجھے بھی اس کے سننے کا شرف نصیب ہوا۔ آپ بڑے خوش بیان و اعظ، حضرت سید احمد شہیدؒ کے خلیفہ اور مولانا حیدر علی ٹونکی کے برادر اصغر تھے۔

مولانا ولایت علی اور مولانا عنایت علی جب قنوج میں تشریف لائے تو انہوں

۱۴	۱۲۰۰	۱۲۸۰
۱۵	۱۱۹۵	۱۲۶۶
۱۶	۱۲۰۱	۱۲۲۶
۱۷	۱۲۰۲	۱۲۴۲
۱۸	۱۲۰۵	۱۲۶۹
۱۹	۱۲۰۳	۱۲۴۳

نے میرے مکان میں بھی قدم رنجہ فرمایا اور اپنے اہل بیت کو والدہ مرحومہ کی ملاقات کے لیے گھر میں بیسوار دونوں بندگانوں نے جامع مسجد قنوج میں چند جمعہ تک وعظ فرمایا۔ رخصت ہوتے وقت انہوں نے مجھے وصیت فرمائی کہ تم بلوغ المرام ضرور پڑھنا۔ میری عمر اس وقت بارہ تیرہ برس ہوگی۔ ان کے فرمانے کا نتیجہ ایک مدت دراز کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ میں نے بلوغ المرام کی شرح بھی لکھی۔ مولانا ولایت علیؒ مرحوم کے وعظ میں جو شدتِ تاثیر تھی، وہ کسی دوسرے کے وعظ میں نہ پائی۔ آپ کے پاس بیٹھنے سے دل دنیا سے بالکل بیزار ہو جاتا تھا۔ اور دین کا جوش تہہ دل سے اٹھتا تھا۔ یہ مصرعہ میں نے آپ ہی سے سنا تھا۔

ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

کانپور میں مولانا خرم علی صاحب اور مولانا عبدالحمید صاحب لکھنوی کو بھی دیکھا تھا۔ اور مولانا سلامت اللہ صاحب بدایونی کا وعظ بھی سنا تھا۔ آپ کا وعظ مالامالہ تھا۔ بہت خوش بیان مقرر تھے۔ میں نے کانپور میں شاہ غلام رسولؒ کانپوری اور مولانا زین العابدین اللہ آبادی کو بھی دیکھا ہے۔

مولانا فضل الرحمن صاحب بارک اللہ فی حیاتہم بھی بارہا قنوج میں تشریف

۱۲۷۶ھ

۱۳۰۹ھ

۱۳۸۱ھ

۱۳۸۱ھ

۱۳۸۱ھ

۱۳۸۸ھ

لا کر جامع مسجد میں ٹھہرتے تھے۔ اور میرے گھر بھی آتے جاتے تھے۔ ہم دونوں بھائیوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اور والد علیہ الرحمۃ کی قبر پر بھی جایا کرتے تھے۔ آج کل مولانا صاحب کی شخصیت قناعت اور زہد و تقویٰ کے اعتبار سے یادگار روزگار ہے۔ میرے بڑے فرزند نور الحسن خاں کو ان سے بہت زیادہ انس اور عقیدت ہے۔

پھر کانپور سے قاضی کلو ساکن پھر اشو مجھے تعلیم کا حقوق دلا کر دہلی لے گئے اور میں تقریباً دو برس وہاں رہا۔ ان دنوں مولانا بشیر الدین قنوجی بن ناصر کریم الدین وہاں تشریف فرما تھے۔ انہوں نے دو تین روز مجھے اپنے ہاں مہمان رکھا۔ پھر مفتی محمد صدر الدین خاں صاحبؒ آکر مجھے لے گئے۔ اور نواب مصطفیٰ خاں مرحوم کے مکان میں مجھے ٹھہرا دیا۔ یہ مکان چتل قبر کے متصل ہی تھا۔ مفتی صاحب سے میں نے سبق لینا شروع کر دیا۔ اور علومِ اکیہ کی کتابیں آپ سے پڑھیں۔ دہلی میں نے مولانا نواز شعلی واعظؒ، مولانا قطب الدین مرحوم کے شاگرد خواجہ ضیاء الدین واعظؒ، مولانا عبدالخالقؒ، مولانا حفیظ اللہ واعظؒ، مولانا عبدالکریمؒ، مولانا محبوب

۴۱

۴۲

۴۳

۴۴

۴۵

۴۶

۴۷

۴۸

می، مولانا قطب الدین مترجم مشکوٰۃ شریف، مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث
 دہلوی اور ہرگز وہ کے علماء موجودین کو دیکھا۔ لیکن زیادہ دیر تک کسی کے ساتھ بھی
 رہنے کا موقع ملتا نہیں آیا۔ نیز حضرت سید احمد صاحب کے رفقاء میں سے
 مولانا نصیر الدین صاحب و اعجاز جامع مسجد کی بھی زیارت نصیب ہوئی۔ مستفید طلبہ
 میں سے مولانا فیض الحسن سہارنپوری اور ملا نواب صاحب حال مقیم مکہ معظمہ کو
 دیکھا مولانا فضل حق خیر آبادی کو بھی دیکھا اور ان کے فرزند مولانا عبدالحق سے
 بھی جلسہ قیصریہ دہلی میں ملاقات ہوئی۔ خانقاہ مرزا مظہر جانجاناں قدس سرہ میں
 شاہ احمد سعید اور شاہ عبدالغنی کی زیارت ہوئی۔ شعراء میں سے مرزا غالب، شیخ
 ابراہیم ذوقی اور امام بخش مہربانی اس وقت تک بقید حیات تھے۔ امراء میں سے
 نواب مصطفیٰ خان، نواب امین الدین خان، ضیا الدین خان اور ان کی اولاد کو دیکھا
 نواب امین الدین خان نے اپنی دختر نیک اختر کو میرے سہالہ عقد میں دینا چاہا تھا
 اور مفتی صاحب کے ذریعہ سے تحریک بھی کی تھی۔ مگر ان کے منغل ہونے کے باعث
 میں نے ان کی اس پیش کش کو منظور نہ کیا۔

دہلی میں قیام کے زمانہ میں قلعہ کے اندر بہادر شاہ اور ان کے ولی عہد مرزا
 فخر الدین وغیرہ شہزادگان کو دیکھا۔ اور حکماء میں سے حکیم امام الدین خان اور حکیم
 احسان اللہ خان کو دیکھا۔ الغرض ان سب کو دیکھا مگر ایسا کوئی نہ دیکھا جو صحیح معنوں میں
 دنیا سے دست بردار اور خداوند تعالیٰ کا اطاعت گزار ہو۔

در مسجد خانقاہ بسے گو دیدم

بس شیخ و مرید را کہ پا بسیدم

نی یک ساعت زہستی نمود رستم

نی آنکہ ز خویش رستہ باشد دیدم

۱۰۰
 لفظ لفظ سے ماناں

مفتی صاحب ہر اتوار کو اکثر قطب صاحب جایا کرتے تھے۔ میں بھی ان کے ہمراہ چلا جایا کرتا تھا۔ اس وجہ سے بارہا دہلی کے فوت شدہ صلحاء کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں عصر، مغرب اور جمعہ کی نمازیں اکثر جامع مسجد دہلی میں پڑھا کرتا تھا۔ اس وجہ سے میرے زیادہ تر اوقات علماء، عقلاء، امراء، اور صلحاء کی صحبت میں گزرے ہیں۔

مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی پتنگ اڑائی ہو، مُرنغ لڑایا ہو، بیئر پالا ہو، شطرنج کھنڈ، نرد شیر یا کوئی ساکھیں کھیلا ہو یا کبھی شہدوں کی صحبت میں بیٹھا ہوں، سلاکھ کوئی بزدگ سر پہ نہ تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ مجھ پر احسان فرمایا کہ مجھے کبھی بھی مکروہ اُمور کا شوق پیدا نہ ہوا۔ اول میں ہمیشہ اچھے لوگوں کی صحبت کا طالب رہا اور اور اگر اتفاقاً کسی صحبت بد میں پھنس گیا تو جلد متنہبہ ہو کہ باز آ گیا۔ واللہ الحمد میں سات برس کا تھا۔ میرے گھر کے دروازہ پر مسجد تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ صبح کے وقت اذان ہوتے ہی والد مرحوم مجھے بیدار کر دیتیں، اور وضو کر کے مسجد میں بھیج دیتی تھیں۔ اور گھر میں نماز کبھی نہ پڑھنے دیتی تھیں۔ اگر نیند کی سستی کی وجہ سے نہ اُٹھتا تو منہ پر پانی ڈال دیتی تھیں۔ اس وجہ سے بچپن ہی سے نماز کی عادت پڑ گئی۔ شاید دس برس کی عمر میں والد نے روزہ رکھوایا اور اس وقت سے روزہ رکھنے کی عادت پڑ گئی۔ یاد رہے کہ وہی کا یہ مذکورہ سفر میں نے بلوغت کے بعد کیا تھا۔

والد مرحوم کی یاد میں؟

مجھے اپنی والدہ سے بہت محبت تھی۔ میرے پاس جو روپیہ پیسہ یا کوئی چیز ہوتی میں ان کو دے دیتا تھا۔ اپنے پاس نہیں رکھتا تھا۔ والد مرحوم سے اس وقت ان سے

لے لیتا تھا۔ وہ بھی محمد سے بہت محبت فرماتی تھیں۔ اولاد پرہاں کی خدمت اور تعظیم کا حق باپ کی نسبت میں گنا زیادہ ہوتا ہے۔

حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم میں آیا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ:

”میرے حُجُنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ نے فرمایا:

تیری والدہ! اس نے عرض کیا ”پھر کون؟“ آپ نے فرمایا تیری والدہ!

اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے عرض کیا ”پھر

کون؟“ آپ نے فرمایا تیری والدہ! اس نے کہا پھر کون؟ آپ نے فرمایا:

تیرا والد!“

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا:

أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ أُمَّكَ ثُمَّ تِیرِیْ وَالِدَہُ ، پھر تیری

وَالِدَہُ ، پھر تیرا باپ ، پھر تیرا قریبی ، پھر

تیرا قریبی۔

میں نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا۔ ورنہ حتی المقدور ان کی خدمت بجالانے میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ میری والدہ مرحومہ جب دنیا سے رخصت ہوئیں تو وہ محمد سے راضی تھیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا:

رِغْمًا أَنْظَرَ بَيْتَ مَنْ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ اس شخص کی ناک ناک آلودہ ہوئی۔

لے متفق علیہ۔

قَالَ مَنْ أَحَدَكَ وَالِدَيْي عِنْدَا
 كَيْفَ يَأْتِي أَحَدَهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ
 كَفَرِيَدْ خَلِي الْجَنَّةِ ۝
 کیا گیا۔ اے اللہ کے رسول! کس شخص کی؟
 آپ نے فرمایا جو بڑھاپے کی حالت میں
 اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کو پائے
 اور پھر ان کی خدمت کر کے (جنت میں داخل نہ ہو)۔

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:
 ”میں جنت میں گیا تو میں نے وہاں قنوت کی آواز سنی تو پوچھا یہ
 کون ہے؟ جواب ملا کہ یہ عارثہ بن نعمان ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں!
 یہ اپنی والدہ کے ساتھ بڑے نیکو کا رہتے ہیں۔“
 حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوع روایت ہے کہ:

رَضِيَ الرَّبُّ فِي رِضَى الْوَالِدِ
 وَسَخَطَ الرَّبُّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ ۝
 اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے، اور اللہ
 کی تاراضی والد کی تاراضی میں ہے۔“
 حضرت ہزرن بن حکیم عن ابیہ عن جدہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی:
 يَا رَسُولَ اللَّهِ مَنْ آتَى قَالَ أُمَّكَ قُلْتُ
 ثُمَّ مَنْ قَالَ أُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ
 قَالَ أُمَّكَ قُلْتُ ثُمَّ مَنْ قَالَ
 أَبَاكَ ثُمَّ الْآقْرَبُ قَالَ كَذَبٌ ۝
 فرمایا اپنی والدہ سے۔ میں نے عرض کی پھر
 کس سے؟ فرمایا اپنی والدہ سے۔ میں نے
 عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا اپنی والدہ سے

لہ روایہ مسلم۔

لہ روایہ فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان۔

لہ روایہ الترمذی۔ لہ روایہ الترمذی والبوداؤد

میں نے عرض کیا پھر کس سے؟ فرمایا اپنے

باپ سے اور پھر جو جتنا زیادہ قریبی ہو اس سے۔

معلوم ہوا کہ باپ کی نسبت ماں نیکی اور حسن سلوک کی نسبت چند زیادہ مستحق ہے۔ اور جن احادیث میں صلہ رحمی کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، ان کے اعتبار سے والدین کے ساتھ صلہ رحمی دیگر تمام لوگوں کی نسبت مقدم ہے جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت میں ہے کہ:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَبْتَكَ لَسَانِي
رِزْقِهِ وَيَسْأَلَهُ فِي أَحْوَجِ فَلْيَصِلْ
رَأْسَهُ لِي

جو شخص پسند کرے کہ اس کا رزق فراخ
اور اس کی عمر زیادہ ہو، اسے صلہ رحمی
کرنی چاہیے۔

میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مجھے اس قدر بکثرت مال عطا فرمایا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ میں نے حتی الامکان اپنی والدہ ماجدہ کو خوش رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور میں ان کے سامنے اس طرح رہا ہوں جیسے کوئی گنیزیا غلام اپنے آقا کے سامنے رہتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ:

د مجھ سے ایک بڑے گناہ کا ارتکاب ہو گیا ہے کیا میری توبہ
قبول ہو سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیری والدہ موجود ہے؟
اس نے جواب دیا۔ جی نہیں، آپ نے فرمایا کیا تیری خالہ ہے؟

۱۰ متفق علیہ۔

اس نے کہا جی ہاں؟ آپ نے فرمایا جاؤ اس کے ساتھ نیکی کرو۔
یہ حدیث گویا اس بات کی دلیل ہے کہ والدہ یا خالہ کے ساتھ نیکی کرنا
کبیرہ گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے پوچھا کہ والدین کا اولاد پر کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا:
هَذَا جَنَّتُكَ وَنَادَىكَ ۝
وہ تیری جنت اور جہنم ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت ہے کہ:

”جب میں کوئی نیک بچہ اپنے والدین کی طرف نظرِ رحمت سے
دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک حجِ مجدد کا ثواب لکھ
دیتا ہے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول! اگر ایک شخص ہون
سو مرتبہ اپنے والدین کو نظرِ رحمت سے دیکھے؟ فرمایا اے اسی
حساب سے اجر و ثواب ملتا ہے کیونکہ اللہ اکبر و اطیب ۝

میں نے والدہ محترمہ سے سنا ہے کہ والد مرحوم مجھ سے بہت محبت کیا
کرتے تھے۔ بلکہ ساری اولاد میں سے میرے ساتھ زیادہ محبت کرتے تھے۔ اور
میرے لیے علم اور نیکی کی بکثرت دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ یہ
ان کی دعاؤں کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے علم وافر اور لائقِ واسع سے نوازا
ہے۔ میں نے اپنے والدین، بھائی اور بہنوں کی طرف سے حج کرا دیا ہے۔

۱۔ رواہ الترمذی۔

۲۔ رواہ ابن ماجہ۔

۳۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حنفیہ کے نزدیک میت کی طرف سے کسی اجنبی کو حج بدل کرانا درست ہے۔ پھر مجھے معلوم ہوا کہ فتویٰ حدیث کے مطابق قریبی رشتہ دار کی طرف سے کسی قریبی رشتہ دار کو حج کرنا چاہیے۔ میت کی طرف سے کسی غریب غیر رشتہ دار اجنبی کو نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہی راجح ہے۔ بہر حال نفقات اور دیگر نیکیوں کا اجر انہیں انشاء اللہ ضرور ملے گا۔

والدین کے لیے دُعائے مغفرت؛

جب سے میں سن شعور کو پہنچا ہوں، والدین کے لیے نماز میں تشہد اور درود کے بعد دُعا کیا کرتا ہوں۔ اگر چہ میں کیا اور میری دُعا کیا۔ تاہم حکم شریعت کی سجا آدھی ضروری ہے۔ اور والدین کی محبت کا تقاضا بھی یہی ہے۔
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ	انسان جب فوت ہو جاتا ہے تو تین کے
إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ: الْأَمْرِ مِنْ صَدَقَاتِهِ	سوا اس کے باقی سب اعمال منقطع ہو
حَبَابِ يَدِهِ أَوْ مِمَّا كَسَبَتْ يَدَايِهِ	جاتے ہیں۔ اول صدقہ جاریہ۔ دوم علم
صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ يَوْمَئِذٍ	نافع اور سوم نیک بچہ جو اس کے لیے

دعا کرتا ہو؟

حضرت ابواسمید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے کہ بنو سلمہ میں سے ایک آدمی آیا اور

لے رواہ مسلم۔

کہنے لگا۔ اے رسولِ خدا!

کیا کوئی نیکی باقی ہے جو میں اپنے والدین کی درجات کے بعد کر سکوں؟“ فرمایا ہاں! ان کے لیے دُعا، استغفار، ان کے بعد ان کے وعدہ کا ایفا، وہ صلہ رحمی جو صرف ان کی وجہ سے ہی ہو سکتی ہو اور ان کے

هَلْ يَبْقَى مِنْ بَدَأَ أَبُوئِي سَمِيًّا أَبُوهُمَا
بِهِمْ بَعْدَ مَوْتِهِمَا قَالَ نَعَمْ الصَّلَاةُ
عَلَيْهِمَا وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَإِنْقَاذُ
عَهْدِهِمَا مِنْ بَيْنِهِمَا وَصِلَةُ الرَّحِمِ
الَّتِي لَا تَوْصِلُ إِلَّا إِلَيْهِمَا فَإِنَّ كُرَامَ صَلَاتِهِمَا

دوستوں کی عزت“

میں نماز میں اپنے مرحوم والدین کے لیے یہ دُعا کیا کرتا ہوں۔

اے اللہ مجھے، میرے والدین اور ان کی تمام اولاد کو معاف فرما، اور ان پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش فرمائی۔ نیز تمام مومن اور مسلمان مردوں اور عورتوں، زندوں اور مردوں کو بھی معاف فرما۔ تو ہی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ
تَوَالَدَا وَأَرْحَمُهُمَا كَمَا رَأَيْتَانِي
صَغِيرًا وَلِغَيْرِ الْمُؤْمِنِينَ وَ
الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ
الْأَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْأَمْوَاتِ إِنَّكَ
مُجِيبُ الدَّعَوَاتِ؟

اس دعا میں والدین کے علاوہ بھائی بہن وغیرہ بھی آجاتے ہیں۔ میں نے والدہ مرحومہ کی طرف سے ایک سرائے اور کتواں بناوایا تھا۔ اب ان کی طرف سے بھوپال شہر میں ایک مسجد بھی تعمیر کرا دی ہے۔ اُمید ہے کہ انہیں اس کا اجر اٹھائے اور اللہ ضرور ملے گا۔ اور اگر لاطمی میں یا بھول چوک سے والدہ کی کوئی نافرمانی ہوئی ہو تو یہ اس کا کفارہ بن جائے گا۔ اور میرا دعا اور استغفار کرنا اس سلسلہ میں ان شاء اللہ

لے رواہ ابوداؤد وابن ماجہ۔

نفع بخش ثابت ہوگا۔ کیونکہ حضرت انسؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَمُوتُ وَإِلَادَاهُ أَقْب
أَحَدًا هَمًّا وَإِنَّهُ لَهَمَّا لَعَائِقُ قَتَلَا
يَنَالُ يَدَهُو لَهْمًا وَيَسْتَعْفِرُ لَهْمًا
حَتَّى يَكْتَبَهُ اللَّهُ بَأْسًا إِلَيْهِ

جس آدمی کے والدین یا ان میں سے کوئی
فوت ہو جائے اور وہ ان کا نافرمان ہو
لیکن ان کے لیے دعا اور استغفار کرتا
رہے تو اللہ اسے نیکو کار لکھ دیتا ہے۔

میری والدہ ماجدہ علیہا الرحمۃ کا انتقال بھوپال میں آکر ہوا۔ تاریخ وفات
بروز پیر بوقت یکپاس شب ۲۴، ۲۳، ۲۲، ۲۱، ۲۰، ۱۹، ۱۸، ۱۷، ۱۶، ۱۵، ۱۴، ۱۳، ۱۲، ۱۱، ۱۰، ۹، ۸، ۷، ۶، ۵، ۴، ۳، ۲، ۱
دن انہوں نے مغرب کی نماز لیٹ کر کے پڑھی اور حالتِ مرض میں سورۃ اخلاص
پڑھتی رہی تھیں۔ زندگی بھر صرف اس دن عشاء کی نماز وقتِ اجل کے آجانے کے
باعث فوت ہوئی۔ غسل اور تکفین کے بعد جب میں نے ان کی پیشانی پر بوسہ
دیا تو ان کے چہرہ کا رنگ زرد تھا۔ اہل علم کی مراحت کے مطابق یہ حُسنِ خاتمہ
کی علامت ہے۔ آپ کی قبر میرے خُسر بردار المہام صاحب بہادر کے بائع کے
متصل ہے۔

اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي وَلِهَذَا مَغْفِرَةٌ ظَاهِرَةٌ وَبَاطِنَةٌ لَا تُغَادِرُ ذَنْبًا۔

تحصیلِ علم :

میں نے علم کو طلبِ دنیا یا حصولِ عزت و جاہ کے لیے حاصل نہیں کیا، بلکہ
نجات اور ایمان کا سبب سمجھتے ہوئے حاصل کیا ہے۔ اور پھر کسی کی تحریک یا
تشدید کے بغیر محض اپنے شوقِ خاطر سے سیکھا ہے۔ بچپن میں معلم سے

لے رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

قرآن مجید کے دو ایک پارے پڑھے تھے۔ سارا قرآن مجید پڑھنا یا دہنیں۔ البتہ حد بلوغت تک پہنچنے کے قریب میں نے از خود سارا قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔ فارسی میں بوستان کے دو چار ورق اور گلستان کے دو ایک باب میاں جی سے پڑھے تھے۔ پھر خود ہی انشاءتِ فارسی اور کتبِ فارسی کا بغیر کسی استاد کے مطالعہ کر لیا۔ اس زمانہ میں ہر کتاب کے دیکھنے سمجھنے کا شوق دامن گیر رہنا تھا۔ حتیٰ کہ قصہ و داستان کی بھی کوئی کتاب خواہ نظم ہو یا نثر ایسی نہیں جس کا ایک بار اول سے آخر تک مطالعہ نہ کیا ہو۔ حتیٰ کہ فسانہ عجائب، مثنوی میر تقی میر، شعراء ہند کے دوادین اردو، شعراء فارسی کے منذ اول دوادین فارسی، مثنوی غنیمت زلیخا، سکندر نامہ، ابو الفضل، تو قیعات اور سہ نثر ظہوری وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا اور ان تمام کتب سے بحکم ”مُحَدِّثٌ مَا صَفَا وَ دَمٌ مَا كَدَّرَ“ اچھے اچھے فقرے اور جملے یاد کر لیے۔ فنونِ فارسی میں تحصیلِ ترتیب وار نہیں ہوئی بلکہ وقتاً فوقتاً کتابوں کا مطالعہ کیا۔ جس سے فارسی سمجھنے کا ملکہ راسخہ اور فارسی انشاء میں قدرتِ کاملہ حاصل ہو گئی۔

میں نے لکھنے کی تعلیم بچوں کی طرح حاصل نہیں کی، اور نہ ہی کسی سے خط کی اصلاح ہی لی۔ میرا خط محض طبعی ہے۔ لیکن اس کے باوصف میں سالہا سال تک ہشت و دن کا ایک جز روزانہ لکھتا رہا ہوں۔ اور اپنی تصنیفات کی متوسط و کلاں صدا مجلدات لکھی ہیں۔ اور سابقہ مضامین کی بعض کتابوں کو بھی شوق سے اپنے لیے نقل کیا ہے۔

عربی کتابیں میں نے معمول کے مطابق اساتذہ کرام سے پڑھی ہیں۔ مغنی صاحبِ نجوم

سے علومِ اَلِیہ، ادب، منطق، حکمت، تفسیر اور فقہ و غیرہ حاصل کئے۔ فراغت کے بعد مفتی صاحب نے مجھے سند بھی مرحمت فرمائی۔ وہ سند میں نے اپنی کتاب "سلسلۃ العسجد" میں نقل کر دی ہے۔ دہلی سے جب بھوپال واپس آیا تو یہاں فقہ السنۃ اور صحاح ستہ کو شیخ زین العابدین اور شیخ حسینؒ سے پڑھا۔ اور ان سے سند حاصل کی۔

اسی جگہ سے مولانا محمد یعقوبؒ صاحب مرحوم نواسرہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ مہاجر مکہ معظمہ کو خط لکھ کر ان کے خاندانِ عالی شان کے علوم کی سند حاصل کی۔

مولانا عبدالحق صاحبؒ ساکن نیوتنی جو کہ امام محمد بن علی شوکانیؒ وغیرہ محدثین ہندویمین کے بلا واسطہ شاگرد ہیں۔ ان سے میں نے اساتذہ حدیث و تفسیر کی مجملہ مؤلفات و مرویات کی سند حاصل کی۔

اولاً۔ اس اجمال کی تفصیل میں نے اپنی کتاب "المحطہ" میں۔ اور ثانیاً۔ "سلسلۃ العسجد" میں بیان کی ہے۔

جب سے اللہ تعالیٰ نے کتبِ تفسیر و حدیث کا ذوق و شوق نصیب فرمایا ہے میں نے سب علومِ فلسفہ و حکمیہ سے دستبردار ہو کر اپنے اذقات کو کتاب و سنت

۱۳۲۶ھ

۱۲۸۳ھ

۱۱۵۹ھ

۱۲۸۶ھ

۱۱۷۳ھ

کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ اس خدمت سے مجھے بے پایاں فیوض و برکات نصیب ہوئے ہیں۔

تفسیر و حدیث کے بعد میں نے دیگر علوم شرعیہ میں بھی کمال اتقان کے ساتھ عبور حاصل کیا۔ اور کبھی کبھی ازراہ تفسیر طبع دیگر فنون رسمیہ مثلاً تاریخ، ادب، شعر اور نحو وغیرہ میں بھی تصنیف و تالیف کا اتفاق ہوا لیکن بہت کم، چنانچہ رسالہ "نصب الذریعہ" کے آخر میں جو میری مؤلفات کی فہرست درج ہے۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہے۔

ابتداءً عمر میں طلب علم کے لیے جو ہمت و حوصلہ تھا، بحمد اللہ وہ اب تک باقی ہے۔ کوئی سال و ماہ ایسا نہیں جو علمی مشاغل یا تصنیف و تالیف سے خالی رہا ہو۔ کیونکہ طلب علم کا وقت لہر سے لے کر لمحہ تک ہے۔ اور طلب صادق کا ثمرہ گناہوں کی بخشش ہے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے حدیث مروی ہے:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهَا
عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ سَبِيلَ الْجَنَّةِ
جو کوئی طلب علم کے راستے پر چلے
تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کی راہ
کو آسان بنا دیتا ہے۔

حضرت ابوالدرداءؓ سے مرفوع روایت ہے کہ:

مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَطْلُبُ فِيهَا
عِلْمًا سَلَكَ اللَّهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى
طَرِيقِ الْجَنَّةِ فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ
جو کوئی طلب علم کے لیے کسی راستے پر
چلے اللہ تعالیٰ اسے جنت کی راہ پر چلا
دیتا ہے۔ اور ملائکہ طالب علم کی

لے رواہ مسلم۔

اللہ تعالیٰ نے میری طرف یہ وحی فرمائی ہے
کہ جو کوئی طلبِ علم کے راستہ پر چلے میں
اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دوں گا۔

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى أَوْعَىٰ إِلَيَّ أَشَدَّ مَن
سَلَكَ مَسْلَكًا فِي طَلَبِ الْعِلْمِ سَهَّلْتُ
لَهُ طَرِيقَ الْجَنَّةِ ۖ
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے:

رات کی ایک گھڑی میں علمی مذاکرہ شب بھر
کی بیداری سے بہتر ہے۔

تَلَا أَرَسَ الْعِلْمِ سَاعَةً مِنَ اللَّيْلِ
خَيْرٌ مِّنْ أَحْيَاءِهَا ۖ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے۔

دو شائق سیر نہیں ہوتے، علم کا شائق
علم سے سیر نہیں ہوتا اور دنیا کا شائق دنیا
سے سیر نہیں ہوتا۔

مَنْهُوَ مَانٍ لَا يَشْبَعَانِ مَنْهُوَ فِي
الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ وَمَنْهُوَ فِي
الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا ۖ

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی موقوف حدیث میں اس اجمال کی تفصیل ان الفاظ میں
بیان کی گئی ہے۔

دو مشتاق، صاحبِ علم اور صاحبِ دنیا
کبھی سیر نہیں ہوتے۔ لیکن مرتبہ کے اعتبار
سے یہ دونوں ہرگز برابر نہیں کیونکہ صاحبِ
علم تو خدا کی رضا جوئی میں ترقی کرتا ہے
اور صاحبِ دنیا سرکشی میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔

مَنْهُوَ مَانٍ لَا يَشْبَعَانِ صَاحِبِ الْعِلْمِ
وَصَاحِبِ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ
أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيُرْجَا دِرَاحِمًا
لِلرَّحْمَنِ وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا
فَيَسْتَأْذِي فِي الطُّغْيَانِ ۖ

لہ روایہ البیہقی فی شعب الایمان۔

لہ روایہ الدارمی۔

لہ روایہ البیہقی۔

لہ روایہ الدارمی۔

یعنی دُنیا دار صاحبِ مال ہوتا ہے اور عالمِ صاحبِ کمال علم سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے۔ جب کہ دُنیا سے سرکشی حاصل ہوتی ہے۔ غرضکہ طلبِ علم اور طالبِ علم کے فضائل کثرت میں، جو شخص طلبِ علم میں مشغول ہے اور اسے خاص اللہ کی رضامندی اور دین کی سر بلندی کے لیے طلب کرتا ہے۔ وہ بلا غش و بخت ہے۔ یہ فضائل تو طلبِ علم کے ہیں۔ علماء کے فضائل تو اس سے بھی زیادہ ہیں۔ ان کا یہاں ذکر کرنا غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم جیسے لوگوں کو طالبِ علم ہونا ہی کفایت کرتا ہے۔ مرتبہ علم تک رسائی ہمارے سلفِ صلحاء و کما کام تھا۔ خلف میں نہ وہ ہمت ہے اور نہ اشتیاق۔ سلف و خلف کے علوم میں بہت زیادہ تفاوت ہے۔ اس بارہ میں علامہ ابنِ رجبؒ نے ایک نہایت مفید اور نفیس تقریر تحریر فرمائی ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیراً۔

علاوہ ازیں ہم لوگ علماء نہیں ہیں۔ بلکہ محض حمال (علم اٹھانے والے) نقال (نقل کرنے والے) اور قوال (زبان سے بیان کرنے والے) ہیں۔ پھر یہ عملِ علم بھی عدمِ عمل کی وجہ سے بے اثر ہے آہ۔

طاعت ناقصہ یا موجبِ غفران نشود !

راضیمِ گمرد حقتِ عصیان نشود !

میں نے علومِ دین کے تمام ابواب کی خوب چھان پھٹک کر کے عربی و فارسی اور اُردو میں بہت سی کتابیں تالیف کی ہیں۔ میں نے ائمہ سلف اور علماءِ سابقین کی کتب سے استفادہ کیا ہے۔ کتبِ خلف سے بہت کم اخذ کیا ہے۔ اور بالخصوص معاصرین کی کتب کے مطالعہ کا تو بہت ہی کم اتفاق ہوا ہے۔ اس لیے کہ جو

امانت و دیانت سلف اہل علم میں تھی خلف میں نہیں ہے۔ سلف کا اختلاف مکابہ مجادلہ، عصبتیت یا خواہش نفسانی پر نہیں بلکہ مبنی بر تحقیق تھا۔ وہ لوگ دین کے معاملہ میں بڑے متقی، متدین اور محقق تھے۔ ہر علم مسئلہ اور حکم میں وہ ہمیشہ اتباع حق کو ملحوظ خاطر رکھتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے خلف کی کبواسات سے انہیں محفوظ رکھا تھا۔ اس لیے ان کے طریقہ کی پیروی موجب نجات ہے۔ اس کے برعکس خلف کا اختلاف سب دشتم اور عصبتیت و خواہشات نفس پر مشتمل ہے۔ جس کی بنیاد محض جہالت پر ہے۔ چنانچہ حدیث میں بھی آیا ہے کہ :

ان من العلم جہلاً

میری مستقل تصانیف کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے، پھر بعض کتابیں کئی کئی مجلدات پر مشتمل ہیں مثلاً "تفسیر فتح البیان" متوسط درجہ کی دس جلدوں میں ہے "عون الباری شرح تجرید صحیح بخاری" متوسط درجہ کی چار جلدوں میں ہے..... "سراج و ہاج شرح تجرید صحیح مسلم بن الحجاج" دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ "مسک الختام شرح فارسی بلوغ المرام" دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اگر چھوٹے بڑے تمام رسائل کا شمار کیا جائے تو پھر میری تالیفات تین سو سے بھی زیادہ ہیں۔

وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء۔

میرے خیال میں ہر تالیف عربی، فارسی یا اردو کسی زبان میں بھی ہو، اپنے باب میں "اجمع مافی الباب" اور "خطیب فی المحراب" ہے۔ اور تحقیقی و مدلل ہونے کے اعتبار سے دیگر لوگوں کی تصنیفات کی نسبت فائق ہے۔ بلکہ اس فن کی دیگر کتب سے مستغنی کر دینے والی ہے۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ

ہر چند میں نے یہ کتابیں اپنے استفادہ کے لیے لکھی ہیں کسی کے افادہ

کے لیے نہیں لکھیں۔ لیکن اس کے باوجود دوسروں کے لیے نہایت مفید ہیں۔ ان کی تصنیف سے۔

اولاً مقصود اپنا نفع ہے کہ ہر حکم اور مسئلہ میں حق کا باطل سے اور صحیح واضح کا اضعف و ضعیف سے امتیاز ہو جائے۔ اور دین سے ثابت شدہ اور محض رائے سے لکھی گئی بات میں فرق نمایاں ہو جائے۔

ثانیاً اس سے ان مسلمانوں کا فائدہ بھی مقصود ہے جو کسی قسم کے تعصب کے بغیر حق کے طالب ہیں۔ اور جاہ مستقیم پر چلنا چاہتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

لَا تَكُنْ يَهُودِيًّا أَوْ نَصْرَانِيًّا وَلَا تَكُنْ رَجُلًا وَاحِدًا
تَمُرُ بِكَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ تَقْتُلُكَ
عَدُوُّكَ مِنْ خَيْرٍ لَكَ مِنْ حَمِيرِ النَّعْوَرِ
تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک آدمی کو
ہدایت دے دے تو میرے لیے گرنے اور
کے دولت سے بھی بہتر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو سے مروی حدیث میں لفظ بَشْرًا کے ساتھ ہے
میں بزرگوار نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیحہ ہے اور اس کا
مطلب اللہ کی تعظیم ہے۔

اس حدیث میں علم حدیث کی اشاعت اور فضیلت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے
حدیث پر لفظ آیت کا اطلاق خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن
مسعود سے مرفوع روایت ہے کہ:

لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ
دوا ہمسویں کے حوالگی پر دوسرا نہیں کرنا

۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱

۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱

۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱

۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱: ۵۶۱

اللَّهُ مَا لَا فَسَلَطَ عَلَىٰ هَلَكَتِهَا
 فِي الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ الْحِكْمَةُ
 فَهُوَ يَقْضِي بِهَا وَيُعَلِّمُهَا

چاہیے۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا
 کیا ہو اور اس بات پر مقرر کر دیا ہو کہ وہ اسے
 راجح حق میں بے دریغ خرچ کرے اور دوسرا

وہ جسے حکمت عطا کی ہو۔ چنانچہ وہ اس کے مطابق فیصلے کرتا اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔
 اس جگہ حکمت سے مراد علم سنت ہے۔ اس کی دلیل یہ فرمانِ خداوندی ہے۔
 يُعَلِّمُهُمُهَا الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
 (وہ رسول جو) انہیں کتاب و حکمت کی
 تعلیم دے۔

اس لیے سلف کی کتب تفسیر مثلاً تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں ہر جگہ لفظ حکمت
 کو بمعنی حدیث لکھا ہے۔ حکمت کی لفظ سنت سے تفسیر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ
 عنہم و تبع تابعین سے بھی مروی ہے۔ حدیث ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ میں آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، ساکنینِ ارض و
 سماحتی کہ اپنی بل میں چھوٹی اور چھلی بھی
 لوگوں کو بھلائی سکھانے والے کی غیر خواہی

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ وَأَهْلَ السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ خَيْرٌ بِكُمْ خَيْرًا
 وَجِي الْعَوْتِ لِيَصَلُّوا عَلَىٰ مُعَلِّمِ

النَّاسِ الرَّحْمَنِ
 جس کے لئے اللہ تعالیٰ فرشتوں اور آسمانوں کے لوگوں کی نسبت بہتر ہے اور زمین و آسمانوں کے لوگوں کی نسبت بہتر ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر صلوات بھیجے۔
 اول شدریں۔

باجت
 ذَاكَ الْجَنَانِ
 ذَاكَ الْجَنَانِ

لہ متفق علیہ۔ ۱۴۹۔
 رواہ الترمذی۔

تدریس کی نسبت تالیف کا کام دیر پا ہے۔ اور باقیاتِ صالحات میں شمار ہوتا ہے۔ حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے کہ:

”جب انسان مر جاتا ہے تو قین کے سوا اس کا ہر عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ، دوسرا علم جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور تیسرا دلیر صالح جو اس کے لیے ڈھاکٹے“

اس سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد باقی رہنے والا علم بھی ایک ایسی بھلائی ہے جو اس علم والے کے علاوہ دوسروں کے لیے بھی مفید ہے۔ اور تصنیف و تالیف ہی اس کا بہترین ذریعہ ہے۔ اسی وجہ سے سلف و خلف حضرات علماء کرام تصنیف و تالیف اور علوم و فنون کے جمع و تدریس میں نہایت سرگرم رہے ہیں۔ اگر ان کی تالیفات نہ ہوتیں تو امت گمراہ ہو جاتی۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے اپنی علم سے عہد لیا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے اللہ کے احکام کو بیان کریں۔ اور صرف زبانی بیان کر دینا یقیناً ناکافی ہے۔ بلکہ اس سلسلہ میں تصنیف و تالیف بھی ایک ضروری امر ہے۔ اگرچہ علم دین تو صرف وہی ہے جو کتاب و سنت میں ہے۔ لیکن زمان و مکان اور لغت و زبان کے اعتبار سے اندازِ بیان بدلتے رہتے ہیں۔ اسی علم کو جب مختلف زبانوں اور متنوع اسالیبِ نگارش میں، زمانہ کے تقاضوں کے مطابق عالم، محقق اور خوش بیان مصنف بیان کرتا ہے تو اس سے دل بہت متاثر ہوتا ہے حتیٰ کہ ہرزاری بے ساختہ پکار اٹھتا ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے (خائب)

لے رواہ مسلم۔

اسی وجہ سے ہر زمانہ میں علماء کرام نے اسلام، ایمان اور احسان کے حقائق کو مختلف الفاظ و عبارات میں بیان کیا ہے۔ مثلاً مواظب میں احیاء علوم الدینؑ بہترین کتاب ہے، حدیث میں فتح الباریؑ شرح صحیح البخاری بے مثل، فقہ سنت میں "نیل الاوطار"، السیئل الجوار، "دیل النعمان"، "مسک الختام"، "فتح العلم" اور "الروضۃ النذیر" تفسیر میں تفسیر ابن کثیر، فتح القدر، فتح البیان اور ترجمان القرآن طبقات اولیاء میں امام شعرانیؒ کی کتاب، متن میں ان کی کتاب لطائف المنن، تراجم علماء میں الدرر الكامنة، البزید الطالع اور التاج المکمل وغیرہ بہترین کتابیں ہیں۔

۱۰ امام غزالیؒ کی مشہور کتاب۔

۱۱ حافظ ابن حجر کی شہرہ آفاق تصنیف۔

۱۲ امام شوکانیؒ کی تصنیف۔

۱۳

" " "

۱۴

" " "

۱۵ حضرت ذواب صاحب کی تصنیف۔

۱۶ ذواب صاحب کے بیٹے ذوالحسن کی تصنیف۔

۱۷ حضرت ذواب کی تصنیف۔

۱۸ امام شوکانیؒ کی تفسیر۔

۱۹ حضرت ذواب صاحب کی عربی تفسیر۔

۲۰ " " کی اردو تفسیر۔

۲۱ از حافظ ابن حجر مستطانیؒ

۲۲ از امام شوکانیؒ

۲۳ از ذواب صدیق حسن خان

ابو ہریرہ رضی سے روایت ہے کہ :

إِنَّ مَعًا يَلْحَقُ الْمُؤْمِنُ مِنْ عَمَلِهِ
 وَحَسَنَاتِهِ بَعْدَ مَوْتِهِ عِلْمًا عَلَيْهِ
 وَنَشْرَهُ وَوَلَدًا صَالِحًا تَرَكَهُ أَوْ
 مَضْعَفًا وَرَثَةً أَوْ مَسْجِدًا بِنَاةٍ
 أَوْ بَيْتًا لِابْنِ السَّبِيلِ بِنَاةٍ أَوْ
 نَهْرًا أَوْ جَرَاهُ أَوْ صَدَقَةً أَخْرَجَهَا
 مِنْ مَالِهِ فِي صِحَّتِهِ وَحَيَاتِهِ
 تَلْحَقُهُ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهِ ؟
 میں اپنے مال سے ادا کیا ہو ؟

اس حدیث میں باقیاتِ صالحات کا ذکر ہے۔ اور ان میں سے ایک نشر
 علم بھی ہے۔ علم کی نشر و اشاعت تدریس یا تصنیف سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں
 ذکر کیا گیا۔ ان میں سے اول الذکر فانی اور مؤخر الذکر باقی ہے۔ حضرت انس بن مالک
 سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

”کیا تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخاوت کرنے والا کون ہے؟
 عرض کیا گیا کہ اللہ اور اس کا رسول؟ ہی زیادہ جانتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا
 سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے، پھر میں ہوں، اور پھر وہ شخص جو
 میرے بعد علم سیکھ کر اس کی نشر و اشاعت میں سرگرم عمل ہو جائے، یاد
 رہے ایسے شخص کو قیامت کے دن ایک امت کی حیثیت میں اٹھایا

سے رواہ ابن ماجہ

جائے گا۔

یہاں بھی نشر و اشاعت سے مقصود تدریس اور تالیف دونوں ہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان اسناد میں جس علم کے سیکھنے سکھانے، پڑھنے پڑھانے، اور نشر و اشاعت کے فضائل بیان کئے گئے ہیں، وہ کون سا علم ہے؟ اس کا جواب حضرت ابن عمرؓ سے مروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درج ذیل ارشاد میں موجود ہے۔

أَلْعِلْمُ مَثَلُ لَيْثٍ أَيْ مَثَلُ مَعَكَمَةٍ أَوْ
سِنَّةٍ قَائِمَةٍ أَوْ فَرِيضَةٍ عَادِلَةٍ
وَمَا كَانَ يَسُوعَى ذَلِكَ فَهَلْ وَفَضْلٌ بِهِ
علم تین میں اول آیت حکمہ دوم سنت قائمہ
اور سوم فریضہ عادلہ۔ اس کے علاوہ سب
کچھ نائد ہے۔

اگرچہ یہاں حصر کا کوئی لفظ تو استعمال نہیں ہوا، لیکن عبارت کی ترکیب حصر کی
مستحق ہے۔ یہ حدیث اس سلسلہ میں نصق قاطع ہے کہ علم (جس کے فضائل بیان
ہوئے ہیں) سے مراد فنونِ حکمت اور علومِ فلاسفہ یونان نہیں بلکہ علومِ کتاب و سنت
ہیں۔ اس لیے ان فنون کا کوئی ماہر اگر یہ گمان کرے کہ میں بھی مذکورہ فضائل و مناقب کا
مصدق ہوں تو وہ درایت سے جاہل ہے۔ اس کا علم جو غیر طریقہ نبوت سے ماخوذ ہے
وہ اس کے لیے موجبِ نجات ہونے کے بجائے وبالِ عظیم اور باعثِ ہلاکت ہوگا۔
علمی کہ نہ ماخوذ ز مشکوٰۃ نبی ست
واللہ کہ سیرابی ازاں تشنہ لبی ست

لہ رواہ البیہقی فی شعب اللیمان -

لہ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ -

جائیکہ بود جلیو حق حاکم وقت !
تابع شدن حکم نمود بو لہبی مست !

بلکہ جب عارف بائند علماء کرام کے نزدیک علم فقہ علوم دنیا میں داخل ہے جیسا کہ امام غزالی نے آجیا، میں اور دوسرے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں اس کی مراحت کی ہے۔ تو پھر ان فنون کا ذکر ہی کیا، جن کا اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں؟ حضرت معادیرضی سے مرفوع روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
نَهَى عَنِ الْأَعْلُوطَاتِ؛
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعطوطات سے منع فرمایا۔

مرقاۃ میں اعطوطات کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ:

أَيُّ عَنِ سَعَالِ الْمَسْأَلِ الْبِقِيَّةِ
بِهَذَا الْعَلَمِ الْبِشْكَالِ فِيهَا -
اس سے مراد ایسے مسائل کے متعلق سوال کرنا ہے، جن میں اشکال ہونے کی بنا پر علماء کو مغالطہ میں مبتلا کیا جاسکے۔

چنانچہ تمام علوم فلاسفہ اور فنون باطلہ، اس حدیث کے مصداق ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سے بچائے۔

علم کے موتی؛

اللہ تعالیٰ نے جب مجھے کتاب و سنت کا علم عطا فرمایا اور تمام علوم متداولہ اور فنون رسمہ سے نفرت بخشی ہے تو اپنے خزانہ کرم سے مجھے علماء سلف اور ائمہ ملت کی وہ کتابیں عنایت فرمادیں جو اس زمانہ میں نہایت کیاب یا نایاب تھیں۔ ان

سہ رواہ البرادور۔

میں سے کچھ کتابوں کو تو میں نے نہایت کوشش سے خاطر خواہ قیمت دے کر بلا دیا۔ عرب و عجم سے خریدی مثلاً ”فتح الباری“ کا مکمل نسخہ ہندوستان میں کہیں دیکھا سنا نہ گیا تھا۔ میں نے حدیدہ سے چھ سو روپیہ میں خریدا۔ وہ ابنِ علان کا قلمی نسخہ تھا۔ پھر اسی نسخہ کو پچاس ہزار روپیہ صرف کر کے مطبع بولاق، مصر سے زیورِ طبع سے آراستہ کرایا۔ اور اب تو اسی نسخہ کو سامنے رکھ کر ہندوستان کے بہت سے پریس جابجا شائع کر رہے ہیں۔ اسی طرح نظر ثانی کر کے تفسیر ابن کثیر کو ”فتح البیان“ کے ساتھ طبع کرایا۔ اودیہ ابن کثیر کی طبع دوم یعنی۔ اور کچھ کتابیں بصرہ اور بغداد سے میرے مطالبہ کے بغیر ہی آگئیں۔

جب دُور دراز کے لوگوں کو علومِ قرآن و حدیث کے متعلق میرے شوق کا پتہ چلا تو انہوں نے کچھ کتابیں بلائے فروخت بھیجیں اور ان کی حیثیت سے زیادہ قیمت وصول کی۔ میں نے بھی دیدہ و دانستہ کمال شغف سے ان کو خرید لیا۔

جمادی چند دادم جان خریدم

بحمد اللہ بسے اوزاں خریدم

میرے پاس ابن حجر عسقلانی، ذہبی، شعرائی، منذری، سفاری، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، ابن رجب حنبلی، ابن الجوزی، سیوطی اور ائمہ یمن اور دیگر علماء کی تالیفات کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ خصوصاً سید محمد بن اسمعیل امیر اور قاضی محمد بن علی شوکانی کی تالیفات تو میرے پاس بکثرت موجود ہیں۔ یہ کتب کبریتِ احمر اور عنقائے مغرب کی طرح اس وقت دنیا میں مفقود ہیں۔ میں نے لاکھوں روپے صرف کر کے ان کتابوں کو حاصل کیا ہے۔ اور ان تمام متبرک کتابوں سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔ و اللہ

المحمد

لَا جَعَلَ حَيْلِكَ دَفْتَارًا فِي نَشْرِهِ
وَكِتَابٌ هَلِيمٌ لِلْأَدِيبِ مَوَانِسٌ
وَمُفِيدٌ لِأَذَابِ الْمُؤَنِّسِ وَحَشِيَّتِهِ
وَإِذَا انْفَرَدَتْ فَصَاحِبٌ وَبِمِثْلِهِ
پھر ان میں بعض کتابیں ایسی بھی ہیں جن پر ان کے مؤلفین کے دستخط ہیں۔

یا خود مصنف کے قلم سے ہی لکھی ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حافظ ابن حجر، امام شوکانی، اور سید امیر کی کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ بعض کتابوں کے سو، دو سو، تین سو، چار سو، حتیٰ کہ چھ، سات، آٹھ سو برس کے قدیم نسخے بھی ہیں۔ وہ قدیم و جدید کتب جو اس وقت مصر اور استانبول وغیرہ سے طبع ہو رہی ہیں۔ ان کا تو ایک عظیم ذخیرہ میرے پاس موجود ہے۔ اگرچہ ان میں سے بھی اکثر کتابیں ابھی تک ہندوستان میں نہیں پہنچی ہیں۔ میرا کتاب خانہ ہزاروں نہیں تو صد ہا کتابوں سے ضرور متجاوز ہے۔ اور علومِ حقہ کی روح رواں ہے۔

خدا جانے میرے بعد میری ان کتابوں کا کیا انجام ہوگا۔ اس لیے کہ میری اولاد اگرچہ بقدر ضرورت تحصیلِ علم کر چکی ہے۔ لیکن میری طرح کتبِ نفیسہ اور علومِ مختلفہ کا اسے شغف نہیں ہے۔ یفعل اللہ ما یشاء ویکلم ما یرید۔

اپنے کتب خانہ کی کچھ کتابوں کے نام میں نے اپنے رسالہ سلسلۃ العسجد میں لکھ دیئے ہیں۔ اس فہرست کے بعد جو نفیس کتب مجھے حاصل ہوئی ہیں۔ ان کا یہاں تذکرہ نہایت طوالت کا باعث ہوگا۔ میری اکثر کتابیں علومِ تفسیر، حدیث، فقہ، سنت، تصوف اور ادب سے متعلق ہیں۔ فقہ مصطلح کی کتابیں بالکل نہیں ہیں۔ کیونکہ مجھ کو رائے لائق تدوین نہیں ہوتی۔ اور شریعت کا مطلوب اور علماء کا مقصود بھی ہمیشہ کتبِ اولیٰ و براہین ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ بحمد اللہ کثرت موجود ہیں۔ اسی وجہ سے کتبِ دروہر کی نسبت میری تالیفات کو ترجیح حاصل ہے الصباح یعنی

عن المصباح۔ میرا خیال ہے کہ اگر کسی صاحب دین اور صاحب شوق کے پاس کوئی دینی کتاب نہ ہو تو ہر موضوع پر میری کتاب اسے اپنی علم سے استفادہ اور کتب مذہب سے مستغنی کر سکتی ہے۔

كَلَّمَ الْعَتِيدِي فِي جَوَاتِ الْفَرَى - وَفِيهِ الْحَمْدُ عَلَى ذَلِكَ.

خلق خدا کی غائبانہ شہادت :

میری تصنیفات جب بلا و عرب و عجم میں منتشر اور مروج ہوئیں تو دور دراز کے بہت سے علمائے کرام نے کسی تعارف یا راہ و رسم کے بغیر، غائبانہ طور پر ہی ان پر تعاریف لکھیں، اور صد ہا خطوط بھیج کر کتابیں طلب کیں۔ چنانچہ میری کتابیں عدن، یمن، صنعاء، زبید، بیت العقیقہ، حدیدہ، بغداد، حرمین شریفین، مصر، قدس، دمشق، بیروت، قازان، قسطنطنیہ اور فارس تک پہنچ چکی ہیں۔ اپنی علم و فضل نے ان کو نہایت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اور کسی نے ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ حالانکہ ان کتب میں دلیل کا اتباع کیا گیا ہے۔ تعلیق کی پابندی نہیں کی گئی۔ سو یہ ان لوگوں کا انصاف ہے۔ اگرچہ وہ حنفی، شافعی، مالکی یا حنبلی ہیں۔ لیکن ان کے اعتراض نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ میں نے اپنی کسی تصنیف میں بھی ادب کے دامن کو نہیں چھوڑا۔ ائمہ کرام کے مختلف فیہ مسائل اور ان کے دلائل ذکر کرنے کے بعد، میں نے قیل و قال سے نہیں بلکہ قوتِ دلیل سے ترجیح دی ہے کسی امام یا ماموم کے متعلق کوئی نازیبا کلمہ میرے قلم کی زبان سے نہیں نکلا۔ اور نہ میں نے کسی مخاطب کو اپنے رد و قدح کا ہدف ہی بنایا ہے۔ آخرت کے طلبگار علماء کی یہی شان ہوتی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیے کہ کسی مذہب فقرہ کی کوئی کتاب ایسی نہیں جس میں اختلافِ مذاہب کا ذکر نہ ہو لیکن کسی نے آج

تک اپنے مخاطب کو برا نہیں کہا۔ اگر یہ بعض مسائل کی ترویج یا اپنے مذہب، عقائد کی توضیح ضروری جاتی ہے۔ مثلاً کتب حنفیہ و شافعی و مالکی مذہب سے اختلاف پر مشتمل ہیں۔ لیکن جابجا اس قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں:

«خلافًا للشافعی وخلافًا لمالك وخلافًا للغلان الامام»۔

اسی طرح کتب شافعیہ میں،

«خلافًا للحنفیت اولابی حنیفہ ۲»۔

کے الفاظ نظر آتے ہیں۔ بلکہ ایک مذہب کی اپنی کتابوں میں ہی ہمیں حد سے زیادہ اختلاف نظر آتا ہے۔ مثلاً حنفیہ و شافعی کی کتب تقریبات ملاحظہ فرمائیے، ان میں کس قدر تعارض اقوال موجود ہے۔

اختلاف تو بذاتِ خود مذہبوں میں، بلکہ سلف و خلف اور متقدمین و متاخرین نے جس بات کو مذہب قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ مخالف پر تبرّ ابازی، لعن طعن اور دشنام طرازی کی جائے یا اس کی تکفیر و تفسیل کی جرأت کی جائے۔ متاخرین نے اس تیرہویں صدی میں یہ کام خوب سرانجام دیا ہے۔ روافض اور شیعہ کی ہمسائیگی کو جو سے ان میں بھی یہ نصیحت پیدا ہو گئی ہے۔ وما اشبه اللیلۃ بالبارحة

ہوئی نہ زانح میں پیدا بلند پروازی

خواب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زانح

اس زمانہ میں مذہب تکفیر اس حد تک سستی ہو گئی ہے کہ ایک ذرا سے بے حقیقت جزئی فروعی فقہی مسئلہ کے اختلاف پر ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے لگائے جاتے ہیں۔ حالانکہ وہ مسئلہ عقائد سے متعلق ہوتا ہے۔ نہ ضروریات دین سے۔ انہوں نے یہ لوگ کیوں نہیں سمجھتے کہ بسا اوقات کفر کی تکفیر خود کفر پر لٹ آتی ہے۔ کیونکہ جب تک علامہ کفر صادر نہ ہو، کوئی شخص محض تاویل سے کافر

نہیں ہوتا۔ آلا یہ کہ تاویل لہو و لعب کے طور پر کی جائے۔ یہ جرأت صرف ایسے لوگ کرتے ہیں، جو عوام ہو کر عالم بن گئے ہیں یا صرف مشناس ہو کر فاضل بن گئے ہیں، نہ ادب دکتے ہیں اور نہ تمیز!

بہر کیف میں ذکر یہ کر رہا تھا کہ بہت سے لوگوں نے غائبانہ طور پر میری کتابوں پر تقریظیں لکھی ہیں۔ اس رسالہ میں میری کتاب "وقرة الاعیان وسرۃ الاذیان" خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ جو صاحب جواشب جناب احمد نارس متونی بہر محرم ۱۳۰۵ھ نے میری فرمائش کے بغیر ہی طبع کر دی تھی۔ اس پر نظم و نثر میں بہت سی تقاریظ ہیں۔ جو وہاں کے علماء و کام نے غائبانہ طور پر لکھی تھیں۔ عربی ممالک سے آئی جوئی صدا با تقاریظ میرے پاس موجود ہیں۔ جو کہ ابھی تک غیر مطبوع ہیں۔ اور جنہیں میں نے ابھی تک کتابوں کے ساتھ ملحق نہیں کیا۔ الا ماشاء اللہ۔

مجھے ان تقاریظ سے کچھ فخر و فرحت نہیں کیونکہ من آثم کہ من دائم، البیتہ اس بات کی خوشی ضرور ہے کہ ان تقاریظ کے لکھنے والوں میں سے اکثر شخصیتیں ایسی ہیں۔ جن کی دیانت، علم اور تقویٰ مسلمہ امر ہے، شاید ان کی ثناء اور دعا میری مغفرت کا موجب بن جائے۔ لہذا ان تقاریظ پر بھی ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ دوسری قسم کی تقاریظ وہ ہیں جو شعراء، صاحب طرز انشاور پروازوں، اور ایدیوں نے میری اردو اور فارسی کتابوں پر لکھی ہیں، بعض نے محض اپنی کوشش سے اور بعض نے تالیف یا طباعت کی تاریخ ضبط کرنے کی غرض سے یہ کام سر انجام دیا ہے۔ میں نے ان کو اس لیے درج کیا ہے کہ ان نثریوں سے لکھنے والوں کے کلام کی فصاحت و بلاغت ظاہر ہوتی ہے۔ میں نے انہیں اس لیے ہرگز درج نہیں کیا کہ میں ان فرضی مدائح کا مستحق ہوں۔ یا وہ دینی و دنیاوی اوصاف مجھ میں موجود ہیں۔ جو انہوں نے بیان کئے ہیں۔ کیونکہ اپنے نقائص

و غیوب کی حقیقت جو مجھے معلوم ہے، وہ ان کی نگاہوں سے ادھم ہے، اللہ انہیں بھی معلوم ہو جائے تو شاید وہ مدح کے بجائے کمال، سچو کرتے۔ اس کے باوجود بتقاضائے بشریت میرے دل میں کبھی اس نظم و نثر سے مسرت آئی ہو تو میں بارگاہِ الہی میں ہزار زبان و دل سے توبہ کرتا ہوں۔

دینی کتب کی اشاعت؛

میرا اکثر مال علوم کتاب و سنت کی اشاعت میں صرف ہوا ہے۔ میں نے ہر کتاب کو ایک ہزار کی تعداد میں طبع کرا کے قریب و بعید کے تمام مالک میں تقسیم کیا ہے۔ اگرچہ ان پر ہزاروں روپے صرف ہوئے ہیں۔ تاہم کبھی کسی سے کسی کتاب کی قیمت وصول نہیں کی۔ میری اولاد نے بھی بعض کتب و رسائل کو تصنیف کیا ہے۔ ان کتب کا ذخیرہ اس قدر ہو گیا ہے کہ اب آئندہ مجھے یا میری اولاد کو کوئی کتاب لیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر اب زمانہ بھی ایسا آ گیا ہے کہ گھروں میں خلوت نشین ہو کر سکون کے ساتھ زندگی بسر کرنا فرض ہے۔

عَلَيْكَ بِمَخَاصِرِ نَفْسِكَ وَ دَعْوِ أَمْرٍ الْعَوَامِ

ایک طالبِ آخرت مسلمان کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ علم حق معلوم کر کے خود بقدر استطاعت عمل کرے اور مناظرہ، مبارکہ اور تالیفات سے بچے، اور بحث و مجادلہ سے دور رہے۔

أَسْتُرْ ذَهَبَكَ وَ ذَهَابَكَ وَ مَدَّ هَبَكَ

دانی کہ چنگ و عود چہ تقریر می کنند

پنہاں خورید بادہ کہ تکفیر می کنند

آج کل دین و دنیا کے نفلنے اس قدر بکثرت ہیں کہ اگر ایسا ایمان محفوظ

لے رواہ الترمذی و ابن ماجہ

رہے، تو اسے بہت بڑی عنایت سمجھنا چاہیے۔ اب کسی کی دینی اعانت و نصرت یا امور دنیا میں شرکت کا موقع نہیں۔ فالْحَذَرِ الْحَذَرِ وَالنَّجَا وَالنَّجَا وَالْوَعَا وَالْوَعَا

غالب بریدم از ہمہ خواہم کہ زیں پس

کنجہ گزینم و سپرستم خدا تے را!

میں دیکھتا ہوں کہ خصوصاً اس جگہ میرا کوئی دوست نہیں۔

فَا تَلَمَّ عَدُوِّيَ لِاَلَا تَأْتِيكَ التَّلَكِيْنَ اَللَّهِبِ الْعَالَمِيْنَ كَسُوَايَهٗ سَبِيْرَهٗ
دشمن ہیں؟

مجھے اس کی کوئی پروا نہیں کیوں کہ میں اللہ تعالیٰ کو دین و دنیا میں اپنے اختلاف

کے لیے کافی سمجھتا ہوں نہ کسی کی دوستی کا طالب ہوں اور نہ کسی کی دشمنی کے

لاائق ہوں۔

شائستگی عداوتم نیست!

بس منقلم ز کبیرہ و ربا!

مناظرہ و مباحثہ سے نفرت؛

ابندائے طالب علمی سے اب تک عمر کی بچپن ہماری دیکھ چکا ہوں۔ اس عرصہ میں

میں نے کہیں کسی طالب علم، عالم یا درویش سے مناظرہ، مباحثہ، مجادلہ یا مکابروہ نہیں

کیا اور نہ کسی معین شخص کی ترقی و تدریس میں کوئی کتاب یا رسالہ ہی لکھا۔ کیونکہ حدیث

ابو امامہ رضی اللہ عنہم میں فرمایا گیا ہے:

جو قوم بھی ہدایت پر قائم ہونے کے بعد گمراہی

مَا صَدَلَتْ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوا عَلَيْهِ

میں گمراہی ہے، اس میں جلد و جھول اور جھگڑنے کی

اَلَا اَوْتُوا الْجِدَالَ ثُمَّ كَرِهَ رَسُوْلُ

صلوات پیدا ہوجاتی ہے پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

اَللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰيَةُ

مَا ضَرَبَ لَكَ إِلَّا جَدًّا بَلْ هُمْ
قَوْمٌ خَصِمُونَ ۝ ۱۰

یہ آیت پر گناہوں کے لیے یہ مثال عرض جھگڑے
کے لیے بیان کی ہے بلکہ وہ ہے ہی جھگڑا قوم۔

اس حدیث کے ذیل میں شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ:

الْمَدَادُ بِالْجَدْلِ هُنَا الْعِنَادُ طَائِلُ الرَّاءِ
وَالْتَعْصِبُ لِتَرْوِجِ مَذْهَبِهِمْ مِنْ
غَيْرِ أَنْ يَكُونَ لَهُمْ لُصْرَةٌ عَلَى مَا
كُوِّنَ عَنِ ذَلِكَ مَعْرُومٌ۔

جدل سے یہاں مراد ناحق طور پر اپنے
مذہب کی ترویج و اشاعت کے لیے
عناد، جھگڑے اور تعصب سے کام لینا ہے
اور یہ حرام ہے۔

حضرت انس رض سے مروی حدیث میں ہے:

مَنْ تَرَكَ الْيَمْرَاءَ وَهُوَ مُجْتَنِبٌ بَيْنِي كُنْ
فِي وَسْطِ الْجَنَّةِ ۝

جو حق پر ہونے کے باوجود جھگڑا چھوڑ
دے، اس کے لیے جنت کے وسط
میں گھر بنایا جائے گا ۝

حدیث بلال بن عمارت میں ہے:

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ
الشَّرِّ مَا يَعْلَمُ مَبْلَغَهَا يَكْتُمُ
اللَّهُ بِهَا عَلَيْكَ سَخَطًا إِلَى يَوْمِ
يَلْقَاهُ ۝

آدمی کبھی کبھی ایسا شرا انگیز لگے کہ دیتا ہے
کہ اس کے شر کا اسے اندازہ نہیں ہوتا
لیکن اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت
تک اس پر ناراض ہو جاتا ہے ۝

حدیث عبداللہ بن عمرو رض میں ہے:

لہ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ۔

لہ رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث حسن وكذا في شرح السنّة وفي المعايير قال غريب۔
لہ رواہ فی شرح السنّة دروی مالک والترمذی وابن ماجہ نحوہ۔

مَنْ صَمَّتْ نَجَاءً

خاموش رہنے والا نجات پا گیا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ نجات کس چیز میں ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

إِمْلِكْ عَلَيْكَ لِسَانَكَ وَلَيْسَبَاكَ
بَيْتِكَ وَإِيَّاكَ عَلَى خَطِيئَتِكَ

اپنی زبان پر قابو رکھو، گھر میں بیٹھے رہو
اور گناہوں پر آنسو بہاؤ۔

تمام عرب و عجم میں صرف تین چار آدمیوں نے میرے بعض رسائل پر اعتراضات کئے، اور پھر انہیں بالابالا طبع کر کے مشہور بھی کیا۔ لیکن میں نے ان کا خاموشی کے سوا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اور نہ کسی کے سامنے بے جا شکوہ کیا۔ حالانکہ ان کا مباحثہ فلفلہ تھا۔ اور اس کی بنیاد تحقیق حق پر نہیں بلکہ مذہبی حسد و عصبیت پر تھی۔ علماء اس کے ایک کم علم شخص نے مسئلہ استواء علی العرش پر میرے رسالہ "در اجنبولہ" کا رد لکھا تھا۔ لیکن میرے علم کے بغیر ہی بعض لوگوں مثلاً مولانا عبدالقادر آرزو کاٹی اور سید نظام الدین نقوی میل و پوری سلمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا شافی جواب لکھ کر اسے عاجز و ساکت کر دیا۔

سلف کے ایک عبدالقادر نامی شخص نے میرے رسالہ "نبی مقبولہ" پر حدیث کے دو ایک مسائل مثلاً ماں تجارت پر زکوٰۃ کے عدم وجوب کے سلسلہ میں اعتراض کیا تھا۔ اس کا بھی بعض علماء نے نہایت تسلی بخش جواب لکھ دیا تھا۔ مشکل یہ ہے کہ میں تقلید کو نہیں بلکہ دین کو مذہب کہتا ہوں۔ لیکن لوگ از روئے تقلید مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔

لہ رفاہ احمد الترمذی والد دارمی والبعثی فی شعب الایمان -

لہ رفاہ احمد الترمذی -

اسی طرح کھنٹو کے ایک صاحب نے "دراحتاف" اور دہلی کے ایک شخص نے رسالہ "فتح المغیث" کے سنوٹ و فیات پر عدم صحت کے اعتراضات کئے تھے۔ حالانکہ یہ اہمہد علی اعتراض سے بالکل بعید ہیں۔ کیونکہ وہ فیات وغیرہ کا اختلاف سلف سے برابر کتابوں میں منقول چلا آ رہا ہے۔ میں نے یہ سنوٹ و فیات "کشف الظنون" وغیرہ سے نقل کئے تھے اور ناقلاً پر صرف تصحیح نقل لازم ہے اور بس۔

فقہ سنت کے مسائل جو نصوص مرسیحہ و صحیحہ سے مستنبط کئے گئے ہیں، اُن کا علاوہ مذاہب کے اقوال سے مقابلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اور نہ وہ اقوال کسی اہل سنت و جماعت کے لیے حجت ہو سکتے ہیں۔

دلیل کو ماننے والا اور دلیل سے استدلال کرنے والا تو اس وقت کسی اعتراض کو خود اعتنا سمجھ سکتا ہے، جب اس کے قول کو کسی مقدم یا مساوی نص کے خلاف ثابت کیا جائے۔ ورنہ اگر تمام دنیا بھی دلیل کے خلاف کہتی ہے تو کہتی رہے، معتبرین علیہ پر اس کا جواب واجب نہیں ہو گا۔ جس شخص کا علم محض اللہ کے لیے یا آخرت کی بہتری کے لیے ہوتا ہے۔ وہ ہرگز اس طرح کا خرفشار نہیں کرتا۔ یہ گاؤں و ندی و یہ گردن کی رگوں کا پھول جانا اور یہ بلند آواز کی انہی لوگوں کا کام ہے، جو علم و طلب آخرت کی لذت سے محروم ہیں۔ یاد رہے اس فعل کو حدیث شریف میں نفاق کا ایک شعبہ قرار دیا گیا ہے۔

اختلاف اُمت؛

میں صرف اہل سنت کو فرقہ نامیہ سمجھتا ہوں۔ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظاہری، اہل حدیث، اور اہل سلوک میں سے کسی کے متعلق گمان بد نہیں رکھتا، اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ ان میں سے ہر گروہ کے کچھ مسائل خلافِ دلائل ہیں۔ اور کچھ موافق نصوص، ان

کے بعض فتاویٰ صحیح اور بعض ضعیف یا مردود ہیں۔ لیکن حکم اکثر کے مطابق ہوتا ہے۔
 آج کے مطابق نہیں۔ سائنہ سلف سے بعض عادیث پر جو عمل متروک ہو گیا ہے۔ اس کے
 میں وجوہات ہیں، جو کہ جلب المنفعۃ، میں لکھے گئے ہیں۔ ائمہ سلف پر مخالفت سنت
 کا طعن کرنا، انصاف کا خون بہانا ہے۔ البتہ ان کے جو مقلد کتاب و سنت کے دلائل
 کے واضح ہو جانے کے بعد بھی ان کی محض رائے کی تقلید پر جتھے ہوئے ہیں، ان کو
 حاطی کہتا ہوں، مگر وہ نہیں، ان کے پیچھے ناز پڑھنے سے انکار نہیں کرنا، اور نہ معاذ اللہ
 انہیں کافر کہتا ہوں۔

عبادات و معاملات کے مسائل میں اہل علم کا اختلاف کفر و اسلام کا اختلاف نہیں
 اسے زیادہ سے زیادہ اجتہاد یا فہم کی غلطی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اور اسے صرف علماء راہنہ
 ہی معلوم کر سکتے ہیں، جن کا کام تحریفِ مخالفین، اتحالِ مبطلین اور تاویلِ جاہلین کی نفی
 ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ ایسی خطا کا قاضی و فاعل اگر دین میں مخلص اور غیر متعصب
 ہو اور کسی قوی شبہ کی وجہ سے گرفتار ہو گیا ہو تو اس کی خطا معاف ہو جائے گی۔ اگر
 خطا پر جمود خدا و رسول کی مخالفت اور عناد کے باعث دانستہ ہے تو یہ نہایت اندیشہ
 کی بات ہے۔ تاہم کسی راجی و خائف مسلمان کی نسبت ایسی بدگمانی کرنا اچھی بات نہیں۔
 نَعْنُ نَحْكُمُ بِالظُّوَارِ وَاللَّهِ أَهْلُهُمُ بِالسَّرِيعِ

اصول دین کا اختلاف غالباً کفر تک لے جاتا ہے، مسلمان کے بہتر فرقے فروغی اختلاف
 کے باعث تاری اور غیر ناجی نہیں ہوئے، بلکہ وہ اصول و عقائد میں اختلاف کے سبب
 دائرہ نجات سے نکل کر ہلاکت کے گڑھے میں جا گئے ہیں۔ میں نے رسالہ کشف الغتہ
 فی افتراق الامتہ میں ان سب فرقوں کے اصول و عقائد کا ذکر کر دیا ہے۔

مستفیع دلیل کا مرتبہ مقلد کی نسبت بلند ہے یا نہیں؟ یہ ایک ایسی بات ہے جو
 آفتابِ نصف النہار سے زیادہ روشن اور آشوبِ چارہم سے زیادہ درخشاں ہے

اور عقلی، عرفی اور شرعی ہر اعتبار سے لوگوں پر واضح ہے اس کا انکار امرِ بدیہی کا انکار ہے۔ منقذی کی فضیلت کا اندازہ منقذ کی فضیلت سے لگایا جاتا ہے۔ مثلاً امتِ مسلمہ کا مقام و مرتبہ صرف اسی وجہ سے بلند و بالا ہے کہ اس امت کا رسول دیگر تمام امتوں کے رسولوں کی نسبت اکرم و افضل ہے تو بھلا رسول کی اتباع کرنے والا افراد امت کی اتباع کرنے والوں سے کس طرح کم مرتبہ ہو سکتا ہے اسے

فرق ست میان آنکہ یارش در بر

با آنکہ دو چشم انتظارش بر در

عوام میں (علماء میں نہیں) ایمان تو عصر نبوت ہی سے تقلیدی چلا آ رہا ہے لیکن عملِ تقلیدی چودھنی صدی ہجری میں عقوڑا عقوڑا شروع ہوا اور پھر چھٹی صدی ہجری کے بعد تو اہل علم کی قلت اور جلاء کی کثرت کی وجہ سے تمام دنیا میں عام

لہ آیت مبارکہ **فَاعْلَمُوا أَنَّمَا آلَاءُ اللَّهِ إِلَّا اللَّهُ** سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے لیے بھی علم کا ہر ضروری ہے۔ اور تقلیدی ایمان ناقابلِ قبول ہے۔ چنانچہ امام

مَذْهَبُ أَكْثَرِ الْمُتَكَلِّمِينَ أَنَّ إِيْمَانَ التَّكْلِيفِ فِي أَصْوَلِ الدِّيْنِ غَيْرِ مَصْحُوحٍ
اکثر متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ اصول دین میں منقلد کا ایمان درست نہیں ہے۔
اسی طرح انہوں نے امام محی السنۃ کا قول بھی ذکر فرمایا ہے کہ:

يَجِبُ عَلَى كُلِّ مُتَكَلِّفٍ مَعْرِفَةُ حَلْمِ الْأَصْوَلِ وَلَا يَسْتَعِينُ فِيهِ التَّقْلِيدُ لِيُظَاهِرَ دَلَالَتَهُمْ
دلائل کے واضح ہونے کے پیش نظر ہر مکلف پر اصول دین کا علم حاصل کرنا واجب ہے اور اس سلسلہ میں تقلید قطعاً ناقابلِ التفات ہے۔

(شرح البخاری، للکرمانی جلد ۲، ص ۳۰)

ہو گیا۔ چونکہ اکثر لوگ کرام طلب اور راحت پسند ہوتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے علم کی طرف توجہ مبذول نہ کی اور نہ علومِ اولہ کو سیکھا بلکہ حسنِ ظن کی بنا پر تقلید کو اختیار کر لیا۔ علماء نے بھی، جو کہ علمِ دین کی انتہائی منزلوں کو طے کر چکے تھے، عوام اور حکام کے ڈر سے اپنے مرتبہ اجتہاد یا مرتبہ اتباع پر فائز ہونے کا اظہار نہ کیا۔ بلکہ مصلحتِ عامہ کا خیال رکھتے ہوئے شافعی، مالکی اور حنفی وغیرہ کہلاتے رہے۔ لیکن اس کے باوجود اعتقاد و عمل کے اعتبار سے وہ لوگ مقلدِ جامد نہ تھے اور یہ بات خود ان علماء کی کتابوں ہی سے ثابت ہے۔ چنانچہ ہم نے "التاج المکمل" میں علماء مجتہدین میں سے ایک عظیم جماعت کا نام بنام ذکر کر کے بتا دیا ہے کہ وہ کسی کے مقلد نہ تھے، بلکہ فقہاء کے نام سے مشہور اور مذاہبِ اربعہ میں سے کسی ایک کی طرف منسوب تھے۔ اور جو لوگ خالص حدیث اور عامل بالحدیث تھے وہ اس قدر بکثرت تھے کہ ان کی صحیح تعداد کا خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو علم نہیں، کیونکہ امام بخاریؒ اور ان کے ہم عصر محدثین کرام کے زمانہ میں ایک ایک مجلسِ حدیث میں ستر ستر ہزار آدمی سماعِ حدیث کے لیے شرکت کیا کرتے تھے، اور ان میں سے کوئی شخص بھی تقلیدِ شخصی کا قائل نہیں ہوا کرتا تھا۔ البتہ عامی اور مقلدِ جاہل جو قرآن و حدیث کے دلائل نہ جاننے کی بنا پر کتاب و سنت پر برا و راست عمل نہیں کر سکتا۔ اور کتبِ فقہ سے بھی منتفع نہیں ہو سکتا، اس کے لیے اس کے سوا اور کوئی چارہ کا

۱۔ کتاب کا پورا نام "التاج المکمل من جوہر ماثر الطراز الآخرو الاول" ہے۔ پہلا ایڈیشن ۱۸۸۰ء میں طبع ہوا تھا۔ جب کہ دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۳ء میں عبدالحکیم شرف الدین کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ نہایت سلیقہ کے ساتھ بمبئی سے زیور طباعت سے آراستہ ہو چکا ہے۔ ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۴۸، ۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷،

نہیں کہ وہ مسائل میں قولِ غیر کو قبول کر لے۔ یاد رہے محقق علماء نے اگرچہ ایسے انسان کے لیے اس کی جہالت کی وجہ سے تقلید کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ کسی خاص مذہب کی اس انداز میں تقلید نہ شروع کر دے کہ دوسرے مذاہب سے وابستہ علماء کی بات کو غلط سمجھے۔ تقلیدِ شخصی کے وجوب پر قوی یا ضعیف کوئی دلیل نہیں ہے۔ لیکن یہ بات ہر زمانہ میں ہر جاہل کو تیسرا سکتی ہے کہ وہ کسی عالم سے کہے کہ آپ اس مسئلہ میں کتاب و سنت یا آثارِ صحابہؓ کی روشنی میں میری راہنمائی فرمائیے۔ لہذا اسے خواہ مخواہ اختلاف و شبہات میں پڑنے اور یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں کہ اس مسئلہ میں مجھے فلاں امام کا فتویٰ بتادیں۔ ممکن ہے یہ بات پہلے تیسرے ہو۔ لیکن آج تو ہر عامی کو ہر شہر اور ہر قریہ میں تیسرے ہیں۔ کیونکہ آج کل فقہ السنۃ کے فروعی اور اصولی مسائل پر مشتمل رسالے اردو میں بھی لکھے جا چکے ہیں۔ جن سے ہر حرف شناس فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

یہ اعتراض بالکل بے بنیاد اور باطل ہے کہ ان رسائل پر عمل کرنا ان کے مصنفین کی تقلید کے مترادف ہے۔ اور ان کی تقلید کے بجائے ائمہ مجتہدین کی تقلید ہر آئینہ بہتر ہے۔ کیونکہ دلیل کو تسلیم کرنا اور فقہ راویوں سے روایت قبول کرنا، اہل علم و عقل کے نزدیک تقلید نہیں۔ تقلید تو غیر کی رائے کو قبول کرنے کا نام ہے۔ شارع کی روایت قبول کرنے کو تقلید نہیں کہا جاسکتا۔ یہ فقط اہلسنی کا ایک مقالہ ہے۔ اور اس دائم تلبیس میں ایک جہان کو مبتلا کر کے اس نے صراطِ مستقیم سے گمراہ کر دیا ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ کتب و رسائل کے مصنف کتاب و سنت سے دلائل نقل کرتے ہیں۔ اور وہ بھی ان علماء کی کتابوں کے حوالہ سے جو علوم و روایات کے حامل، سنت کے حافظ اور صحیح و غلط کے درمیان بخوبی تمیز کرنے والے تھے۔ وہ نہ اپنا اجتہاد ذکر کرتے ہیں اور نہ اپنی رائے کا اظہار۔ لہذا ان کتب و رسائل

پر اعتقاد رکھنے اور ان کے مندرجات کے مطابق عمل پیرا ہونے سے کوئی شخص ان کے مؤلفین کا منقلد کیسے ہو سکتا ہے؟

میرا مذہب:

مجھے وہ مذہب پسند ہے جو دلائل کے اعتبار سے سب سے زیادہ صحیح، قوی، اور سچا ہو۔ اور اس بات کو میں ہرگز پسند نہیں کرتا کہ اہل علم کے اقوال کے مقابلہ میں کتاب و سنت کے دلائل کو ترک کر دیا جائے۔ بلکہ اس بات کو زیادہ پسند کرتا ہوں کہ حتی الامکان مختلف مذاہب کے درمیان جمع و تطبیق کی راہ کو تلاش کر لیا جائے اور اس سب کچھ سے صرف یہ مقصود ہے کہ میری عبادت تمام یا اکثر مذاہب کے اعتبار سے صحیح ہو۔ اور یہ احتیاط کی بات ہے کہ مکہ سے اس طرح بچا جائے جس طرح حرام سے بچا جاتا ہے۔ اور سنن کی اس طرح نگہداشت کی جائے گویا کہ وہ واجبہ دین میں احتیاط کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شبہات سے اجتناب کیا جائے۔ تقریباتِ نعتیہ میں شبہات بکثرت پیش آتے ہیں۔ یہی وہ ہے کہ فقہاء کے فتاویٰ میں بہت زیادہ اختلاف ہے۔ اس کے برعکس کتاب و سنت کے ظاہر اور واضح احکام میں نہ کوئی اختلاف ہے نہ شبہ۔

وَكُوْكَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوْ جَنَّ وَاٰفِيْرًا اٰخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝

جگہ ہنقاد و دوست ہمہ را مدد بند

چون ندیدند حقیقت رو افسانہ زدند

شیخ محی الدین بن عربیؒ کا ظاہری مذہب سے وابستہ تھے۔ جبکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مشرب سے پیوستہ۔ ظاہری اہل حنبلی حضرات کو بظاہر

امام داؤد ظاہریؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن درحقیقت متبع کتاب و سنت ہیں۔ کیونکہ ان دونوں اماموں نے اپنے اجتہاد سے کوئی فقہ مدون نہیں فرمائی بلکہ وہ عمل بالحدیث کے قائل تھے۔ اور یہی وہ بہترین راستہ ہے، جس پر اہل اسلام کو رشک کرنا چاہیے۔ وباللہ التوفیق!

میرے خیال کے مطابق ان بزرگوں کے علاوہ اور بھی کوئی شیخ طریقت کسی خاص مذہب کا مقلد نہیں تھا۔ اگر کسی نے اپنے آپ کو کسی مذہب کی طرف منسوب کیا ہے۔ تو وہ عوام الناس کی زبان و دست درازی سے محفوظ رہتے یا کسی اور مصلحت کے پیش نظر کیا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے جب توحید و معرفت کے حقائق بیان فرمانا شروع کئے تو ان پر ہر طرف سے دشمنوں کا ہجوم ہونے لگا تو انہوں نے جان کی حفاظت کے لیے مجبوراً اپنے آپ کو فقہ کی طرف منسوب کرتے ہوئے اپنے آپ کو امام سفیان ثوریؒ کا ہم مذہب قرار دیا۔ لیکن گھر کی چار دیواری میں پوشیدہ طور پر بدستور توحید بیان فرماتے رہے۔

اکثر اہل علم و دین کو ہر دور میں اسی قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ائمہ محدثین، شافعی کہلاتے رہے حالانکہ وہ مجتہد تھے، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی کے مقلد و تابع نہ تھے، ان کا مسلک عمل بالحدیث تھا۔ الغرض دین میں جو فتنہ بھی آیا ہے، انہی جہاں مقلدین کی طرف سے آیا ہے۔

دیوانگی وستی از بوسے تو می خیزد

ہر فتنہ کہ می خیزد از کونے تو می خیزد



مذہبِ اربعہ میں حق دائر ہے، منحصر نہیں؛

اللہ تعالیٰ کا مجہر بر احسان ہے کہ میں کسی دوسرے مذہب سے والہنۃ انسان سے جا ہلانہ تعصب نہیں رکھتا۔ اور نہ میں اپنی سنت و جماعت کے دوسرے مکاتب فکر کے لوگوں کو گمراہ ہی سمجھتا ہوں۔ کیونکہ ائمہ اربعہ کے اصول ایک ہیں۔ اور فروعی اختلاف ضلالت و کفر کا موجب نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے صرف تشدید و تخفیف پر محمول کیا جاتا ہے جیسا کہ علامہ شعرانی نے ”نیزان“ میں بیان فرمایا ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ میں منبع ہوں معتدح نہیں، اور یہ بھی دلیل کے اعتبار سے کہہ رہا ہوں۔ اس لیے کہ اُمت کو ظاہری اور باطنی اعتبار سے کتاب و سنت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ در رسول کے سوا کوئی مقبول نہیں ہے۔ اُمت کے جس قدر بھی ملا و مشائخ ہیں، ان کے اقوال مقبول بھی ہیں اور مردود بھی، اگر کوئی بات رد نہیں کی جاسکتی تو وہ صرف خدا کا ارشاد اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ پس متبع سنت بلا شک و شبہ افضل ہے اور مقلد (اگر مشائخ خدا و رسول نہیں تو) مفضل ہے۔ اس بات میں تعصب اور حیت نفسانیہ کو دخل نہیں۔ بلکہ یہ تو سراسر حقائق امور کا بیان ہے۔ واللہ اعلم!

بقول مصطفیٰ زائر زراعتے دیگران مانندم

شہود یار مانع گردد از اختیار ماشق را

”قول جمیل“ میں شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے:

مذہب فقہاء میں سے ایک کو دوسرے	”وَمِنْهَا أَنْ لَا يَتَكَلَّفُ فِي تَرْجِيحِ
پر ترجیح دینے کے متعلق گفتگو نہیں کرنی	مَذَاهِبِ الْفُقَهَاءِ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ
چاہیے بلکہ ہر ایک کو فی الجملہ قبول کرنا چاہیے	بَلْ يَضَعُهَا كُلُّهَا عَلَى الْقَبُولِ بِجَمَلَةٍ
البتہ اس مذہب کا اتباع کرنا چاہیے جو	وَيُكَبِّعُ مِنْهَا مَا وَافَقَ صِرَاحَ السُّنَّةِ

صریح اور معروف سنت کے مطابق ہو۔
 اگر دونوں قول سنت کے مطابق ہو تو اس
 پر عمل کرنا چاہیے، جس پر اکثر علماء عمل پیرا
 ہوں، اگر دونوں برابر ہوں تو اختیار ہے،
 لیکن تمام مذاہب کو کسی قسم کے تعصب کے
 بغیر ایک جیسا سمجھنا چاہیے۔

وَمَعْرُوفَهَا فَإِنْ كَانَ الْقَوْلَانِ
 كِلَاهُمَا مَخْرَجَيْنِ اتَّبِعْ مَا عَلَيْنَا
 أَلَّا كُتِبَ عَلَيْكَ إِذَا كَانَ سَوَاءً فَهُوَ
 بِالْخِيَارِ وَيَجْعَلُ الْمَذَاهِبَ كُلَّهَا
 كَمَنْ هَبٍ وَوَاحِدٍ مِنْ غَيْرِ تَعْصِبٍ
 (انتہی)

مجھے معلوم ہے کہ حق ان مذاہبِ اربعہ میں دائر ہے۔ مگر منحصر نہیں۔ اس لیے کہ
 اپنی حدیث، ظاہر ہے اور صوفیہ بھی حق پر ہیں۔ بلکہ یہ لوگ اہل حق میں سب سے افضل
 ہیں۔ اور ترجیح مذاہب کے سلسلہ میں ترک گفتگو کی وجہ یہ ہے کہ ایک مذہب کو ترجیح
 دینا اکثر لوگوں کے نزدیک باقی مذاہب کی تنقیص کا باعث بنتا ہے۔ اسی وجہ سے
 بعض حنفی حضرات مذہبِ شافعی کو، اور بعض شافعی حضرات مذہبِ حنفی کو بُرا
 کہنے لگتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (سب سے افضل ہونے کے باوجود)
 اسی لیے ارشاد فرمایا کہ:

سُبِّحْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى السَّلَامِ سِوَى أَفْضَلِ نَبِيٍّ كُنْتُ

وَاللَّهُ أَعْلَمُ!

مذاہبِ اربعہ کا مطالعہ:

ابتداءً طالبِ علمی میں اس ملک کے رواج کے مطابق میں نے فقہ حنفی کی
 کتابیں بھی پڑھی تھیں۔ پھر جب شعور بڑھا تو مذاہبِ ائمہ ثلاثہ پر بھی عبور حاصل
 کیا، اور مذاہبِ اربعہ کے فروعی مسائل کے دلائل تک بخوبی معلومات حاصل کر
 لیں۔ اور راسخ علماء کے قاعدہ کے مطابق ہر مذہب کے دلائل کا میزانِ تحقیق میں

ذوق کیا اور جس بات کو دلیل کے اعتبار سے راجح پایا، اسی کا ثاب ہو گیا۔ چنانچہ ”مسک الختام شرح بلوغ المرام“، ”روضہ لدنیہ“، ”بدورالہدایہ“، ”منہج مقبول“، ”تعارف الہادی“ اور ”بنیان مرموض“ وغیرہ کے مطالعہ سے ہر منصف مزاج کو یہ ملکہ حاصل ہو سکتا ہے۔ ایک ہی مذہب دہریہ پر جمود کرنے والا انسان دین کے فیوض و برکات سے محروم رہ جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اپنی کتاب ”الانصاف فی سبب الاختلاف“ میں اس طرف اشارہ فرمایا ہے۔

راہِ اعمدال :

اگر اربعہ کے مذاہب پر عبور حاصل کرنے کے بعد، میں نے اپنے لیے دلیل کے اتباع کو پسند کیا ہے، یعنی دلیل کے اعتبار سے جو مذہب قوی اور صحیح ہو، میں اسے اختیار کرتا ہوں، خواہ وہ مذہب حنفی ہو یا شافعی، مالکی ہو یا حنبلی۔ میں کسی مذہب کو محض تعصب کے پیش نظر رد نہیں کرتا اور نہ کسی مذہب کو محض خواہش نفس کے مطابق اختیار کرتا ہوں۔ مثلاً مسئلہ آب میں مذہب مالکیت زیادہ قوی ہے، تشہد کے صیغوں کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مذہب زیادہ صحیح ہے اور مسئلہ صفات میں امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک سب سے قوی ہے۔ لہذا میں نے انہیں اختیار کیا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس میں نے اپنی تمام تالیفات میں اسی قاعدہ کو پیش نظر رکھا ہے اس اعتبار سے میں اپنے آپ کو حنفی کہوں یا شافعی، مالکی کہوں یا حنبلی تو کذب لازم نہیں آئے گا۔ اور اگر محض سستی کہوں تو بھی بالکل سچ ہے۔ ائمہ اربعہ اور دیگر ائمہ مجتہدین کا عجب اور خادم ہونے کی حیثیت سے اگر میں اپنے آپ کو ان میں سے کسی امام کی طرف منسوب کروں تو بھی درست ہے، چنانچہ سلف امت کی طرف اللہ علم کی اکثر نسبتیں

اسی قبیل سے ہیں۔ لیکن یہ

مردم اندر حسرت فہم درست +
اینکہ میگدیم بقدر فہم تست!

میں خوب جانتا ہوں کہ کسی امام کا کوئی مقلد بھی ایسا نہیں ہے، جو کسی مسئلہ میں بھی امام کے مذہب و اقوال کی مخالفت نہ کرتا ہو، خواہ مسئلہ کا تعلق اصول سے ہو یا فروع سے، جب یہ بات ہر مذہب خاص کے مقلدوں میں موجود ہے، اور اس کا مشاہدہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ تو پھر مجھ پر یا کسی اور متبع پر کوئی الزام کب عائد ہو سکتا ہے؟ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کسی نے ایک دو مسئلوں میں اپنے امام کے مذہب کے خلاف کیا اور کسی نے پانچ دس مسئلوں میں۔ تو یہ تفاوت فقط قلت و کثرت کا ہے، تقلید و اتباع کا نہیں۔ مثلاً شیخ عبدالحق دہلویؒ نے سماع موتی میں مذہب شافعی اختیار کیا ہے۔ اور جمہور حنفیہ کے مذہب عدم سماع موتی کو چھوڑ دیا ہے۔ اسی طرح وہ مشرب میں قادری الطریقہ تھے۔ حالانکہ شیخ جیلانیؒ حنبلی المذہب تھے۔ یا اس کی مثال یہ دی جاسکتی ہے کہ حنفیہ کی ایک جماعت شیخ فی الدین بن عربی کی ولایت، بلکہ قطبیّت کی معتقد ہے۔ حالانکہ وہ ظاہری المذہب اور محض متبع تھے یا مثلاً امام غزالیؒ نے ”احیاء العلوم“ میں زکوٰۃ کی اصنافِ ثمانیہ میں مذہب حنفی کو جائز رکھا ہے حالانکہ امام شافعیؒ اس مسئلہ میں سخت ہیں یا مثلاً علامہ علی قاری حنفیؒ نے بعض فروعی مسائل میں جمہور حنفیہ سے اختلاف کیا ہے۔ کتب کی ورق گردانی سے اس قسم کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔

ابن رجب حنبلیؒ نے ”طبقات“ میں علماء کے تراجم ذکر کرتے ہوئے ان مختارات متفرذہ بھی ذکر کئے ہیں، جو ان کے مشہور مذہب کے خلاف ہیں ...
”حجۃ اللہ البالغہ“ کو دیکھو، اس میں بہت سے مقامات پر مذہب شافعی کو راجح

کہا گیا ہے۔

”معمولاتِ منظریہ“ کی سیرکہ و اس میں بھی جا بجا ظاہر حدیث کو اختیار کیا گیا ہے۔
 عدمِ رفعِ سبابہ میں مذہبِ مجدد کو چھوڑ دیا ہے۔ حنفیہ ہند کو دیکھو، مذہبِ
 شوافع کے مطابق مجالسِ میلادِ منفقہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قدیم علماء حنفیہ سے ثابت
 نہیں۔ ابی وجہ سے حضرت مجددؑ نے اسے اپنے ”مکتوبات“ میں بدعت قرار دیا
 ہے۔ اور اس کی بہت سخت تردید کی ہے۔

وَهَذَا الْكِبَابُ وَاسِعٌ جَدًّا لَأَيَّامِنَا فِي الْحَضَرِ۔

اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی کہ اگلے اہل علم اور اہل مذہب اس طرح
 کا تعصب نہیں رکھتے تھے، جس طرح کا تعصب اس تیرہویں صدی میں ہے بلکہ وہ
 لوگ آپس میں موافق، محب، طالبِ حق اور متبعِ صدق تھے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ
 محدث دہلویؒ نے قولِ جبین ”میں لکھا ہے کہ:

”مذاہبِ فقہار اور مشاربِ صوفیاء میں سے کسی مذہب و
 مشرب کو کسی دیگر مذہب و مشرب پر ترجیح نہیں دینی چاہیے بلکہ
 ظاہر کتاب اور سنتِ معروف کا اتباع ہی کافی و کافی ہے؟ چنانچہ
 بغیر کسی قسم کی کمی و بیشی کے ہمارا طریقہ بھی یہی ہے۔“ و باللہ التوفیق!
 اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن و حدیث میں فہم صحیح اور درکِ لطیف عطا فرمایا ہے
 اور ذہنِ صافی و قلبِ سلیم سے نوازا ہے۔

پہ می پرسی ز حالِ نسوخرِ دل چلیت تحریرش
 کتابے در بغلِ دارم کہ قرآن ست تفسیرش

میں کسی آیت کی تفسیر یا حدیث کی شرح میں جب اہل علم کے مختلف اقوال
 پاتا ہوں تو ان میں سے راجح اور صحیح قول کو پہچان لیتا ہوں۔ ائمہ نہیں ہوں

کہ جس کی تقریر تحریر سنی دیکھی اور بظاہر حسرت و دوست اور برحمت نظر آئی، اسی کی طرف جھک گیا۔ بلکہ اپنے فکر سے کام لیتا ہوں، اور مختلف اقوال و مذاہب کو کتاب و سنت کی میزان میں تول کر جائزہ لیتا ہوں۔ جو موافق ہو اسے قبول کرتا ہوں اور جو تاویل بعید یا توجیہ ضعیف ہو اس کو پسند نہیں کرتا، اگرچہ اس کا قائل بہت بڑا عالم یا شیخ ہی کیوں نہ ہو، اس لیے کہ حق ہی سب سے بڑا اور عظیم ہے اور اور ہر اہل طریقہ کتاب و سنت کا پابند ہے۔ جس طرح کہ جمہور نے فرمایا ہے:

کلریقتنا ہذہ مشیدۃ بالکتب والسنۃ۔

اور تمام مشائخ، علمائے سلف اور متبعین خلف کا یہی قول اور حال تھا۔

سرورِ خاطر احباب زائر ازلائے ست!

من و تفریح بانع محشر شاں تنہا

علوم و فنون میں مہارت:

مجھے علوم دین کی جملہ انواع سے ایک طرح کی مناسبت طبعی حاصل ہے۔ اور میں علم کی نقطہ کسی خاص نوع کا ذائقہ گیر نہیں ہوں۔

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ لَّكَوَيْدٌ أَحْسَبِي قَدَحًا وَكَلُّنَا طِغْقِي فِي الْكُونِ يُطِيرِي

”نصب الذریعہ“ میں جننے علوم شرعیہ کا میں نے ذکر کیا ہے، ان سب میں مہارت ضروری اور فہم کفائی رکھتا ہوں۔ اگرچہ میرا زیادہ تر شغف علم تفسیر، شروح حدیث اور متون حدیث سے ہے۔ فقہ سنت کو دلچسپی ہی جانتا، سمجھتا ہوں جس طرح مقلدین اپنے مذاہب کی فقہ کو سمجھتے ہیں، اور ان کے علماء و مڑہب حنفی، شافعی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔ احکام و مسائل کے دریافت کرنے کے لیے میں اپنے دین میں کسی عالم کا محتاج نہیں ہوں۔ بلکہ عبادات، معاملات اور اخرویات کے

ہر مسئلہ کو قرآن و حدیث کے مطابق، تفاسیرِ مکرمہ و سننِ مطہرہ کے معادن سے نکال کر تحقیقاً و دلیلًا بتا سکتا ہوں۔ چنانچہ میری مؤلفات اس دعویٰ پر شاہدِ عدلیٰ ہیں۔ وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ!

جز بہ بندت لفتد خاطر آزادہ ما

غیر نقتت نہ پذیرد ورق سادہ ما

معاصرین میں سے کسی کو بھی ائمہ اسلام کی کتابوں پر اس قدر عبور حاصل نہیں ہے جتنا کہ مجھے ہے۔ کیونکہ میں نے ہزار ہا کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اور ہر موضوع کی اکثر کتابوں کو اول سے آخر تک گہری نظر سے پڑھا ہے۔ فقہِ سنت، اصولِ فقہ اور علمِ تفسیر میں جو دستگاہ مجھے حاصل ہے وہ کسی اور کو نہیں۔ معاصرین کی کیفیتِ استدلال کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو علماء دین کے نام سے مشہور ہیں، وہ اخبار کی ایڈیٹری تو خوب جانتے ہیں اور بحثِ مسائل میں بھی اسی (ایڈیٹریز) روش پر چلتے ہیں۔ لیکن جو بات مقصودِ شرع اور مطلوبِ دین ہے، اس کے علم و فہم سے کوسوں دُور ہیں۔ اسی وجہ سے اس زمانہ میں دین لہو و لعب بلکہ بحثِ ٹھہر گیا ہے نہ کسی کا حفظِ ادب ہے، نہ کسی مسئلہ میں انصاف ہے۔ آلا ما اشار اللہ! یہ سب آخری زمانہ کے فتنے ہیں۔ معلوم نہیں کہ اس کے بعد کیا ہو گا۔

من ز وضع زمانہ در فکرم

کہ مبادا ازیں بتر گردد!

میں نے یہ بات بطورِ فخر نہیں لکھی بلکہ اس امر واقعی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں۔ اس کے باوصف میری یہ عادت نہیں کہ علم و فضل کی وجہ سے کسی پر مباحثہ کروں، کسی کی بات کاٹوں، اپنے فہم کے لیے تعقب کروں یا کسی کو اپنے طریقہ کی طرف دعوت دوں بلکہ میں تو کسی شخص کے سامنے علم کی بائگ نہیں کرتا اور نہ کسی حنفی،

شافعی سے متفق ہوتا ہوں اور نہ مجھے علم و فضل پر کوئی غرور ہے۔

تلاشِ فخر نلارم بغار سو گندست

ز گلِ فگفتہ نگردم بخار سو گندست

چراغِ ماریتی تیرگی زیادہ کند

برو شنائی شہمائے تار سو گندست!

میرے عربی و فارسی رسائل موجود ہیں، ان کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی معلوم ہو سکتی ہے کہ مسائلِ دین اور اداۃ شرع کی تخریم و تقریر کے اعتبار سے ان کے اور معاصرین کی کتابوں کے درمیان کس قدر واضح فرق ہے اور کون کتاب و سنت بلکہ فقہ ملت پر زیادہ عبور رکھتا ہے۔ **وَلٰكِنْ مَّعَارِسُ الْجَهْلِ وَالْتَعْصِبِ كَثِيْرَةٌ لَا تَحْضِي وَالْمَعَاصِرَةُ اَصْلُ الْمُنَافَرَةِ۔**

اندازِ بیاں اور :

میں نے عربی، فارسی اور اردو میں مطول و مختصر بے شمار عربی کتابیں تصنیف کی ہیں اگرچہ ان کے ابواب، فصول اور مطالب علماءِ راسخین و محققینِ سلف و خلف سے منقول و مأثور ہیں۔ لیکن ہر کتاب و رسالہ میں طرزِ بیان اور ترتیبِ مقاصد و مواعظِ جدیدہ ہے اور پھر اس لطف و خوبی کے ساتھ یہ بیان ہم عصر علماء کے رسائل و مؤلفات میں شاید ہی نظر آئے۔ پھر ان میں سے بعض کتابیں بالکل جدید ہیں۔ جیسے "التاج المکمل" اور "در سالہ یقظہ" وغیرہ۔

اسعد و فارسی کے اکثر رسائل میں دوسرے لوگوں کی جاتیں نقل کرتے وقت میں نے دو امور کا بطورِ خاص خیال رکھا ہے۔ ایک یہ کہ جس کی وہ عبارت ہو اس کا نام لکھا جائے۔ میں کسی عالم کی تحقیق کو تہدیش یا تہدیش یا تہدیش کہتا ہوں کہنا خیانت سمجھتا

ہوں۔ اور دوسرے یہ کہ نقل مذکور صحیح اور اصل کے مطابق ہو۔ ابوابِ شرع میں سے شاید ہی کوئی ایسا باب ہو جس میں میں نے کوئی مستقل رسالہ یا کتاب نہ لکھی ہو، تفسیر حدیث، فقہ، علومِ آخرت، عقائد، تاریخ اور نحو وغیرہ کون سا موضوع ہے جس پر میں نے قلم نہیں اٹھایا۔ اور پھر ہر رسالہ ادلہ صحیحہ کے ساتھ مرتب ہے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں جو کتاب و سنت کے دلائل مع تخریج سے خالی ہو۔ یہ بات تالیفاتِ معاصرین میں نایاب ہے۔

اس زمانہ میں اکثر طرزِ تصنیف یہ ہے کہ چند معروف کتبِ فقہ سے اقوال و حکایات اور قول و قال بغیر دلیل کے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ اور اسے بڑی تحقیق سمجھا جاتا ہے۔ پھر اگر کسی قول کو ترجیح بھی دی جاتی ہے تو دلیل کی رو سے نہیں بلکہ انہی روایاتِ فقہ کی رو سے۔ یہ طریق ان لوگوں کا ہے جو علومِ اصول سے آگاہ نہیں ہیں۔ استدلال کا ملکہ نہیں رکھتے اور کیفیتِ استدلال و استنباط کو نہیں پہچانتے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اصولِ علوم پر کافی عبور بخشا ہو۔ وہ ہرگز اس عملت و دناوت کو اپنے لیے پسند نہیں کرے گا۔ علاوہ انہی ادلہ کتاب و سنت کی جو کثرت، تیقح و توضیح کے ساتھ میرے رسائل و کتب میں ہے۔ معاصرین کی تالیفات میں اس کی نظیر نہیں ملے گی۔ بلکہ اکثر رسائل میں ابواب و فصول کے ذیل میں آیات کا استقراء کیا گیا ہے بلکہ ایک دلیل کا دوسری کے ساتھ باہمی ربط بھی بیان کیا گیا ہے جیسا کہ کتبِ فقہ سنت کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی ثابت ہوگی۔ فارسی اور اردو میں بعض رسائل دو دو چار چار کاپی تک ایک ہی حدیث کی شرح میں لکھے گئے ہیں۔ مثلاً شرح حدیث "حلاوة الایمان"، شرح حدیث "ولی" اور شرح حدیث "نبی الاسلام علی خمس" وغیرہ۔

یہ سب افاضہ مبداءِ نیاض کی طرف سے ہے کیونکہ میں کوئی مختار عامل نہیں

بلکہ ایک غلام ہوں جس سے کام لیا جاتا ہے۔ میں کیا اور میری تالیفات کیا، اور میرا سلیقہ کیا۔ اگر یہ خدمت قبول ہوگئی تو زہے سعادت و نعتی
 اے بسا آرزو کہ خاک شدہ
 اللَّهُمَّ أَحْيِنَا مُسْلِمِينَ وَآمِتْنَا مُسْلِمِينَ۔

شرفِ قبولیت؛

اختلافِ لغات کے باوجود میری تمام تصنیفات اطراف و اکنافِ عالم خصوصاً
 بلادِ حجاز و عرب و مغرب و غیرہ میں میری زندگی میں ہی شرفِ قبولیت سے فوازی گئی
 ہیں۔ ہندوستان کے بعض لوگوں کے سوا کسی نے ان کا تردید میں کچھ نہیں لکھا
 اور ہندوستان کے جن لوگوں نے مخالفت کی ہے وہ بھی معاصرت، اتحادِ
 وطن اور تحاسدِ باطن کے باعث ہے۔ میں اس امر پر بھی خدا کے حضور سجدہ
 تشکر بجالاتا ہوں۔ اس لیے کہ سلف نے کہا ہے کہ:

لَا بَدَّ لِكُلِّ فَقِيهٍ مِنْ سَفِيهٍ يَنْقُصُهُ۔ ہر فقیہ کا کسی نہ کسی بیوقوف سے لازماً سامنا
 ہوتا ہے جو اس کی تنقیص کرتا ہے۔

اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ایشیا کی مشناخت اصدا دہی سے ہوا
 کرتی ہے۔ کون ایسا عالم، امام یا درویش گزرا ہے، جس کا کوئی حاسد نہ ہو، علماء اہل سنت
 اور مشائخ ملت کو جانے دو۔ خود کتاب اللہ اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی
 ہر دور میں دشمن تو رہے ہیں۔ کسی نے قرآن کا معارضہ کیا، کسی نے قرآن کو غیر معجز
 بتایا، کسی نے صفات، برزخ اور شہد و نشہ کی آیات و احادیث میں صدمہ شہادت
 نکالے، کسی نے کتاب و سنت میں تناقض کا دعویٰ کیا، اہل کس نے قرآن کی
 فصاحت و بلاغت پر اعتراض کیا اور اب تک ایسے لوگ موجود ہیں جو کتاب و

سنت کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں۔ اور نفع صورتک ان کا وجود باقی رہے گا۔ اس جہدِ صابریہ ہے کہ جو عمل خالص اللہ کے لیے کیا جائے۔ وہ باقی رہنا ہے اور جو حصولِ جاہ اور ریاکاری کے لیے کیا جائے، اس کی صورت و ہیبت بہت جلد مضمحل ہو جاتی ہے۔ فَأَمَّا الزُّبَدُ فَيَذَّهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ !

اتباعِ کتاب و سنت؛

میں اظہارِ حق میں کسی بار و اختیار کا لحاظ نہیں کرتا۔ میرا دل اتباعِ سنن پر مطمئن ہے۔ اور شک و شبہ کی کوئی گد میرے دامنِ خاطر پر نہیں جمتی۔ میں اس سلسلے میں علماء و بانی کا ہم نوا ہوں، علامہ شعرانی فرماتے ہیں:

وَمِمَّا مَنَّ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى عَلَيَّ
أَنْشُرَاحَ صَدْرِي لِاتِّبَاعِ السُّنَّةِ
الْمُحَمَّدِيَّةِ قَوْلًا وَفِعْلًا وَاعْتِقَادًا
وَإِقْبَالًا حَاطِرِي مِنْ حَيْثُ ذَلِكَ
مِنْ حَيْثُ كُنْتُ صَوْفِيًّا حَتَّى آتَى
بِحَمْدِ اللَّهِ أَنْ تَوَقَّفْتُ فِي بَعْضِ الْأَوْقَاتِ
عَنِ الْعَمَلِ بِبَعْضِ مَا اسْتَحْسَنَهُ
بَعْضُ الْعُلَمَاءِ حَتَّى يَظْهَرَ لِي
وَجْهٌ مُوَافَقَةٌ لِلْكِتَابِ
وَالسُّنَّةِ

اللہ تعالیٰ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہے
کہ اس نے قول، فعل اور اعتقادی طور پر
سنتِ محمدیہ کے اتباع کے لیے میرے سینے
کا انشراح فرما دیا ہے اور اس کے برعکس
کے لیے میرے دل میں انقباض ہے اور یہ
نعمت مجھے بچپن ہی سے حاصل ہے حتیٰ
کہ میں بجز اللہ بعض اوقات لائقِ حمد پر بھی
عمل سے توقف کرتا ہوں جنہیں بعض علماء
نے مستحسن سمجھا ہوتا ہے جب تک کہ میرے
لیے کتاب و سنت سے اس کی موافقت

ظاہر نہ ہو جائے

طالبِ علم کے ابتدائی فہر میں جس قدر علوم درسیہ و متداولہ پڑھے تھے، قرآن و حدیث کے مسلسل گہرے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ ان میں اخلاص نام کی کوئی چیز نہیں بلکہ وہ خواہشاتِ نفسانی کے ساتھ غلط ملتے ہیں۔ کیونکہ علمِ خالص کی علامت یہ ہے کہ اس کے ساتھ اشتغال کے وقت دل کلی طور پر اللہ کی طرف منوجہ ہو جائے۔ اور یہ بات مجھے کسی علمِ آئی، درسی یا فنِ متداول میں حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ میرا دل تو ہر وادی میں پریشان اور ہر صحرا میں سرگرداں رہتا تھا۔ صرف کتاب اللہ کے علم ہی میں مجھے جمعیتِ خاطر میسر آئی۔

الَّذِينَ كَرِهَ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ ۗ

یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم اور حدیثِ رسولؐ رؤف درحیم کی خدمت مجھ سے بار بار عمل میں آئی اور میں نے مختلف پیراؤں میں فقہِ کتاب و سنت کو اپنی عصر کے سامنے پیش کیا ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۗ

اسی طرح سنتِ مطہرہ کے صحائف کے علاوہ اور کسی علم میں میں نے ذلت و ضائع نہیں کیا۔ کیونکہ صحائفِ سنت کی مزادلت سے بصیرتِ تامہ حاصل ہوتی ہے۔

وَمَنْ اتَّبَعَ نَفْسَهُ فِي جَمِيعِ الْعُلُومِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْظُرَ فِي دَلَالَتِهَا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا تَأْتِيهِ هُوَ السَّقْمُ وَهُوَ الْمَقْظُومُ بِهَا حُجُبٌ عَنْ مَوَاضِعِ التَّلَاكِيهِ الْيَقِيْنِ فِيمَا عَلَى الْحَقِّ عَجَلٌ وَعَدْلٌ۔

ترجمہ: ہر کتبِ خوانیت میں آید
زجمعِ خاطر خود نسودِ فراہم کن

میں جب اپنے اعمال پر غور کرتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یقینی طور پر مجھے نالسنہ فرماتا ہے۔ اسی لیے کہ کتاب و سنت کے علم کے باوجود

مجھ سے کوئی عملِ خالص اور فعلِ صادق صادر نہیں ہوتا۔ میں اپنے خیال میں مکاریا
ریا کار نہیں ہوں۔ اس لیے کہ ریا کاری عام طور حصولِ جاہ و مال کے لیے ہوا کرتی
ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے حوصلہ سے بڑھ کر مال و جاہ سے نواز رکھا
ہے۔ اگر کوئی عملِ مرضی حق تعالیٰ کے موافق صادر ہو گیا ہو تو مجھے اس کا علم نہیں۔
اللہ کی محبت یا کراہت دریافت کرنے کے لیے میزانِ صرف کتاب و سنت کی ظاہری
و باطنی اتباع و موافقت، قول و عمل اور حال کے اعتبار سے مخالفت ہے۔ یہ
میزان کبھی بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیے۔ اگر ہر وقت ادا ہر گھڑی یہ وزن نہ ہو
سکے تو کم از کم صبح و شام تو اپنے نفس کو اس معیار پر مزود پرکھنا چاہیے اور معلوم
کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس غلام سے خوش ہے یا ناخوش۔ ولا تنتظر
احدا غیرک ینبھک علی مثل ذلک فانہ مفقود فی هذا الزمان۔
اس کوور میں نام کے اہل علم اور مشغول بعلم فقہ تو بہت ہیں۔ لیکن حقیقت
میں یہ غلابِ آدم ہیں آدم نہیں!

اِنَّمَا اتَّخِیْتُمْ فِیْ اَنْفُسِکُمْ اَنْبِیَا وَّهَمًّا
لَکُمْ فِیْ سَاءِ مَا لَمْ تُحِیْ غَیْرَ نِسَاۗئِہِمْ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

کَلِیْلِ الْاِنْسَانِ عَلٰی نَفْسِہِمْ بَصِیْرَةٌ
وَکُوْا اَلْقٰی مَعَاذِ یٰہِمْ
شعرائی یہ فرماتے ہیں:

بلکہ انسان اپنے آپ پر خود ہی دلیل (یا گواہ)
ہے۔ اگرچہ اپنے عذر پیش کرتا رہے۔

فَعَلِمَ اَنْتَ یٰٓاَکْثَرُ عَلٰی حٰجِلِ شَخْصٍ
کَیْسَ کَہْ شَیْخٍ اَوْ اَخٍ صَادِقٍ اَنْ
یَذِنَ اَنْعَالَہِ اِنْ اَکْرَبَ اِلَیْہِمْ وَ اَلْسِنَہِ

پس معلوم ہوا کہ جس شخص کا کوئی شیخ یا برادر
صادق ہو اس کے لیے عذر ہی ہے کہ وہ
اپنے افعال کتاب و سنت اور کلام اللہ کے

وَكَلَامِ الْكَاتِبَةِ يَنْظُرُ فِي رَجَبِهِ
میزان پر نوثوت رہے تاکہ اسے اپنے نفع و
وَحُسْرَائِهِ۔
نقصان کا اندازہ ہو سکے۔

میرا حال یہ ہے کہ میں نے کسی کے ہاتھ پر بیعتِ ارادت نہیں کی اس لیے کہ
مجھے قرآن و حدیث اور سلف صالح کی شروط کے موافق کوئی شیخ میسر نہیں
آیا۔ میں بیعت کے وجوب کا قائل تو نہیں البتہ اسے مستحب ضرور جانتا ہوں۔
اور یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر شیخ صالح نہ ملے تو اخلاص نیت اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم پر بکثرت درود شریف کے ساتھ قرآن و حدیث کا اتباع ہی کافی ہے۔
چنانچہ حدیث مالک بن انس رضی میں مرسل آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا:

تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا
میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک
مَا تَسَّكُمُوهُمَا كِتَابَ اللَّهِ وَ
انہیں مضبوطی سے تھامے رکھو گے کبھی
سُنَّةَ رَسُولِهِ۔
گمراہ نہیں ہو گے۔ وہ ہیں کتاب اللہ اور
سنت رسول۔
(رواہ فی الموطأ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتاب و سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا مانع
ضلالت ہے۔ اور حضرت ابن عباس رضی نے فرمایا ہے کہ:
مَنْ تَعَلَّمَ كِتَابَ اللَّهِ تَعَرَّضَ لِمَا
جس نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا پھر
فِيهِ هِدَاةُ اللَّهِ مِنَ الضَّلَالَةِ
اس کے مطابق عمل کیا۔ دنیا میں اسے
فِي الدُّنْيَا وَوَقَاهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
اللہ تعالیٰ ضلالت سے بچا کر ہدایت
سَوَاءَ الْحِسَابِ۔
سے نوازے گا اور قیامت کے دن برے
حساب سے محفوظ رکھے گا ۛ

دوسری روایت اس طرح ہے:

مَنْ اَتَىٰ بِكِتَابِ اللّٰهِ لَا يَحْضِلُ
 فِي النَّبَاِ وَلَا يَشْقَىٰ فِي الْاٰخِرَةِ -
 جس نے کتاب اللہ کی اقتدار کی وہ دنیا میں
 ضلالت اور آخرت میں شقاوت کا شکار
 نہیں ہوگا۔

پھر یہ آیت پڑھی :

فَمَنْ اَتَىٰكُمْ هٰذَاى فَلَا يَحْضِلُ وَلَا
 يَشْقَىٰ لِه
 پس جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا وہ
 نہ تو گمراہی کا شکار ہوگا اور نہ شقاوت
 سے دوچار۔ (رواہ رزین)

اس سے ثابت ہوا کہ بیعت واجب نہیں ہے اور عمل کے لیے کتاب و سنت
 ہی کافی ہے۔ یاد رہے عصر نبوت میں جو بیعت ماثور تھی، وہ کبھی ہجرت پر، کبھی
 جہاد پر، کبھی ادائے واجبات پر اور کبھی ترک کبائر پر ہوتی تھی۔ مقامات عرفان کے
 حصول اور منازل آسمان کے وصول کے لیے نہیں ہوتی تھی۔ کیونکہ جب انسان شرعاً
 متقی بن جائے تو اسے یہ سب مقامات اپنے مقدر کے مطابق خود بخود حاصل ہو
 جاتے ہیں۔ یہ سب اعمال صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ نفسِ امارت و عین افعال نہیں
 اور نہ مطلوبِ شارع ہی ہیں۔ مومن آدمی کے لیے سب سے بڑی کامیابی و کامرانی
 یہ ہے کہ وہ نار سے بچ کر گلزار میں جا پہنچے۔

فَمَنْ يٰۤاٰخِرَةَ مِّنَ النَّارِ وَاُدْخِلَ
 الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَالِيَةُ
 الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْبِ
 پس جو شخص (جہنم کی) آگ سے مُدَّر رکھا گیا اور
 جنت میں داخل کیا گیا، پس وہ کامراں ہوا اور
 دنیوی زندگی تو صرف دھوکے کا سامان ہے۔

اود یہ مقصد شیخ کے بغیر بھی اکلِ حلال، صدقِ مقال اور اتباعِ سنت
 سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما میں مرفوعاً آیا ہے:
 مَنْ اَكَلَ كَلْبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّتِي
 جس نے کلب کھایا، سنت کے مطابق

وَأَمِنَ النَّاسُ بِوَأَيْمَانِهِ دَخَلَ الْجَنَّةَ
 فَقَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً قَالَ
 هَذَا الْيَوْمَ لَكُم مَعْرِفَةٌ فِي النَّاسِ قَالُوا
 وَسَيَكُونُ فِي قُرْبَيْنِ بَعْدِي -
 (رواه الترمذی)

مئل کیا اور لوگ اس کی شراعتوں سے محفوظ
 رہے تو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔
 ایک آدمی نے کہا یا رسول اللہ! یہ تو آجکل
 لوگوں میں بکثرت ہے۔ آپ نے فرمایا اور
 میرے بعد بھی کچھ صدیوں تک یہ چیزیں
 گی۔



باب دوم

میں یتیم ہو گیا تھا، خدائے پاک پر توکل کے علاوہ گھر میں اور کوئی ذریعہ معاش نہ تھا۔ حاجاتِ بشری کے باوجود کبھی کسی امیر فقیر سے طعام، لباس، نقدی یا کبھی اور چیز کا سوال نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمیشہ اس ذلت سے محفوظ رکھا، اسی طرح سفر و حضر میں میں نے کبھی کسی شخص سے کچھ قرض بھی نہیں لیا۔

غدرِ ہندوستان کے زمانہ میں جب میرا گھر فوج نے تالاج کر دیا۔ اور میں وہاں سے جان و آبرو کی حفاظت کے لیے قصبہ بلگرام میں جا کر رہنے لگا۔ تو چند ماہ تک صرف ایک وقت کی خشک روٹی پر قناعت کرتا رہا، امدادت تک ایک موٹے جامہ میں گزر بسر کرتا رہا۔ شام کو چٹنی روٹی ملتی۔ پھر اس کے بعد اللہ نے اس تکلیف کو دور فرما دیا۔ اس تکلیف کے باوجود میں نے کبھی لبِ سوال نہیں کھولا۔ اور نہ کسی سے پیسہ ہی طلب کیا۔ واللہ الحمد!

بلکہ بچپن سے اٹھارہ بیس برس کی عمر تک ضیقِ معیشت دامن گیر رہی۔ جب نوکری یا تھہ آگئی تو قدر سے کٹائش ہو گئی۔ مگر پھر بھی سامانِ معیشت کافی نہ تھا۔ کیونکہ والدہ، ہمیشہ گان، کنیز گان و خدام بلکہ بعض آثارِ باہر گراں بھی میرے سر پر تھا۔ اب جو وسعتِ رزق نظر آ رہی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حج کے بعد

عظا فرمائی۔ واللہ الحمد!

دینی اعتبار سے میں اس سابقہ حالت کو موجودہ حالت سے بہتر سمجھتا ہوں۔ اس لیے کہ دنیا جس قدر کم ہوگی، اتنا ہی حساب بھی روزِ حساب کم دینا پڑے گا۔ جس کا جمع خرچ زیادہ ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ تفتیش کی خطرناک حالت میں پھنسا رہتا ہے۔ اہل دین دنیا کو بقا و دین اور حفظِ شریعت کے لیے اختیار کرتے ہیں، فخر و مباہات اور اسبابِ فسق و فجور کے لیے نہیں۔ اس لیے بعض اہل علم حضرات پر دنیا کی وسعت کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح غنا (تو لگی) کے نقصانات بکثرت ہیں۔ اسی طرح اس کے فوائد بھی بکثرت ہیں۔ اگرچہ فی الجملہ فقر ہی کو غنا پر فضیلت ہے۔ حدیثِ سامہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

قَدِمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَةً
مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِينُ دَأْمًا مَصْحَبِ
الْجِدَّةِ مَحْبُوبُونَ ۝

میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوا تو
دیکھا کہ داخل ہونے والوں کی اکثریت
مساکین پر مشتمل ہے۔ اور اصحابِ ثروت
روکے ہوئے ہیں۔ یعنی قیامت کے دن
مالدار لوگوں کو روک دیا گیا ہوگا۔ اور مساکین

(متفق علیہ)

جنت میں جا چکے ہوں گے“

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً کہا ہے:

الدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَسَنْتُنَا
وَلَا إِذَا سَأَلَ الدُّنْيَا فَارَقَ السِّجْنَ
وَسَنْتُنَا ۝

دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور قحط سالی
ہے۔ جب دنیا کو چھوڑتا ہے، تو گویا
قید خانہ و قحط سالی کو چھوڑتا ہے۔

(شرح السنہ)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوست مبتلائے فقر رہتے ہیں۔ حدیثِ قتادہ

بن نفعان رضی میں مرفوعاً آیا ہے :

إِذَا أَحَبَّ اللَّهُ عَبْدًا أَحْمَاةَ الدُّنْيَا
كَمَا يَطْلُقُ أَحَدُكُمْ يَجُوعِي سَقِيمَةً
الْمَاءِ -
جب اللہ اپنے کسی بندے سے محبت
کرتا ہے تو دنیا سے اس کو اس طرت بچاتا
ہے جس طرح کہ تم میں سے کوئی اپنے بیمار
کو پانی سے بچاتا ہے۔
(احمد و الترمذی)

حضرت معاذ بن جبل رضی کو جب یمن کی طرف روانہ کیا تو فرمایا تھا :
رَبِّكَ وَالتَّنْعُوفَانِ عِبَادَةَ اللَّهِ
لَيْسُوا بِالْمُتَنَجِّمِينَ ؟
تازہ نعم سے اپنے آپ کو بچاؤ کیونکہ اللہ
کے بندے متنعّم نہیں ہوا کرتے۔
(احمد)

حضرت علی رضی کی مرفوع حدیث ہے :

مَنْ رَضِيَ مِنَ اللَّهِ بِالْيَسِيرِ رَضِيَ
اللَّهُ مِنْهُ بِالْقَلِيلِ مِنَ الْعَمَلِ -
جو اللہ کی طرف سے تھوڑی نعمت پر راضی ہو
گیا، اللہ اس کے تھوڑے عمل سے راضی
ہو جائے گا۔
☩
(بیہقی فی شعب الایمان)

حضرت ابن عباس رضی سے مرفوع حدیث ہے :

مَنْ جَاعَ أَوْ أَحْتَا جَرَفَكَ تَمَمَهُ
النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ
جَلَّ أَنْ يَرْتَمِيَ قَسْرُ رُزْقِ سَنَتِهِ مِنْ
حَلَالٍ ؟
جس آدمی کو بھوک یا کوئی احتیاج پیش آئی
اور اس نے اسے لوگوں سے چھپایا تو اللہ
کامی ہے کہ اسے ایک سال کا حلال رزق
عیانت فرمائے۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

علاوہ ازیں تجربہ سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ خاندانِ نبوت

کے افراد کو دنیا سے محفوظ رکھتا ہے۔ اگرچہ ان کے نفوس اس کا تقاضا ہی کرتے ہوں۔ اس لیے کہ آنحضرت میں ان کے لیے اجر عظیم اور نذر کبیر ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پھلان میں سے کسی کو اگر انفاقاً کچھ کٹائیں رزق نصیب ہو بھی جائے، تو وہ ان فاسق اصحاب ثروت جیسی نہیں ہوتی جو دین سے محروم ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے،

اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقِي اِلٰى مَكْتَبِيْ
اے اللہ! آلِ مُحَمَّدٍ کو بقدر کفایت رزق
کفائی دے

عیائیت فرما

چنانچہ اس دعا کے مطابق میری عمر کا ایک تہائی حصہ اسی حالت کفایت ہی میں گزرا۔ اس وقت ہمارا خاندان سات آٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ جب میں نے نکاح کیا، اولاد ہوئی، ازواج و اخوات کے مصارف کا بوجھ بھی سر پر پڑا تو اللہ تعالیٰ نے کسی کا منت کش نہیں ہونے دیا۔ بلکہ اپنے فضل و کرم سے مجھ پر رزق کا دروازہ کھول دیا۔ اس نعمت کا شکر میرے امکان سے باہر ہے۔

عاجزی و انکساری؛

اللہ تعالیٰ نے مجھے بچپن ہی سے متواضع اور خاکسار بنایا ہے۔ مخلوق خدا کے لیے میں طبعی طور پر شفقت، رحمت، رأفت اور رقت کے جذبات رکھتا ہوں حضرت جابر بن عبد اللہ رضی سے مرفوع روایت ہے:

لَا يَرْحَمُ اللَّهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ۔ جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا خدا اس پر رحم نہیں فرمائے گا۔ (متفق علیہ)

لے متفق علیہ

اور فرمایا کہ :

إِنَّ حَمْدًا مِّنْ فِي الْأَرْضِ يَدْحَمُّكُمْ
مَنْ فِي السَّمَاءِ - ۱۰
کہ مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر
اور مجھے یہ حدیث مسلسل پہنچی ہے۔ اور حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
میں فرمایا کہ :

إِنَّ اللَّهَ تَرَفَّقَ بِمِيعَتِ الرَّفِيقِ وَ
يُعْطِي عَلَى الرَّفِيقِ مَا لَا يُعْطَى عَلَى
الْعَنْتَبِ وَمَا لَا يُعْطَى عَلَى مَا سِوَاةَ -
اللہ تعالیٰ نرم ہے، نرمی کو پسند فرماتا ہے۔
نرمی پر اس چیز سے نوازتا ہے۔ جس سے
سختی یا کسی اور چیز پر نہیں نوازتا۔
(مسلم)

میں ہمیشہ سے اپنی فطرت میں ہتین، لیکن اور سہل قریب ہوں۔ جدوں غضب،
کبر و سقاہد حسد و حوس وغیرہ اخلاقِ ذمیرہ سے بالطبع متنفر رہتا ہوں۔ مجھے یاد
نہیں کہ میں نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے مارا ہو، یا کسی کو گالی دی ہو، یا کسی کو اس کے
منہ پر سخت سٹت کہا ہو، یا اعداء سے انتقام لینے کا قصد کیا ہو۔ بلکہ ہمیشہ اپنے لیے
تحمل و صبر و بے چارگی، خاموشی و عاجزی اور فروتنی کو پسند کیا ہے۔ اور دوسروں سے
بھی اخلاقِ حسنہ کا خواہش مند رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے غضب و غرور،
کبر باطن اور ظلم صریح سے بچایا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ مظلوم و مجبور
ہی پایا۔ واللہ الحمد!

مجھ پر اگر کوئی شخص غصہ یا ظلم کرتا ہے تو مجھے حضرت ابوہریرہ سے مروی
حدیث یاد آجاتی ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّهَا
الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ
بہادر بچھاڑ دینے والا نہیں ہے، بلکہ
بہادر تو وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْضُوْا عَلٰی سَعٰدٰتِکُمْ فِیْ سَاعٰتِهَا ذٰلِکُمْ لَکُمْ اَعْمٰلُکُمْ کَبِیْرًا ۗ (متفق علیہ)

نفس پر قابو رکھ سکتے۔

(متفق علیہ)

اسی طرح ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ مجھے کچھ وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا:

لَا تَقْضَبْ _____ عَصَیِّیْنِ بِاَیَّاکُمْ

اس نے بائیں ہاتھ سے گرفتار کیا۔ آپ نے ہاتھ سے فرماتے رہے۔ (رواہ البخاری)

حضرت شیخ سعدی نے بوستان میں لکھا ہے۔

زخاک آفریدت خداوند پاک!

پس اسے بندہ افتادگی کن چو خاک

موریں و جہاں سوز و سرکش مباش

زخاک آفریدنت آتش مباش

چو گردن کشید آتش ہولناک

بہ بیچارگی تن بنداخت خاک

چو ایں سر فرازی نمود آں کسی

ازیں ویلہ کردند وزاں آدمی

میں اپنے شہر کی جامع مسجد میں بچپن ہی سے امام و خطیب اور واعظ مکتفا

اور بیہ اجرت و خدمت کے بغیر صرف آبائی جاہ و عزت کے لیے تھا۔ جب طلبِ

رزق میں بھوپال آیا تو یہاں بھی گاہے گاہے بعض مساجد میں وعظ کیا کرتا تھا۔ لیکن

پھر زمانہ کی حالت دیکھ کر ترک کر دیا۔ لیکن حضر ہو یا سفر، وطن ہو یا غربت کبھی بھی

علم، نسب یا وعظ کو ضیافتِ طعام یا انجمنِ حطام و نذر کے لیے وسیلہ نہیں بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آلودگی سے مجھے ہمیشہ بچا کر رکھا، واللہ الحمد!

اسبابِ فسق سے روٹی کما کر کھانا اس سے بہتر ہے کہ آدمی دین کو حصولِ دنیا کے لیے جاں بناٹے یا علمِ دین کو تحصیلِ معاش یا سوال و قرض کے لیے وسیلہ ٹھہرائے۔ ایسے لوگ عام طور پر علمِ دین کی برکات سے دنیا و آخرت میں محروم ہوتے ہیں۔

استعانت باللہ

جب بھی کوئی فکر، خوف، حزن یا اندوہ دامن گیر ہوا تو میں نے کسی شخص کے سامنے اس کا اظہار نہیں کیا اور نہ کبھی کسی سے امداد یا اعانت طلب کی بلکہ اپنے ہی جی میں اللہ تعالیٰ کے سامنے دعا و تضرع کی اور توبہ و استغفار بجا لایا اور اپنے کام کو اس کے علم و ارادہ پر چھوڑ دیا۔ اور اس سے ہمیشہ خیر و نجات کی توقع رکھی ہے۔

کارِ خود را بسخدا باز گزار

کت نمی بینم ازین بہتر کار

اس طرح اللہ تعالیٰ نے میری ہر مشکل آسان کر دی اور مجھے ہر خوف و دہشت سے بچا لیا اور مجھے کسی کا منت کش نہ ہونا پڑا۔ علامہ شعرانی نے لکھا ہے:

مخلوق کے ذریعے حاجات پوری کرانے کا ایک آسان ترین راستہ یہ ہے کہ انہیں ایسے شخص کے سامنے پیش کر دیا جائے جس کی نگاہیں صرف دنیا پر لگی ہوئی ہیں خواہ وہ کوئی عام شخص ہو یا حاکم و ذیو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ لوگ

مِنْ أَعْوَانِ شَيْءٍ وَعَلَى قَضَاءِ الْحَوَائِجِ
مِنْ كَلْبِيقِ الْخَلْقِ أَنْزَالُ الْعَاجِبَةِ
بَيْنَ بَعْرَتِهِ مَقْصُورٌ عَلَى الدُّنْيَا
مِنَ الْعِبَادِ وَالْأَمْزَارِ وَغَيْرِهِمْ
رَبُّكَ مَعْجُوبٌ عَنِ أَسْوَالِ

آحوال الاخرة۔
آخوت کے احوال سے بالکل حجاب میں ہوتے ہیں۔

ابن باطن کا تجربہ ہے کہ جو شخص مخلوق کے مطلع ہونے سے قبل اپنی مصیبت کا اظہار اپنے خالق کے سامنے کرتا ہے۔ وہ بلا جلد دُور ہو جاتی ہے۔ مجھے بھی اس کا تجربہ ہوا ہے۔ حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللَّهَ فَإِذَا
سَأَلْتَهُ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ۔
جب سوال کرو تو اللہ سے اور جب مدد مانگو
تو اللہ سے!“
(احمد و ترمذی)

ادب ہی معنی ہیں اس آیت شریفہ کے:
إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ كَسْتَعِينُ
ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے
مدد چاہتے ہیں۔

عام لوگوں کا دستور یہ ہے کہ کسی ضرورت یا مصیبت کے وقت ہر حشیش و خیس
اور نفیس سے ملتی ہوتے ہیں۔ خواہ دین و دنیا کی آبر و سلامت رہے یا دست برد
والت ہو جائے۔ لیکن مجھ پر جب کبھی غم عالم اور فکرت کا ہجوم ہوتا ہے تو اپنے
آپ کو سب تدا بیر میں عاجز پا کر، اللہ ہی سے فریاد رسی کرتا ہوں۔ نہ کسی سے زیادہ
اظہار شکوہ و شکایت کرتا ہوں ورنہ کسی سے حفاظت و حمایت چاہتا ہوں۔ بلکہ اپنی
تقدیر پر رضامند رہتا ہوں۔ یعنی حتی الامکان اللہ رضاً بالقضاء ہم جیسے کم ہتوں
کا کام نہیں۔ یہ مقام تو صدیقین کا ہے لیکن بحکم ہی

بر من منکر بر کر کم خویش نگر

اللہ تعالیٰ مجھ سے نالائق عاصی عاجز و ذلیل نہیں کرتا۔ ہر بلا و ابتلا سے

محفوظ فرمادیتا ہے۔ ولہذا الحمد والمنة۔

فقر و غنا :

اگرچہ میں فقر سے ڈرتا ہوں خصوصاً اس اعتبار سے کہ فقر اکثر نوالِ دین کا موجب اور یالیقین باعثِ سوال و ذلت ہوتا ہے۔ لیکن میرے دل میں دنیا کی محبت اتنی نہیں جتنی کہ اپنی دنیا کو ہوتی ہے۔ بچپن سے آج تک کبھی کسی لذیذ طعام، نفیس لباس یا عمدہ سواری وغیرہ کا شوق نہیں ہوا۔ جو ملا وہ کھا لیا، جو ہاتھ آیا وہ پہن لیا۔ ولہذا الحمد!

کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ یا طنی اعتبار سے دنیا سمومِ فائدہ، اباطینِ مفیدہ، خدایحِ کثیر، مصائد و مکائدِ بسیار پر مشتمل ہے اور لوگ اس کی وجہ سے ایک دوسرے سے بغض رکھتے ہیں، حسد کرتے ہیں، دشمنی، قطعِ تعلقی اور انقباض کرتے ہیں۔ دنیا کی خاطر خواہ مقدار کمزور اور فریب و دروغ کے بغیر ہاتھ نہیں آتی، اور یہ سب امور دین کی جڑ کاٹ دیتے ہیں۔ اس لیے مفذر پر شا کر اور مقدار میسر پر تافع رہنا خیر و برکت کی علامت ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا فِيْ الْاَمْوَالِ
وَالْاَنْفُسِ الْاَسْوَءِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۰

ہاں اسراف و تنذیر کو بہت بُرا جانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے منبرین کو قرآن پاک میں انھوں نے اشیاءِ طین فرمایا ہے اور اسراف سے منع فرمایا ہے، مینا نہ روی کا حکم دیا ہے۔ ہر شخص اس قاعدہ کا خیال نہیں رکھتا، وہ دنیا و آخرت میں نقصان اٹھاتا ہے۔ جاس لوگ اسراف کو جو دوسرا سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی اور شریعت سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ جب کسی کی قسمت میں رزق کی فراوانی ہو تو غیب سے

اس کے سامان جمع ہو جاتے ہیں۔ انسان کتنا ہی کیوں نہ بھاگے، وہ دولت اسے مل کر رہتی ہے۔ اور اگر تقدیر میں تلکی عیش ہو تو خواہ آسمان وزمین کے سارے جتنے ملا ڈالے، ایک درہم ہاتھ نہیں آتا۔ انسان کو چاہیے کہ اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلائے، اور سنن صحیح کے بموجب ہمیشہ اول غسل بعدہ درویش اپنا نصب العین بناٹے رکھے۔

ابے حکم شرع آب خوردن خطاست!

وگرخون بفتویٰ بریزی رواست

میں اگر صاحب اہل و عیال نہ ہوتا، یا میرے اہل و عیال تدبیر منزل اور تحصیل رزق میں میرے محتاج نہ ہوتے تو میں اپنے آپ کو بالکل زاہد و قانع پاتا ہوں۔ تاہم حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث مرفوع خاطر شکستہ کے لیے باعث تسلی ہے۔

دنیا میں زہد احوال کو حرام قرار دینا یا مال کو ضائع کرنا نہیں ہے بلکہ دنیا میں زہد تو یہ ہے کہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھوں میں ہے اس چیز کی بہ نسبت جو خدا کے ہاتھ میں ہے، زیادہ اعتماد نہ کرو۔

”الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا كَيْسَتْ بِتَحْرِيمِ
الْحَلَالِ وَلَا رِضَا عَنِ الْمَالِ وَالْكَيْفِ
الزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا أَنْ لَا تَكُونَ
بِمَا فِي يَدَيْكَ أَوْ تَقِي بِمَا فِي يَدَيْ
اللَّهِ“ الحدیث۔

(الترمذی وابن ماجہ)

حضرت صہیب سے روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا:

مومن کا معاملہ تعجب انگیز ہے کہ اس کے تمام امور اس کے حق میں بہتر ہیں۔ اور یہ صرف مومن ہی کی امتیازی شان ہے۔ اگر اسے

عَجَبًا لَا يُدْرِي الْمُؤْمِنُ أَنَّ أَمْرًا
مَكْلَهُ لَمْ يَخْتِمْ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ
إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سُرَابٌ

شَكَرًا فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ
صَمْرًا أَوْ صَبْرًا فَكَانَ خَيْرًا لَهُ :
سنت نصیب ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس
کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف
پہنچے تو صبر کا مظاہرہ کرتا ہے اور یہ بھی
اس کے لیے بہتر ہے۔ (مسلم)

مجھ پر یہ دونوں حالتیں گزر چکی ہیں۔ پہلی حالت ”صراہ“ کی معنی اب ”سٹراو“ کی
ہے۔ الحمد للہ کہ پہلی حالت میں شاکہ نہیں بلکہ صابر تھا۔ اب جاہد (منکرہ ناشکرہ)
نہیں بگڑتا ہوں۔

کسبِ معاش :

جب میں معاش کی تلاش میں گھر سے نکل کر بھوپال آیا تو بالکل بے وسیلہ تھا
میں نے ملازمت کے ارادہ کے اظہار کے لیے مدارالمہام کو ایک رقعہ لکھا تھا اور
پھر کرایہ کے مکان میں مقیم ہو گیا۔ مدارالمہام نے رئیسہ مرحومہ سے میری سفارش کی تو
انہوں نے مجھے اپنے محکمہ آستانہ خاص میں ملازم رکھ لیا، امید داری اور دوبار
داری کے لیے کچھ زیادہ کش کش کا سامنا نہ کرنا پڑا۔

۳۳ رجب ۱۲۷۱ھ کو جہاں آیا تھا اور اسی سال رمضان المبارک میں ملازم
ہو گیا۔ اور ۱۲۷۲ھ کے آخر تک ملازم رہا۔ پھر ۱۳۷۲ھ کو بعض اشخاص کی
کوششوں سے برطرف ہو کر وطن روانہ ہو گیا۔ اور اسی آٹا میں ۱۷ شوال کو کانپور وغیرہ
میں خدر افواج ہو گیا تھا۔ میں اپنے عریب خانہ میں جا کر گوشہ نشین ہو گیا۔ اور زینتہ ۱۲۷۳ھ
کو مرنہ چھوڑ گیا تھا۔ وہاں سے رئیسہ مرحومہ کے طلب کرنے پر ۳۲ محرم ۱۲۷۳ھ کو روانہ
ہو کر ۲۳ صفر کو عین موسم برداشت میں آیا۔ اس مرتبہ کسی کی وساطت سے طوفاقت
تیسرہ آن سکی۔ ۱۹ ربیع الاول کو ٹونک کی طرف روانہ ہو گیا۔ ۱۱ ربیع الآخر کو وہاں

پہنچا۔ رئیس ٹونگ وزیر الدولہ مرحوم نے والد مرحوم کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے نہایت اصرار کے ساتھ مجھے اپنے ہاں ملازم رکھ لیا۔ وہاں مجھے آٹھ ماہ تک قیام کا اتفاق رہا۔ اس عرصہ میں پھر رئیس بھوپال نے مجھے طلب فرمایا۔ ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۵۵ء کو چل کر باوجود محرم ۱۳۵۶ء کو طرد بھوپال ہوا۔ اور اسی سال صفر میں پھر ملازم ہو گیا اور نواب سکندر بیگم رئیسہ مرحومہ کی وفات تک نہایت عزت و حرمت کے ساتھ ملازم رہا۔ اپنے زمانہ ملازمت میں گھر اور مکان کبھی ہی سے واسطہ رکھا۔ اور اخوان و اہل کاران ریاست میں سے کسی شخص سے کوئی رابطہ نہ رکھا۔ بندہ جب اپنے رب پر صبح توکل کرتا ہے۔ تو وہ غیب سے جمعیت کے اسباب مہیا کر دیتا ہے۔ اور اپنے بندے کو خوار و زار نہیں کرتا۔ اور نہ در بدر کی ٹھوکریں کھانے دیتا ہے۔ حدیث ابن مسعودؓ میں ارشاد ہے:

إِنَّ رُوحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوعِي	روح القدس نے میرے دل میں اس بات
أَنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوتَ حَتَّىٰ تَسْأَلَ	کہ وہ اللہ ہے کہ کوئی شخص اپنا رزق کُل طور پر
رَبَّهُ قَلْبًا أَلَا فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَجْمِلُوا	حاصل کئے بغیر فوت نہیں ہوگا۔ پس
فِي الطَّلَبِ وَلَا يَجْمِلَنَّكُمْ اسْتِظَاءُ	اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور احسن انداز میں
الرِّزْقِ أَنْ تَطْلُبُوهُ بِعَاصِي اللَّهِ	رزق طلب کرو، رزق کی تاخیر تمہیں اس
كَأَنَّكُمْ لَا يَدْرَأُكُمْ مَا عِنْدَ اللَّهِ إِلَّا	بات پر آمادہ نہ کرو سے کہ تم اللہ کی
بِطَاعَتِهِ ۝	نافرمانی کی راہوں سے رزق طلب کرنے

(شرح السنہ)

ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے؟

الحمد للہ! میں نے کبھی رزق کو معصیت کے وسیلہ سے طلب نہیں کیا۔ اور نہ معاش و اموال کی تحصیل کے لیے کوئی لمبی چوڑی دوڑ دھوپ ہی کی بلکہ

بلکہ طلبِ رزق میں ہمیشہ "اجال" ہی کو اپنے لیے پسند کیا ہے۔ شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھ پر رزق کی بارش کر دی ہے۔

(یعنی لی عن برکتک۔ تیری برکت سے میں بے پروا نہیں ہو سکتا۔

میں نے بھوپال کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ ایک محمدی نامی نواڑ باف جو کہ عطاری کا پیشہ کرتا تھا اور والد مرحوم کا مرید تھا۔ وہ میرے اس طرف کے سفر کا محرک ہوا، وہی میرے ہمراہ آیا۔ چونکہ میرا رزق اسی جگہ مقدر تھا۔ لہذا اسی جگہ قیام ہو گیا حدیثِ ابو درداء میں مرفوعاً آیا ہے:

إِنَّ الرِّزْقَ كَيْطَلِبُ الْعَبْدَ كَمَا يَطْلِبُهُ آجَلُهُ۔
رزق بندے کو ایسے ہی تلاش کرتا ہے جیسے موت۔

(رواہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

ملازمت کے پندرہ سال؛

میں نے اس ریاست میں رمضان ۱۲۷۱ھ سے لے کر ۱۳۸۵ھ کے اواخر تک کئی پندرہ سال ریٹیرے مرحوم کی ملازمت کی۔ اگرچہ وہ مرحوم نہایت تیز مزاج و درشت خُو، بے مروت اور سخت گوشتیں۔ لیکن انہوں نے مجھ پر کبھی کوئی سختی، درشتی یا جُرمانہ وغیرہ نہیں کیا۔ میں بھی اوقاتِ حاضری اور خدمت کی بجائے آدھی کی نہایت پابندی کیا کرتا تھا۔ اور ان کے حصّہ سے خائف رہتا تھا۔ پہلے انہوں نے مجھے آستانہ خاص کا منشی مقرر کیا تھا۔ پھر ماہ بعد قائم مقام میر منشی ریاست کر دیا، پھر مجھ سے بھوپال کی تاریخ نگاری اور پھر قانونِ ریاست کی ترتیب کا کام لیتی رہیں۔ تعظیم کے لیے سرد بادِ سرد قد کھڑی ہو جایا کرتی تھیں۔ اور ملاقات کے وقت سلام کی ابتدا خود کیا کرتی تھیں۔ جس زمانہ میں قنوج سے ہو کر

واپس آئیں اور اس اثنا میں انہیں میرے خاندان کے حالات، مراتب اور احترام و اعزاز سے کچھ واقفیت حاصل ہوئی تو انہوں نے مراتب میں بہت کچھ اضافہ فرمادیا۔ سفرِ آگرہ کے وقت جب ان کا گزر قنوج سے ہوا تو بندہ نے انہیں ضیافت قبول فرمانے کی زحمت دی، طعام تو انہوں نے قیام گاہ پر طلب کر کے تناول فرمایا، اللبتہ میرے گھر آکر والدہ محترمہ اور ہمیشہ گان کی خدمت میں درہم و دربار پیش فرمائے، اور وفات تک کمال عزت و محبت سے پیش آتی رہیں۔

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

میں اس شہر میں پونہ تیس برس سے سکونت پذیر ہوں۔ جب تک اس ظاہری اوج و موج پر فائز نہ تھا۔ جسے اکالین بطلین دنیوی عروج سمجھتے ہیں۔ لیکن میں اسے دینی زوال سے تعبیر کرتا ہوں۔ اکثر لوگ میرے ساتھ کوئی حسد یا دشمنی نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے کہ انہیں کوئی امتیازی وصف مجھ میں نظر نہ آتا تھا۔ لیکن اب جب کہ اٹھارہ سال سے مجھے اپنے اقران و امثال پر ایک طرح کی فضیلت حاصل ہے۔ اندرونی طور پر بازارِ حسد گرم ہو گیا ہے، چونکہ حاسدوں کی سب سرگرمیاں خفیہ تھیں۔ اس لیے مجھے ان کے حسد و بغض سے لاعلمی رہی۔ کیونکہ میں کسی شخص کا حق تلف کر کے اس کو تہ و منصب پر نہ پہنچا تھا۔ اور نہ میری گزران کسی کے ساتھ حسد و عداوت یا نفرت پر مبنی تھی۔ اس لیے میں کسی کی طرف سے دشمنی کا خیال تک نہ کر سکتا تھا۔ میں تو ہمیشہ سے بے پروا، خافل مزاج تھا، غفلت میں رہا، اور سب کے ساتھ مدارات و مواصلات کرتا رہا۔ اور یہ لوگ فہر پر وہ میری خرابی کے لیے تدابیر کرتے رہے۔ اکثر لوگ دین و دنیا کے بارے میں مجھ پر حاسد تھے۔ لیکن جب انہیں دست اندازی کا کوئی موقع ہاتھ نہ آیا۔ بجز خفیہ سوچوں کے تو انہوں نے کبھی زہر دینے کی کوشش کی۔

کبھی مجھے غفلت میں قتل کر دینے کی سازش کی، کبھی جادو گردوں اور اہل عزائم سے استفادہ کی۔ لیکن ان کا کوئی حیلہ کارگر ثابت نہ ہوا، اللہ نے مجھے ہر بلا سے محفوظ رکھا، جب ان کی سب ندادیں ناکام ہو گئیں۔ اور انہیں قطعاً کامیابی نہ ہوئی تو انہوں نے تہمت مذہبی اور بد نظمی ملک کا ہنگامہ برپا کر کے مجھے علیحدہ کرنے اور خود رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی۔ اور سب لوگوں نے منتفق ہو کر جھوٹی تجزیہ سے کام لیا۔ چنانچہ میں بجز اللہ جملہ کاروبار ریاست سے بالکل جدا ہو گیا۔ لیکن پھر بھی ان کا مدعا ان کے ہاتھ نہ آیا۔ جب اس امر میں بھی انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے میرے اندرون خانہ کے امور کے بارے میں اتر پردیش اور اہل طوفان ہاندھنے شروع کر دیئے۔ لیکن انہیں ثابت کرنے سے عاجز و قاصر رہے۔ انہوں نے ملک کے قریب قریب اور شہر شہر میں پولیس کے اخبارات کے ذریعے ان ابا طیل اور خرافات کی اشاعت کی پوری پوری کوشش کی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی بدعتی کاثرہ یہ دیا کہ ان ہزار ہا کوششوں کے باوجود وہ اپنا مدعا حاصل نہ کر سکے۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں ان لوگوں کے مخفی ارادوں پر ابھی طرح مطلع ہو گیا۔ جن لوگوں کی میرے پاس آدھرت تھی۔ ان کو تو میں بخوبی پہچانتا تھا، اور ان کی ریا کاری اور کینگی سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس کے باوصف دیدہ و دانستہ ان کے مقالات، فریب دہی اور بازیگری کو قبول کر لیا کرتا تھا۔ اور غالباً وہ مجھے غافل سمجھتے ہوں گے۔ لیکن میں اپنی سرشت سے مجبور تھا۔ مجھے بد خلعی کی عادت ہے نہ در شام طرازی و سخت گیری کی۔ میں عمداً اہل عداوت سے باخلاق تمام پیش آتا ہوں۔ یہ بات نہیں کہ میں سادہ لوح اور مردم شناسی کی صلاحیت سے عاری ہوں۔ بلکہ بمقتضائے وقت تجاہل عارفانہ سے کام لیتا ہوں۔ اگر اتفاقاً کسی سے دھوکا کھا لیا ہو تو بھی کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ ہر شخص کے متعلق صحیح

قیافہ اور اندازہ لگانا مشکل ہے۔ خصوصاً جس شخص سے کوئی زیادہ کام نہ پڑتا ہو، محض دوسری صاحب سلامت ہو، اس سے ہر شخص خواہ کیسا ہی عاقبِ کامل کیوں نہ ہو ضرور دامِ غفلت میں پھنس جاتا ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے :

اَلْمُؤْمِنُ غَدُّ كَرِيْمٌ وَ السَّافِقُ خَبِيْثٌ مومن فریب کھا جانے والا معزز ہے، کَرِيْمٌ اور منافق فریب کار کمینہ ہے۔

بندۂ مومن کو بڑا دھوکا اس شخص سے ہوتا ہے جو علم یا دینداری کا لہادہ اوڑھ کر دھوکا دیتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سعادتِ مہم میں منافقین بے حساب تھے۔ قرآن مجید دیکھو نفاق و اہل نفاق کا کس کثرت سے ذکر ہے۔ پھر ہم اس درد پر شور کا کیا شکوہ کریں؟ اب تو ایک شخص بھی تو لا یا عملاً قلتاً یا کثرة نفاق سے خالی نظر نہیں آتا۔

مزہ در جہاں نمی بینم!

دہر گوئی دہانِ بیمار ست!

عداوت کا جوش و خروش جیسے دوسروں کا میرے ساتھ ہے۔ میرا کسی کے ساتھ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی، تو میں مدت سے لقمہ اجل ہو چکا ہوتا۔ لیکن مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَسُوْكَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُّوَجَّهًا لِّهٖ

ابتلا کے بعد:

ہر چند کہ اس زلزلہ عظیم میں جان و مال ادا آبرو کے اعتبار سے متواتر صدمات پہنچے مگر ایمان تزلزل سے محفوظ رہا۔ بڑا بلوہ کتبِ دین کی تالیف کے سلسلہ میں تھا۔ بحمد اللہ اسی سابقہ حالت کے مطابق بلکہ اس سے بھی

بڑھ کر اس شغل میں مشغول ہوں کیونکہ جب میں کام کرتا تھا۔ اس وقت ایک ٹمٹ با اس سے بھی زیادہ وقت اشغالِ دنیا میں صرف ہوتا تھا۔ اب جب سے فارغ ہوں، اللہ تعالیٰ نے ضائع ہونے والے اوقات کا نعم البدل عطا فرمایا ہے اور

” وَتَبَسَّلْ لِكَيْسَ كَبَيْتِكَ ۝ “ کا معنوں سمجھا دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے داعی ہوں کہ میری عمر کے آخر کو عمر کا بہترین حصہ کر دے اور حفظِ ایمان کے ساتھ اس جہان ناپائیدار سے دارالقرار کی طرف لے جائے۔

ایماں چو سلامت بلب گور بریم !

احسن بریں چستی و چالاکی ما !

بیوقوف لوگ خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں ان عوارض کی وجہ سے ایک طرح کی خفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن یہ بات نہیں کیونکہ میں نے خانہ نشینی و گوشہ گزینی کے سوا ایک فلم سب سے راہ و رسمِ حیات و مہمت ترک کر دی ہے اور اس حادثہ میں اللہ کے سوا مجھے کسی سے توقع نہیں اور نہ ہی کسی سے التجا و دستگیری ظاہر کی، پھر خفت کیسی؟ ورنہ بڑے بڑے عالمی حوصلہ ایسے وقت میں ہر خیس و حشیش سے تعلق استوار کرنے لگتے ہیں۔ اور متزلزل ہو کر غیر اللہ سے استعانت و استمداد کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سوال، التجا اور استمداد وغیرہ کی ذلت سے بالکل محفوظ رکھا ہے۔ یہاں تک کہ اب وہی لوگ پھر منافقانہ طور پر میری طرف التجا لاتے ہیں۔ اور جب میں انہیں اپنے پاس آنے نہیں دیتا کیوں کہ:

لَا يُلَدُّهُمُ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ جُحُودٍ وَاحِدٍ
مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ٹوسا
جاتا۔

تو ادنیٰ سے ادنیٰ شاگرد یا خادم کی خوشامد در آمد کر کے مجھ تک اپنی منفعت کے لیے پیغام و سلام خیر سگالی و بھی خواہی بھیجتے ہیں۔ اور میں ان کی آواز پر

کان نہیں رکھتا۔ اس کے باوجود وہ میرے سامنے آنے سے اپنی ذلت و رسوائی محسوس نہیں کرتے، اس لیے کہ وہ نہیں جانتے کہ:

”فرباد شغال و بال شغال ست“

اور اگر خدا نخواستہ کام سے علیحدگی اور خطاب کا اختراع، جو محض ایک امرِ اضافی تھا نہ کہ وصفِ ذاتی اور نہ باعثِ فخر، ان بندگانِ نیکم اور خدامِ دینار و درہم کے نزدیک میرے لیے باعثِ ذلت ہے تو اس کے جواب میں صرف کسی عالمِ عاقل کا یہ فقرہ کافی سمجھتا ہوں گی

ذَلِيلُ الدُّنْيَا خَيْرٌ مِنْ ذَلِيلِ الْآخِرَةِ !

اور

گر کارِ تو نیک ست بندِ بیرِ تو نیست!

در نیز بدست ہم ز تقصیرِ تو نیست!

تسلیم و رضا پیشہ کن و شاد بزمی!

چوں نیک و بد جہان بتقدیرِ تو نیست!

ہمارے اسلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ ائمہ اہل بیت، ائمہ اربعہ مجتہدین

اور اولیاء و اکابرین دین کی ایک جماعت پر کیا کچھ آفات و مذلات نہیں آئے۔

کوئی قتل ہوا کسی کو زہر ہلا ہل پلا یا گیا۔ کوئی مجلسِ دوام میں مر گیا، کسی کو شہر سے نکالا

گیا۔ کسی کا چہرہ بدن سے جدا کر دیا گیا۔ کسی کو دار پر کھینچا گیا۔ کسی کو کسی فریب سے

مارا اور کسی کو صریح ظلم سے قتل کیا گیا ہے

لے آہ ایچ ہے کس روز تمہیں نہ تراشا کئے عدو!

کس دن ہمارے سر پر نہ لگے چلا کئے

پھر ہماری کیا ہستی ہے کہ ہم شغلِ منحوس کے فراق اور لفظِ مختصر کے سقوط کو کوئی آفت و بلا سمجھیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان بہت زیادہ ہے کہ ہم تو آتش کے لائق تھے۔ لیکن اس نے ہم سے راکھ پر صلح کر لی اور سچ پوچھو تو یہ خفتِ آفت ہمارے ضعفِ ایمان اور قلبِ ایقان کی وجہ سے ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہمارا مرتبہ بلند ہوتا تو کبھی اس حالتِ کڈائی کو ہمارے لیے کافی نہ سمجھا جاتا۔ حدیث شریف میں بھی آیا ہے کہ:

”مومن دین میں مضبوطی اور کمزوری کے مطابق آزمایا جاتا ہے، اگر مضبوط

ہو تو آزمائش شدید اور کمزور ہو تو آزمائش خفیف ہوتی ہے۔“

یہ تو اللہ کا شکر۔ بجالانے کا مقام ہے کہ اس نے اس کثرتِ معاصی کے باوجود مجھے کوئی سخت سزا نہیں دی۔ یہ عومِ ذنوب کے باوصف پروردہ پریشی کی اور ہمیں عداوتِ نافرجام کے طعن و ملامت کے تیروں کا ہدف نہ بنایا بلکہ اس خبیث بیٹھس کے ساتھ اس عزت و آبرو سے اب تک اپنے نخلِ حمایت میں امن و امان کے ساتھ چھوڑ رکھا ہے۔ وللہ الحمد!

علاماتِ عالمِ ربّانی :

انامتِ بھوپال کے زمانہ میں میں نے کتبِ صحاح و سنن پر کافی عبور حاصل کر لیا تھا۔ اور زبرد کثیر صرف کرنے کے بعد فقہِ سنت اور تفسیر کی بہت سی کتابیں سجا، مین بصرہ اور دیگر ممالک سے منگوا کر جمع کر لی تھیں۔ اسی جگہ مولوی عبدالقیوم فرزند مولوی عبدالحی مرحوم سے بھی ملاقات ہوئی، ان کے باپ اور میرے باپ ایک ہی شیخ یعنی سید احمد بریلوی رحمہ اللہ کے مرید تھے۔ انہی کے والد مرحوم مولوی عبدالحی صاحب سب سے پہلے ہندوستان میں علامہ شوکانیؒ کا رسالہ ”الدر البہیہ مع

فوائد مجموعہ، سفر حج سے لائے تھے۔ اور انہوں نے امام شوکانی رحمہ اللہ سے بذریعہ تحریر علوم شرعیہ کی سند اور اجازتِ روایت بھی حاصل کی تھی۔ یہ بات مولوی عبداللہ خاں علویؒ شاگرد مولانا محمد اسماعیل شہید دہلویؒ اور استاد مولوی امام بخش صہبائی نے اپنے رسالہ ”المنہج السیدنی رد التقلید“ میں چشم دید لکھی ہے۔ میرے والد مرحوم نے مولوی عبدالحی مرحوم کے نسخہ سے مدد رہیہ، کو نقل فرمایا تھا وللہ الحمد!

مولوی عبدالقیومؒ، مولوی اسحاق مہاجر مکہ مغنمہ کے داماد تھے۔ کتبِ حدیث اور ترجمہ موضع القرآن وغیرہ پڑھتے پڑھاتے رہے۔ اور اپنے بزرگوں کے طریقہ پر قائم رہے۔ ۱۲۹۹ھ میں ان کا وطن جا کر انتقال ہو گیا تھا (رحمہ اللہ تعالیٰ) میں نے انہیں حوالب میں دیکھا تو انجامِ حال کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے مجھ سے کہا:

”ولیساً حال نہیں دیکھا جیسا ہم سنتے تھے“

میں سلوکِ بسیلِ علم میں اپنے باپ، ان کے مشائخ اور اپنے شیوخِ علم کے طریقہ پر چل رہا ہوں۔ قولِ جیل ”میں عالمِ ربانی کے منجملہ آداب و علامات میں سے یہ بھی لکھا ہے کہ علمِ تفسیر، حدیث، فقہِ سنت و سلوک یعنی تصوفِ سنی، عقائد اور صرف و نحو کا درس دے اور کلام و اصول اور منطق وغیرہ میں مشغول نہ ہو۔ مولانا عبدالعزیز دہلویؒ نے فرمایا ہے کہ اس جگہ اصول کا کلام پر عطف تفسیری ہے۔ اس لیے کہ کلام کو اصول بھی کہتے ہیں۔ یہاں اصولی فقہ یا اصولِ حدیث مراد نہیں۔ دوسری علامت یہ ہے کہ تلقینِ اشغال کرے، ایک وقت بیٹھ کر لوگوں پر توجہ دے، القا سکینہ کرے کیونکہ اتمامِ حجتِ الہی استطاعتِ ممکنہ و میسرہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ میسرہ میں صحبت رکھنا اور اشغال پر تولاً و فعلاً و تصرناً بالقلب

اُبھارنا داخل ہے۔

تبیسری علامت یہ ہے کہ وعظ و نصیحت سے ان کی خبر گیری کیا کرے۔
پونہنی علامت یہ ہے کہ آداب و منور نماز وغیرہ کے متعلق امر و نہی کرے اور
پانچویں علامت یہ ہے کہ نژاد اور طلبہ علم کی بقدر امکان مواسات و
غنجواری کرے۔ اگر اپنے مقدور میں نہ ہو تو کم از کم دوسروں کی اس طرف
ضرورتاً توجہ مبذول کرائے۔

ایسا شخص ہی وارثِ انبیاء ہوتا ہے۔ اسی کو ملکوت میں عظیم کتے ہیں، اسی کے
لئے مچھلیاں پانی میں دُعا کرتی ہیں۔ فَلا زِمَّةٌ فَلَآ يَفْرَتُكَ قَلْبَتُ الْكَبْرِتِ
الْاَحْمَدِ۔

جو شخص ان امور میں سے کسی میں کسی قسم کی کوتاہی کرے گا۔ اس کے اندر گویا
ایک طرح کا رخنہ ہو گا جب تک کہ وہ اس کو بند نہ کر دے۔ الحمد للہ تعالیٰ کہ میرے
سب مشائخ علم دین اسی طریقہ پر گزرے ہیں۔ مجھ سے اگرچہ ان جملہ امور کا امتثال
بخوبی نہیں ہوا۔ اور نہ ہو رہا ہے۔ لیکن حتی المقدور ان علامات کی مراعات ضرور
پیش نظر رہتی ہے۔

أَحِبُّ الصَّالِحِينَ وَكَسْتُ مِنْهُمْ
لَعَلَّ اللَّهُ يَدْرُقَنِي صَلَاحًا

شادی خانہ آبادی؛

میں نے سنتِ نکاح بھوپال ہی میں ادا کی۔ ملازم المہام مرحوم کو موحد، خوش
عقیدہ، شاگرد مولانا محمد اسحاق صاحب اور معتقدہ خاندان شاہ ولی اللہ محمد شاہ
دہلوی پایا تو ان کی بیوہ دختر کلاں سے نکاح کر لیا اور یہ نکاح رسم و راہِ بدعت

اور کسی قسم کے ارتکاب منکرات کے بغیر بالکل سنتِ صحیحہ کے موافق انجام پایا تھا۔ انہوں نے مہر مثل پانچ ہزار روپیہ مقرر کرنے کا مطالبہ کیا تھا مگر میں نے یہ عند کیا کہ میں کم مشاہرہ کا ملازم ہوں، لہذا اپنی استطاعت کے مطابق مہر مقرر کروں گا۔ چنانچہ پھر مہر فاطمی پر اقتصار کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نکاح میں نمایاں برکت بخشی اور اولادِ صالح عطا کی۔

یہ نکاح ہریاست کے اہالی و موالی اور عالی و ادانی کی موجودگی میں ۲۵ شعبان ۱۲۷۷ھ کو منعقد ہوا تھا۔ مولانا عبدالقبوم مرحوم نے مسجد ماجن میں خطبہ نکاح پڑھا تھا۔ مدارالمہام مرحوم نے نکاح ایاطی کے فضائل بیان فرمائے اور خود مشکفین نکاح ہوئے، اس بیوی نے اپنے والد ماجد کے ہمراہ حج بھی ادا کیا ہوا تھا، ان کے بطن سے دو لہر اور دو دختر متولد ہوئے، جن کے نام نور الحسن، علی حسن، صفیہ، اور حفصہ ہیں۔ دخترِ خود کا ایامِ رضاعت میں انتقال ہو گیا تھا۔ باقی تین فرزند بقیہ حیات ہیں۔ عافا ہم اللہ تعالیٰ۔

نور الحسن کی ولادت بروز چہار شنبہ ۲۱ رجب ۱۲۷۸ھ کو صبح صادق کے وقت ہوئی، صفیہ کی ولادت ۲۷ ربیع الاول ۱۲۸۱ھ کو نصف شب کے وقت ہوئی، علی حسن کی ولادت ۲ ربیع الآخر ۱۲۸۳ھ بروز دو شنبہ نصف شب کے وقت ہوئی، اور حفصہ ۲۴ رذی الحجہ ۱۲۸۴ھ کو جمعہ کے دن بعد از نمازِ جمعہ پیدا ہوئی۔ یہ لڑکی نہایت حسین و جمیل تھی۔ ۲۸ دن زندہ رہ کر ۲۱ محرم بروز چار شنبہ بوقتِ عصر جواریہ رحمتِ الہی میں چلی گئی۔ غفر اللہ لہا۔

گر نہ تفضا بود کہ باہم رویم

میرسد آں وقت کہ ماہم رویم

جس دن سے علی حسن کی ولادت ہوئی، اسی دن سے مجھ پر بسطِ رزق کا

دروازہ کھل گیا۔ واللہ الحمد!

زکیہ مادر اطفال کا نسب صدیقی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ قریشی تھے۔ حدیث

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

بہترین عورتیں جو اونٹ پر سوار ہوئی ہوں،
قریش کی نیک عورتیں ہیں، بچپن میں اپنے
بچوں کی نہایت شفقت سے تربیت کرتی
ہیں، اور خاوند کسمال کی بہت حفاظت
کرتی ہیں۔

خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْوَيْلَ صَالِحٍ
نِسَاءٍ قَوِيَّاتٍ أَحْسَنَاءَ عَلَى وَكَيْدٍ
فِي صَغِيرِهِ وَارْعَاءَهُ عَلَى تَرْوِجِ فِئِ
ذَاتِ يَدَيْهِ -

(متفق علیہ)

یہ نبیؐ کی نہایت موعودہ، خوش عقیدہ، سخی مزاج، نرم دل، پابندِ صلوة و
صوم و تلاوتِ قرآن اور دیندار و نیکو کار تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے
مرفوع روایت ہے:

الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ كَخَيْرِ مَتَاعٍ ۥ ۥ ۥ
الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ -

(رواہ مسلم)

میں نے اس عورت سے نکاح کرتے وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی اس
حدیث کو پیش نظر رکھا، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عورت سے مال، حسب و نسب، جمال اور
دین چار امور کو ملحوظ رکھتے ہوئے نساہی
کی جاتی ہے۔ تمہارے ہاتھ خاں آلودہ
ہوں تم دین والی کو ترجیح دے کر

تَنْكُرُ الْمَرْأَةَ لِأَنَّهَا بَيْعٌ لِمَا لَهَا
وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا
فَأَظْفَرِيَنَّاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ
يَدَاكَ ۥ

کامیاب ہو جاؤ۔

(متفق علیہا)

ان میں یہ چاروں وصف مجتمع تھے۔ مگر میں نے ان کی مرضی کے باوجود ان کے مال سے کچھ ناندہ نہ اٹھایا۔ رہا ان کا حسب تو خطا ہر ہے کہ یہ وزیر اعظم ریاست کی دختر تھیں۔ لیکن میرے پیش نظر صرف ان کا ذات الدین ہونا تھا۔ اگر بنداری مقصود نہ ہوتی تو فسار ابار کا میسر آنا بھی سہل و آسان تھا۔ حدیثِ انسؓ میں ہے:

إِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدَ فَقَدْ اسْتَكْمَلَ
فِصْفَ الْإِنْسَانِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ
فِي التَّصْفِ الْبَاقِيَّ -
(بیہقی فی شعب الایمان)

اور حضرت عائشہ رض سے مرفوع روایت ہے:

إِنَّ أَعْظَمَ النِّكَاحِ بَدَلًا أَيْسَرُهُ
مَعُونَتُهُ ؟
نکاح کے اعتبار سے سب سے عظیم
نکاح وہ ہوتا ہے جس میں مالی مشقت کم
از کم ہو۔

(بیہقی فی شعب الایمان)

مجھے اس نکاح میں مالی مشقت بہت کم برداشت کرنا پڑی۔ واللہ اعلم!

حج بیت اللہ شریف؛

۲۱۵ھ میں مجھے حرمین شریفین کا شوق دامن گیر ہوا کیونکہ مجھ پر حج فرض ہو چکا تھا۔ میں نے رئیسہ حال سے رخصت لی اور حجازِ میمنت طراز کی طرف روانہ ہو گیا۔ کابل ایک ماہ بعد مکہ ہوئی سے بعد مشقت جبرہ پہنچا، نیم شب کے

وقت مکہ معظمہ میں داخل ہو کر مناسکِ عمرہ بجالایا اور احرام کھول دیا۔

جمال کعبہ مگر عذر رہی روان خواہد!

کہ جانِ نسنہ دلاں سوخت در بیا بانس

حج کے بعد ماہِ ذی الحجہ ہی میں مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ اس جگہ بھی مشکل

ایک ماہ میں پہنچنا ہوا۔ راستہ کے خطرات کی وجہ سے کسی دوسرے قافلہ کے

کے انتظار میں اٹھارہ دن تک بشرِ عسفان کے اردگرد ٹھہرا رہا۔ جب قافلہ بوقت

عصر مدینہ طیبہ میں پہنچا تو روزِ مبارک پر ایک ہی نظر پڑنے سے سفر کی ساری

کلفت دُور ہو گئی۔

می ایم و می آدم از بار گے!

پیغامِ حرمِ محترم پادشہ

مضمونِ رسالت آنکہ برا و شمامت

عفو گنہ شفاعتِ رو سیہ!

حج اور مدینہ منورہ کی زیارت سے فارغ ہو کر آٹھ ماہ بعد یہاں واپس

آ گیا۔ اس سفر میں نہ کسی سے مصارف کے لیے اعانت لی اور نہ کسی کا احسان مند

ہوا۔ ولہذا الحمد!

اس سفر میں بھی آتے جاتے ادا قامت کے وقت مطالعہ و نقل کتب

کاشغی جاری رہا۔ روانگی کے وقت جہاز میں کتاب «صارم منکی» اپنے ہاتھ

سے لکھی۔ پھر حدیدہ پہنچ کر جب اٹھارہ دن قیام ہوا تو سید محمد اسماعیل

امیرِ ذبیحہ کے بیس پچیس رسائل اپنے ہاتھ سے نقل کئے۔ منیٰ اور عرفات

میں بھی فرصت کے اوقات میں کتابت کی، واپسی کے وقت جہاز میں سنن

دارمی لکھی۔ یہ نسنہ تہاہ ولی اللہ صاحبِ محدث دہلوی کا تھا۔ اور میں نے

مرزا امیر بیگ سلمہ و داد مولوی محمد یعقوب صاحب مرحوم مہاجر کی سے نقل کرنے کے لیے مستعار لیا تھا۔ بھوپال آکر انہیں واپس کر دیا۔ اس نسخہ پر جا بجا شاہ صاحب کے قلم مبارک سے تصحیح ثبت تھی۔ اسی نسخہ کی نقل ہندوستان میں مطبع نظامی نے طبع کی ہے۔ اس سفر میں میں نے حدیدہ و حرمین شریفین کے بست سے سلف و خلف صالحین کی بہت سی نفیس کتابیں بھی خریدیں۔ ”السیانۃ الشرعیۃ“ کو مکہ معظمہ میں نقل کیا۔ یہ نقلی رسائل بھی تک کتب خانہ میں موجود ہیں۔ سفر حج کا رسالہ ”رحلۃ الصدیق الی البیت العتیق“ اور ”انحاف النبلاء“ میں تفصیل کے ساتھ مرقوم ہے۔ سفر حجاز سے واپسی پر مجھے ریاست کے مدارس کا ہتھم بنا دیا گیا۔ پھر میر منشی بنا دیا گیا۔ میں اس شغل کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا تھا۔ کیونکہ مدرسہ میں تو علمی شغل تھا۔ اور تمام وقت مطالعہ اور تالیف کتب میں بسر ہوتا تھا۔ چنانچہ ”مسک الختام شرح بلوغ المرام“ انہی ایام میں تالیف کی تھی۔ اور سارا کتب خانہ فروخت کر کے اس کتاب کی طباعت کا انتظام کیا۔ اب اس موجودہ خدمت میں فرصت جاتی رہی۔ ان اللہ!

لیکن آئندہ سال سے پھر ایسی صورت پیدا ہوئی کہ پہلے سے بھی زیادہ مشغلہ علم کی فرصت باقی آگئی۔ ولہذا الحمد!

نواب شاہ جہاں بیگم :

اللہ کا ایک احسان مجھ پر یہ بھی ہوا کہ میرے سوال و ضرورت، حاجت اور تحریک کے بغیر نواب شاہ جہاں بیگم صاحبہ رئیسہ حال نے مجھ سے ۱۳۸۸ھ میں اپنا عقد ثانی سنت صحیحہ کے موافق کر لیا۔ الحمد للہ کہ نکاح سے قبل یا بعد میرے ادران کے درمیان کوئی امر نازیبا یا ناجائز واقع نہیں ہوا۔ جس کو کوئی حاسد یا

بعض رکھنے والا سودِ وطن پر محمول کر سکے۔ وَاللّٰهُ عَلٰی مَا نَقُولُ شَهِيدٌ۔

اس تقریب سے بسطِ رزق بخوبی ہوا، پہلے مجھے نائبِ دوم ریاست مقرر کر دیا گیا اور ۲۴ ہزار روپیہ سال کا مشاہرہ مقرر ہوا۔ جب حکامِ وقت کی منظوری سے فوجی وغیرہ کا خطاب ملا تو سابقہ جاگیر میں اور بھی اضافہ ہو گیا یعنی ۷۵ ہزار روپیہ سالانہ مشاہرہ مقرر ہو گیا۔

عقدِ نکاح کے بعد صاحبہ موصوفہ نے میری اولاد میں سے بھی ہر ایک کو جاگیر عطا کی۔ فرزندِ عزیز کو بارہ بارہ ہزار، دخترِ عزیزہ کو چھ ہزار اولادِ داماد کو تین ہزار کا درجہ معاش بخشا۔
مَنْ كَرِهَ لَشَكْرِ النَّاسِ لَكَرَّ لَشُكْرِ اللّٰهِ۔

میں اس بسط و وسعت کو اپنے رزاق اور ربِّ مطلق کا محض فضل و انعام سمجھتا ہوں، بیگم صاحبہ کی مستقل کوئی حیثیت نہیں، وہ تو محض ایک واسطہ ہیں۔ ان کی طرف سے یہ وظائف کسی ظاہر و باطنی تحریک کے بغیر ہی تھے۔ میرا ان پر کوئی ذاتی استحقاق مخاضہ اضافی۔ میں نے ان کا حق مہر پچیس ہزار روپیہ نقد اور یک مہنت ادا کر دیا تھا۔ ان کے نان نفقہ کے لیے چھ ہزار روپیہ سالانہ بھی مسلسل دے رہا ہوں۔ مجھ پر اس ریاست میں کسی ادنیٰ و اعلیٰ کا کوئی احسان نہیں ہے۔ اگر کچھ ہے تو فقط انہی کی قدر شناسی اور اکرام افزائی کا احسان و تبرع ہے۔ واللہ اعلم! میں نے ان سے کبھی کوئی طمع نہیں کی، جو بلا استشراف دیا لے لیا بلکہ بعض اشیاء کو نہ بھی لیا اور نہ دیا اس کی کبھی تاہنہ کی۔ کیونکہ میں اپنی اصل خلقت میں وارستہ مزاج اور بے پروا پیدا ہوا ہوں، جس طرح کہ فطرتی طور پر ہی موجودہ متبع سنتی مذہب ہوں۔ جب تک یہ عقد نہ ہوا تھا میں مفاسدِ حسد سے امن و عافیت میں تھا۔ جب سے یہ عقد ہوا ہے ایک عالم کو مجھ پر حسد ہو

گیا ہے حالانکہ میں نے اپنے ارادے سے کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ہمیشہ احسان و معفواری سے پیش آیا ہوں۔ لیکن اُمید ہے کہ اس ظاہری فساد میں بھی اللہ کے ہاں کوئی باطنی اصلاح ہوگی جو یہ صورت ظاہر ہوئی۔ واللہ اعلم علی کل حال و فی کل حال و بکل حال۔ عَسَىٰ اَنْ تَكُوْنُوْا اَشْيَآءًا وَّ هُوَ خَدِيْعٌ لَّكُمْ وَّ عَسَىٰ اَنْ تُوْحِبُوْا اَشْيَآءًا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَّ هُوَ

صحبتِ اغنیاء سے دُوری؛

ابتداءً شعور سے اغنیاء کی صحبت سے دور رہا ہوں و زمانہ طالب علمی میں بھی کبھی کسی تو نگہ کے پاس نہیں گیا۔ اگرچہ سفرِ ذہلی میں بہت سے اغنیاء سے ملاقات ہوئی تھی۔ تاہم ان سے دُور ہی رہا۔ جب سے یہاں آیا ہوں اگرچہ اکثر اربگان و امراء مثلاً نور شہید جام و سالار جنگ، اہرا و حیدر آباد و کئی اور ناجہ جے پور، جودھ پور، پٹیالہ، گوالیار اور اندور وغیرہ سے سفر و حضر میں ملاقات کا اتفاق ہوا ہے۔ اور ان سے گورنر جنرل کے دربار میں بذریعہ مناسبات نشست بھی ہوئی ہے۔ اور نواب کلب علی خان رئیس رامپور سے خط و کتابت بھی رہی ہے۔ لیکن یہ سب سرسری ملاقاتیں تھیں۔ میں کسی کا مصاحب نہیں بنا۔ میرے شیوخ کے وصیاء میں سے ایک وصیت یہ بھی ہے، جو فقہ الجیس میں لکھی ہوئی ہے۔

وَمِنْهَا اَنْ لَا يَصْحَبَ الْاَغْنِيَاءَ
اِلاَّ لِدَائِعٍ مَّطْلُومَةٍ عَنِ النَّاسِ
اَوْ بَعَثَتْ عَائِلَتَهُ عَلَى الْخَيْرِ
وَهَذَا هُوَ وَجْهُ الْقَوْلِ بَيِّنٌ
الْاَحَادِيثِ الْعَدَاةِ عَلَيَّ ذَهْرٌ

ایک وصیت یہ بھی ہے کہ اغنیاء کی صحبت اختیار نہ کرے ہاں اگر لوگوں سے ظلم و دور کرنا ہو یا ان کی کوئی جھلانی کی بات مقصود ہو تو انکے بات سے اور یہی تطبیق ہے، ان احادیث میں جو بادشاہوں کی صحبت کی مذمت

صَحْبَةَ الْمَلُوكِ وَيَتَيْنَ مَا صَحِبْتُمْ
 كَثِيرَاتٍ الْعُلَمَاءُ وَالْبَنَاتُ ؟
 پر حال ہیں اور اس بات میں کہ بہت سے
 نیک علماء و بادشاہوں سے صحبت بھی رکھتے
 رہے۔

بیم صاحبہ بھی بے پناہ دولت مند ہیں۔ لیکن وہ عقیدہ شرعی کی دہر سے اس وصیت
 سے خارج ہیں۔ علاوہ انہیں ان کے حمد میں اس شہر کے بہت سے منکوات و بدعات
 ختم ہو گئے ہیں۔ اور ظلم کی یہ نسبت عدل و انصاف زیادہ ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے
 باوصف میں اس عذر رنگ کو قبول نہیں کرتا بلکہ بجائے خود نادام ہوں اور اس ابتلاء کو
 اپنے لیے عقوبت خیالی کرتا ہوں اور زبانِ حال سے کہتا ہوں کہ

جان ستم عذرا از دوزخ جاوید نکرد

خانہ درد کوچہ آسودہ دلائم دادند

اب جو اس سلسلہ میں بندھ گیا ہوں اور ہر چند رہائی کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا
 ہوں لیکن عاقبت کا کوئی راستہ نہیں پاتا ہے

پائے بستند درو سعی نشاتم دادند

دست و بازو بشکستند و کلام دادند

اللَّهُمَّ آخِرِينَ عَاقِبَتِنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَأَجْرَتَنَا مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا
 وَعَدَابِ الْآخِرَةِ۔

صحت و عاقبت؛

اللہ تعالیٰ کا ایک احسان تجھ پر یہ بھی ہے کہ معمولی امراض کے علاوہ کبھی کوئی
 ایسا مرض لاحق نہیں ہوا، جس سے مخلوق خدا کو نفرت ہو۔ بس گاہے گاہے تپ،
 لہزہ یا نزلہ و زکام وغیرہ ہو جاتا ہے۔ حدیثِ انس رضی اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ

عید و عزم و عافریا کرتے تھے :

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَرَصِ اے اللہ! میں برص، جنون، جذام اور
وَالْجَذَامِ وَالْجُنُونِ وَمِنْ سَبْتِي بُری بیماریوں سے پناہ مانگتا ہوں۔
الْأَسْقَامِ۔ (ابوداؤد و نسائی)

ہاں ایک بیماری مزدور ہے کہ صحبتِ فاسق و فحار سے احتراز کرتا ہوں ہے

اگر تڑپتا شائے عید خود طلب بند!

خلیل دار بوابی بگو کہ بیمارم

بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوتی ہے اور اس میں تین قائلہ سے ہیں:

ایک یہ کہ گناہ گزشتہ کی عقوبت بھتی ہے۔

دوم یہ کہ چھوٹی برائیوں کا کفارہ ہوتی ہے اور

سوم یہ کہ رفع درجات کا باعث ہوتی ہے۔

میں اپنی بیماری کو معصیت کی سزا ہی تصور کیا کرتا ہوں۔ اس لیے کہ جب دل

ہی دل میں نفس کا محاسبہ کرتا ہوں تو ہزار گناہ پاتا ہوں۔ پھر خیال کرتا ہوں کہ معافی

زیادہ ہیں، سزا کم اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سابق

ہے۔ اگر وہ مجھے میرے سارے گناہوں کی سزا دے تو شاید ایک لمحہ کی سزا بھی

نہ ملے بلکہ میں تو اپنے تئیں ضعف و مسخ کا مستحق پاتا ہوں۔ اگر تفضل الہی دستگیری

نہ فرماتا تو اب تک جزائے عمل کو پہنچ جاتا لیکن ”و یعفو عن کثیر“ کی شان

ظاہر ہو رہی ہے۔

رائے سے احتراز؟

میں دین میں رائے مجھ سے نہایت احتراز کرتا ہوں۔ جب کسی مسئلہ میں شارع

کی طرف سے تصریح نہیں پاتا تو اس پر عمل کرنے سے توقف کرتا ہوں، اور کوئی
اقدام نہیں کرتا:

إِلَّا أَنْ دَأَيْتُمْ فِيهَا نَفْسًا أَوْ جَمَاعًا
أَوْ قِيًّا تَجْلِيًّا۔

جب تک کہ اس میں کوئی نفس یا جماع یا قیاس
جلی نہ دیکھ لوں۔

یہ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ:

الْتَرَامِي فِي الدِّينِ تَحْرِيفٌ كَرِيفٍ
الْقَضَاءِ مَكْرَمَةٌ۔

دین میں رائے کو دخل انداز کرنا تحریف کے
مترادف اور (مقدمات کے) فیصلہ میں رائے
سے کام لینا عقوت کا باعث ہے۔

بلکہ کتاب و سنت کا ماہر عالم قیاس جلی و اجماع کا بھی محتاج نہیں ہوتا۔ وہ دلائل
کے کلیات و عموماً سے عود مسئلہ کا حکم استنباط کر سکتا ہے، کسی غیر کا اجتہاد
اس پہ لازم نہیں ہوتا۔ یہ بات آیت کریمہ ”أَلَمْ نَكُنْ لَكُمْ دِينًا كَرِيمًا“
سے بخوبی ثابت ہے اور حدیثِ عرباض بن ساریہ میں ہے کہ:

أَلَا قَرَأْتِ وَاللَّهِ قَدْ أَمَرْتُ وَ
وَعَظَّمْتُ وَتَهَيَّيْتُ عَنْ أَشْيَاءٍ
إِنَّهَا كَمِثْلِ الْقُرْآنِ۔

خدا میں نے تمہیں حکم بھی دیا ہے و عطا
نصیحت بھی کی ہے اور بہت سی باتوں سے
منع بھی کیا ہے جو قرآن جتنی یا اس سے بھی
زیادہ ہیں۔

(نہجۃ الہدایہ)

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی رائے شریف کا اتباع قائم
نہیں رکھا تو دوسرا کون ہے جس کی رائے پر چلنا وا جب یہاں تک کہ وہ پہلے نہ چھوڑے۔
رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُ كَمَا يَأْمُرُ
مَنْ فِي بَشَرٍ، وَجِبَدِي مِمَّنْ فِي بَشَرٍ۔

میں بشر ہوں، جب دین سے متعلقہ کسی بات

مِنْ أَمْرِ دِينِكُمْ فَخُذُوا بِهِ وَإِنَّا
 كَرَاهِيَةٌ بَشَرِيَّةٌ وَمِنْ تَرَاهِيٍّ كَرَاهِيٍّ
 كَمَا بَشَرُوهُ (رواه مسلم)

اس حدیث سے اشارۃ النفس کے ذریعہ معلوم ہوا کہ بشریت کے تقاضے انبیاء
 کرام علیہم السلام کی آراء میں بھی کارفرما ہو سکتے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اہلِ علی و
 عقد سے مشورہ لینے کا حکم دیا گیا۔ فرمایا:

وَشَارِدْهُمْ فِي الْأَمْرِ
 یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حکم دین سے متعلق ہو، اس
 کی بجا آوری فرض ہے، اور اسے اپنی رائے کا دخل دینے بغیر جو کاتوں تسلیم
 کرنا چاہیے۔ سارے سلف صالحین، محدثین کرام عام متبعین سنت اور جماعت
 ظاہرہ کا یہی مسلک رہا ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے یوں سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ
 نے اپنے نبی پر جو کچھ نازل فرمایا، اس سب کے بیان کر دینے کا حکم بھی دیا۔ پس کسی
 ایسی بات کو ترک نہیں فرمایا جس میں ہماری سعادت ہو۔ اور جس سے سکوت فرمایا وہ
 ہم پر رحمت اور وسعت کے پیش نظر ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں اشارہ بھی
 فرمایا اور کچھ باتیں فی الواقع ایسی ہیں جن سے ہم پر رحمت کرتے ہوئے سکوت فرمایا
 ہے۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے متعلق سوال نہ کیا کرو
 واللہ اعلم۔

صحبتِ صالح :

مجھے طبعی طور پر اہل تقویٰ سے محبت ہے اور صحبتِ صادقین سے رغبت
 ہے۔ اہل فسق سے قلبی طور پر کئی نفرت ہے اور جھوٹوں سے وحشت تام ہے

میں طبعی طور پر نہ کسی کو دوست رکھتا ہوں اور نہ کسی سے مجھے بغض ہے۔ میں جس شخص کے اعمال و عقائد کتاب و سنت کے موافق پاتا ہوں، اور وہ خوش معاملہ بھی ہو تو میرا دل اس سے خوش ہوتا ہے۔ اور میں اسے شترخا اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں۔ اگرچہ وہ ریاکار ہی کیوں نہ ہو لیکن اس کے ظاہر و باطن کی مخالفت اور ریا کے ظہور کے بعد اس کی محبت میرے دل میں نہیں رہتی۔ اور جس کے اعمال معاملات اور اقوال کو قرآن و حدیث کے مخالف دیکھتا ہوں تو اس سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا۔ ہاں امور دنیا میں جس طرح غیر مسلموں سے معاملہ پڑتا ہے۔ اسی طرح مجبوراً اس سے بھی معاملہ کرتا ہوں اور وہ بھی صرف ضرورت کے تحت بغیر ضرورت کے اس سے کوئی سروکار نہیں رکھتا۔ کیونکہ حدیث ابو ذر رضی میں مرفوعاً آیا ہے:

أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ الْحُبُّ فِي اللَّهِ
وَالْبُغْضُ فِي اللَّهِ۔

سب سے بہتر عمل اللہ کی خاطر محبت اور اللہ کی خاطر بغض ہے۔

(رواہ ابو داؤد)

اور ابوامامہ رضی سے مرفوع روایت یوں ہے:

مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَابْتَعْضَ لِلَّهِ وَ
أَعْطَى لِلَّهِ وَمَنَعَ لِلَّهِ فَقَدْ شَعَّلَ
الْإِيمَانَ ۚ

جس نے اللہ کے لیے محبت کی، اللہ کے لیے بغض رکھا، اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روک لیا، اس کا ایمان مکل ہو گیا۔

(رواہ ابو داؤد)

قرآن مجید میں بھی ارشاد ہے:

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا الشِّيْطَانَ
أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا

کیا براہیوں کا از کتاب کرنے والوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ہم ان کو ایماندار، اور

وَعَمَلُوا الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ مَعِيَ أَمْ لَمْ
 وَيَسْمَأْتُهُمْ سَاءٌ مَا يَحْكُمُونَ ۝

نیک اعمال لوگوں کی طرح کر دیں گے؛ کہ ان
 کی زندگی اور موت دونوں ایک جیسی (خوشحال)

(القرآن) ہوں یہ فیصلہ ان کا امت بلا ہے ۝

میں یہ نیت رکھتا ہوں کہ اگر میرا بس پھلے تو روٹے زمین پر کسی ایسی کتاب کو باقی نہ
 رہنے دوں جو کتاب اللہ کے مخالف ہو۔ نہ کسی بدعت کو چھوڑوں جو سنت سے
 متصادم ہو، نہ دن یا رات میں کسی قسم کا فسق علی الاعلان ہونے دوں۔ اور اگر کسی قسم کا
 فسق و قورع پذیر ہو جائے تو شریعت کے مطابق حدود و تعزیرات نافذ کر کے
 اس کی روک تھام کروں۔ اگر چہ مجھے اپنا فسق و عصیان بھی بخوبی معلوم ہے۔ لیکن میرے
 اس خیال کی بنیاد نیت پر ہے۔ اور عمل کی نیت پر اجرتا ہے خواہ وہ کسی مانع کی
 وجہ سے وقوع پذیر نہ ہو سکے۔

میں یہ بھی خیال کرتا ہوں کہ اگر مجھے صلحاء یا اہل اللہ کی صحبت نصیب ہوتی تو
 یہ اعمال بد جو کہ اہل دنیا کی صحبت کی وجہ سے صادر ہوتے ہیں، ان کا عشر عشر
 بھی وقوع پذیر نہ ہوتا، کیونکہ غربتِ اسلام بھی ان گناہوں کے صادر ہونے کا
 ایک سببِ عظیم ہے۔ اس کے باوجود اپنی بد اعمالیوں کا اعتراف ہے۔ میں اپنے
 کسی فعل بد کی تاویل نہیں کرتا اور نہ کسی نیک عمل پر اکتفا رکھتا ہوں۔ اگر رحمتِ الہی
 سے ناامیدی کفر نہ ہوتی تو میرے اتنے گناہ ہیں کہ ناامیدی میں کچھ شک
 نہیں ہے

تو مگر از جہتِ رحمتِ خود نزدیک

ورنہ من از طرف خویش بغایت دورم

اللَّهُمَّ عَفِّرْنَا وَحَفِّظْنَا فِي الْحَالِ وَالْإِسْتِقْبَالِ وَمَوْتَنَا عَلَى الْإِسْلَامِ
 وَالْإِيمَانِ - اللَّهُمَّ آمِينَ -

کن لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے :

میں نہ دل سے صحبت جہاں سے بیزار رہتا ہوں اور اپنِ علم سے میل جول کو دوست رکھتا ہوں۔ دل صرف یہ چاہتا ہے کہ صحبت میں ایسے لوگ ہوں جو مذاکہ علم یا ذکرِ الٰہی کریں۔ دنیا کی باتیں نہ ہوں۔ لیکن یہ صحبت اس زمانہ میں عنقا اور کیمیا کی طرح نایاب ہے۔ اگر لوگ اگر اس لیے جمع ہوتے ہیں کہ امورِ دنیا کا تذکرہ کریں تو ایسی مجالس میں صرف ان امور کا ذکر ہونا چاہیے، جن سے عقلِ انتظام اور شعورِ بخاندان داری بڑھے یہ قرینہ ہونا چاہیے کہ ماہِ شمس کی خوانات کا ذکر، کسی کی عیبت کریں، کسی کی چغلی کھائیں، بابت کریں تو جھوٹ بولیں، وعدہ کریں تو خلاف کریں۔ امانت رکھو تو خیانت کریں، عہد کریں تو توڑ ڈالیں، محاسمت کریں تو گالی گلوچ بکسیں۔ ابو ہریرہ رضی کی مرفوع حدیث میں ایسے شخص کو منافق قرار دیا گیا ہے۔ خواہ نماز پڑھے، روزہ رکھے اور اسلام کا دعویٰ کرے۔ (رواہ مسلم)

حدیث متفق علیہ میں حضرت ابن عمرؓ سے مرفوعاً آیا ہے کہ جس شخص میں ان خصلتوں میں سے ایک بھی ہوگی، اس میں گویا نفاق کی ایک خصلت ہوگی۔ میں کہتا ہوں کہ اسے نفاقِ عملی کہتے ہیں۔ اور ایک جہاں اس بلا میں گرفتار ہے۔ حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے خالص نفاق فرمایا ہے۔ علامہ نے کہا ہے کہ اس نفاقِ خالص سے مراد ان خصال کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنا ہے۔ لیکن اگر اس حدیث کی تاویل نہ کی جائے اور اسے ظاہر پر محمول کیا جائے تو اس میں زیادہ زجر و توبیخ ہوگی۔ تاویل کی وجہ سے ہی ایسے افعالِ مخون کی نظر میں سبک (معمولی) ہو گئے ہیں، اور ان علاماتِ نفاق سے احتراز کرنا مفقود ہو گیا ہے۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ آدمیوں کی چار قسمیں ہیں۔

۱۔ عامی جو زبان رکھتا ہے اس کا دل، ایسا شخص علاج کے بغیر درست نہیں ہو سکتا۔

۲۔ جو زبان تو رکھتا ہے لیکن دل نہیں رکھتا، جیسے کہ وہ شخص جو حکمت کی باتیں تو کرنا ہے۔ لیکن حکمت کے مطابق خود عمل پیرا نہیں ہوتا، لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہے۔ لیکن خود خدا سے بھاگتا ہے۔ ایسے ہی شخص سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈرایا ہے کہ:

أَخَوْتُ مَا أَخَاؤُ عَلَى أُمَّتِي كُلِّئِ
مَنْزِلِي عَلَى لِسَانِ جَاهِلٍ
عَالَمٍ لَيْكِنِ دَلِ كَا جَاهِلٍ يَهِي۔

۳۔ وہ جو دل تو رکھتا ہے لیکن زبان نہیں رکھتا، یہ وہ مومن کامل ہے جسے جسے اللہ نے اکثر مخلوق سے مستور رکھا ہے، وہ اپنے نفس کے عیوب جانتا اور پھپھاتا ہے۔ مخالفت کی تباہ کاریوں، اور کلام و منطق کی نحوستوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ اسے عقل وافر عطا کی گئی ہوتی ہے۔

۴۔ جو زبان و دل دونوں رکھتا ہے۔ یہ عالم عامل ہے۔ ان اقسام میں سے صرف سوم اور چہارم کے لوگ صحبت کے لائق ہیں۔ باقی انواع سے احتراز لازم ہے۔

کن کی صحبت سے بچنا چاہیے؛

میں جمال صوفیہ، جمال متعبدین ہننقیہ، اصحاب معقول و کلام میں سے غلو کرنے والوں اور اصحاب جوائب کی صحبت سے محترز رہتا ہوں۔ دین میں غلو و تعصب اور افراط و تفریط کو میں پسند نہیں کرتا۔ بلکہ اس وصیت پر قائم ہوں جو

”قول ہمیں“ میں لکھی ہوئی ہے :

مِنْهَا أَنْ لَا يَصْحَبَ حَمَّالَ الصُّرْقِيَّةِ
وَلَا جَهَّالَ الْمُتَعَبِّدِينَ وَلَا الْمُتَقَشِّفَةَ
مِنَ الْفُقَهَاءِ وَلَا الظَّاهِرِيَّةَ
مِنَ الْمُجَدِّدِينَ وَلَا الْعُلَاةَ مِنْ
أَصْحَابِ الْمُعْقُولِ وَالْكَلَامِ
بَلْ لَا يَكُونُ إِلَّا عَالِمًا صَوْفِيًّا
مَرَاهِدًا فِي الدُّنْيَا ذَا لِعِ التَّوْحِيدِ
إِلَى اللَّهِ مُنْصِبًا بِالْأَحْوَالِ الْعَدِيَّةِ
مَرَاغِبًا فِي السُّنَّةِ مُتَّبِعًا لِحَدِيثِ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَأَثَارِ الصَّحَابَةِ طَالِبًا لِشَرْحِهَا
وَيَسِيرًا فِيهَا مِنْ كَلَامِ الْفُقَهَاءِ الْمُحَقِّقِينَ
الْمَأْتِلِينَ إِلَى الْحَدِيثِ عَنِ النَّظَرِ
وَأَصْحَابِ الْعَقَائِدِ الْمَأْخُودَةِ مِنْ
السُّنَّةِ الشَّاطِرِينَ فِي الدَّلِيلِ
الْعَقْلِيِّ تَبَوُّعًا وَأَصْحَابِ السُّلُوكِ
الْجَامِعِينَ بَيْنَ الْعِلْمِ وَالتَّصَوُّفِ
غَيْرِ الْمُتَشَدِّدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ
وَالْمُدَقِّقِينَ خَرِيًّا دَةً عَلَى السُّنَّةِ
وَلَا يَصْحَبُ إِلَّا مَنْ اتَّصَفَ

جاہل صوفیاء، جاہل متعبدین، مفتشف،
فقہاء، ظاہری محدثین اور ملو کرنے والے
اصحاب معقول و علم کلام کی صحبت اختیار
نہ کرے۔ بلکہ اسے عالم، صوفی، دنیا میں
بے رغبت، ہمیشہ اللہ کی طرف متوجہ رہنے
والا، بلند احوال کے ساتھ رنگا ہوا،
سنت میں رغبت رکھنے والا، حدیث
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ
کا تتبع کرنے والا ہونا چاہیے۔ نیز اس
(عالم ربانی) کو حدیث و آثار صحابہ کی شرح
و بیان تلاش کرنے والا ہونا چاہیے۔
ان محقق فقہاء کے کلام میں جو رائے کے
بجائے حدیث و رسول کی طرف میل رکھتے
ہوں اور ان اصحاب عقائد کے کلام میں
جن کے عقائد سنت سے ماخوذ ہوں
اور دلیل عقلی میں صرف تبرعاً خود کرتے ہوں
اور ان اصحاب سلوک کے کلام میں جو کہ
علم و تصوف کے جامع ہیں، اپنے نفسوں
پر تشدد نہیں کرتے، اور باریک بینی میں
سنت سے بڑھ نہیں جاتے اور صحبت

یہی صرف ان اوصاف سے متصف حضرات
کی اختیار کرنی چاہیے۔

بِهَذِهِ الصِّفَاتِ -

۴

طلبِ آخرت؛

اگرچہ میرے پاس دنیا میں بہت ہے۔ لیکن بچپن سے لے کر اب تک دنیا
میرا بڑا مقصد نہیں ہے بلکہ میں آخرت کو رأس المال اور دنیا کو صرف نفع تصور کرتا
ہوں۔ اگر ہمتِ نعم نیست و اگر نیستِ نعم نیست ہے

عمر کی بھر تنگدستی گزر
یادِ نعمِ نیستی و ہستی گزر
اوقاتِ چنیں قابلِ ہشیاری نیست
آں بہ کہ بہ بیخودی و مستی گزر

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ سوال اور گدائی کی ذلت سے بچے رہنے

کی دعا کرتا رہتا ہوں :

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْجُوعِ اے اللہ میں بھوک سے پناہ مانگتا ہوں
فَأَنَا وَمَنْ يَتَّبِعُ الصَّغِيرِمْ کیونکہ وہ بہت برا ساکتی ہے۔

اور اپنے نفس میں قناعت کی ہمت بھی پاتا ہوں ہے

قناعت تو نگر کہہ مرد را !

خبر کن حریصِ جہان گرد را

میں نے اہل دنیا کی طرح طلبِ معاش میں جفاکشی اور استغراقِ وقت

کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ان لوگوں کی طرح دنیا کا جو یا ہوں جو دنیا کو رأس
المال اور آخرت کو نفع تصور کرتے ہیں اور عملِ آخرت و علمِ دین سے بالکل

ہاتھ جو بیٹھتے ہیں۔ مجھے اگر نکاح سے قبل والدہ و ہمیشہ گان کی خدمت گزاری اور
اب بعد از نکاح پرورش اولاد دامن گیر نہ ہوتی تو مجھے اُمید تھی کہ میں فقط سدا
رقی پر کفایت کرتا اور جس طرح ممکن ہوتا اپنی جان کو اس ابتداء سے بچا لیتا۔
لیکن

پاک از علم آیدیم و ناپاک شدیم
آسودہ در آدمیم و غمناک شدیم
بودیم ز آب دیدہ در آتش دل!
دایم بیاد عمرو در خاک شدیم

اس صحبتِ راہنہ سے رہائی چاہتا ہوں لیکن بقدرتِ ناسرایی
دلیل میں جکڑ بند ہو گیا ہوں کہ سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی فریاد رس نہیں تاہم جب
تک تن میں جان باقی ہے۔ یہ ارمان بھی باقی ہے کہ کسی نہ کسی طرح ان سب علاقے
سے روگرداں ہو کر مسجد حرام، یا مسجدِ غریب خانہ کے کسی گوشہ میں صبح و شام
بسر کروں اور رب تعالیٰ کے سوا کسی کا ممنونِ احسان نہ ہوں۔ دعا ہے کہ اللہ
تعالیٰ مجھے میرے دل کی خواہش کے مطابق اس جگہ سے لے جا کر حرمین شریفین
میں سے کسی ایک میں موت یا شہادتِ حقہ نصیب کرے یا عاقبت کے ساتھ
اس گرفتاری سے رہائی بخشے تاکہ ایمان پر خاتمہ بالآخر ہو۔ و ما ذاک علی اللہ
بغزینہ

مایم بعفو تو تولا کردہ!
وز طاعت و معصیت تبراً کردہ
آنجا کہ عنایت تو باشد باشد
نا کردہ چو کردہ کردہ چوں نا کردہ

مجھے معلوم ہے کہ جو مخلوق نیت کے ساتھ دنیا سے بھاگتا اور آخرت کا ارادہ کرتا ہے، دنیا اس کے پاس دُور کر آتی ہے۔ اور جو تمام ہمت سے دنیا طلبی میں غرق رہتا ہے۔ اس کو دنیا بقدر تمنا نہیں ملتی وہ نہ "الذی" ہوتا ہے نہ "اول الذی" حدیث میں فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ يُعْطِي الدُّنْيَا عَلَى نَيْتِهَا
الذی اللہ تعالیٰ دنیا آخرت کی نیت پر دیتا ہے۔ لیکن دنیا کی نیت پر آخرت نہیں دیتا۔
وَلَا يُعْطِي الْآخِرَةَ عَلَى نَيْتِ الدُّنْيَا۔

دلوں کی کیفیت:

مجھے اللہ کی تدبیر نے کسی دم بھی امن نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دائرہ تجحیر میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس کی دد درگاہیں ہیں۔ ایک کا نام حضرت الاطلاق ہے اور وہاں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ دوسری حضرت التقیید ہے، وہاں وعدے کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ میرے خیالات اور دل کے دوسرے جومات دن میں ستر ہزار بار دل پر برق خاطف کی طرح وارد ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی ایسا خیال و دوسرہ بھی ہوتا ہے جو ایمان کو بالکل ضائع کر سکتا ہے۔ میں اسی کو کبر (تدبیر) الہی سے تعبیر کرتا ہوں:

فَلَا يَأْمَنُ مَكْرًا لِلَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ
الْخَائِرُونَ ۗ
پس جنہیں بے خوف ہونے اللہ کے کبر (تدبیر) سے مگر خسارہ پانے والے لوگ۔

بعض اوقات تو ان خیالات و دوسروں کی بہ نسبت اپنا خسف و مسخ ہو

جانا آسان معلوم ہوتا ہے۔ یعنی خیالات و دوسروں اس قدر غلط ہوتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کا علم نہ ہوتا تو مدت سے خسف و مسخ ہو چکا ہوتا۔ خیالات اور

دساوس کی کثرت کے باعث یوں محسوس ہوتا ہے کہ دل میں گیارہ سے بھی زیادہ دروازے شیطان کی طرف کھلے ہیں۔ اور صرف ایک دروازہ رحمان کی طرف کھلا ہوا ہے۔ حدیث ابن مسعود میں آیا ہے:

خَطَّ لَنَا سَعْلُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَسَكَّرَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هَذَا سَبِيلُ
اللَّهِ ثُمَّ خَطَّ خَطُّوطًا عَنْ يَمِينِهِ
وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَالَ هَذِهِ سَبِيلُ
وَعَلَى كُلِّ سَبِيلٍ مِنْهَا شَيْطَانٌ
يَدْعُو إِلَيْكَ وَكَرَّ الْأَنْتَ هَذَا صَوْتُ
مُسْتَقِيمًا فَإِنِ اعْبُودُوا وَلَا تَدْعُوا
السَّبِيلَ فَتَفْرُقَ بَيْنَكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ
(رواه احمد والنسائي والدارمي)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے
سامنے ایک خط (لکیر) کھینچا اور فرمایا کہ یہ
اللہ کا راستہ ہے اور پھر اس کے دائیں بائیں
کئی خطوط کھینچے اور فرمایا کہ یہ وہ راستے
ہیں کہ ہر ایک پر شیطان بیٹھا ہوا اپنی طرف
دعوت دے رہا ہے اور پھر آپ نے یہ
آیت شریفہ پڑھی (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ)
یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کا اتباع کرو
اور دیگر راستوں کا اتباع نہ کرو کہ تم کو
اس کے راستے سے ہٹا کر پرگندہ کریں گے؟

(احمد، نسائی، دارمی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یوں فرمایا کرتے تھے،

يَا مَعْزِبِ الْقُلُوبِ كَيْتَبْتُ قَلْبِي
عَلَى دِينِكَ
اے دلوں کو پھیرنے والے میرے دل کو
اپنے دین پر ثابت رکھو!

میں نے کہا اے اللہ کے نبی! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، کیا آپ کو ہمارے
ایمان کے متفق کوئی ڈر ہے؟ آپ نے فرمایا:
إِنَّ الْقُلُوبَ بَيْنَ إِضْبَاعَيْنِ
دل اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔

مِنْ أَصَابِعِ اللَّهِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ
انہیں جیسے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے؛
(ترمذی داہن نامہ)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں لوں ہے؛
مَثَلُ الْقَلْبِ كَرِيشَةٍ بَارِضٍ تَلْدُو
دل کی مثال اس پر کی طرح ہے جو کسی صحرائی
زمین پر پڑا ہوا اودھو ایش اسے زمین پر
الشيء يلقى بهون۔
(رواہ احمد)

بہر حال انسان کے دل میں شیطان کی طرف سے بڑا دوسرا یہی القا و کفر اود
حُبِّ دُنْيَا ہوتا ہے۔ یہ حُب ہر غلطی کی جڑ ہے۔ محبتِ غیر اللہ ہی کفر و ضلالت
کی ساری باتوں کا سرچشمہ ہے۔ اگر کسی کے دل میں دنیا کی محبت نہ ہو اور دُنْيَا
تعموم کر کے اس کے پاس آئے اودہ دنیا کے ایندھن کو اللہ کی مہنیا ت کے
عصول میں صرف کرتا ہے تو ایسا شخص دنیا دار نہ ہوگا۔ بلکہ فقر مدقع پر اسے
ایک طرح کی فضیلت حاصل ہوگی۔

ذِكْرُكَ مَقَامٍ بِجَلٍّ. وَكَلِّ مَيْسَرَتِنَا خَلْقَ لَكَ.

رنج و راحت؛

میں اپنے کسی قول، فعل اور حالِ نفس کا استحسان نہیں کرتا بلکہ مجھے بخوبی
معلوم ہے کہ میں حقوقِ خدا کو پورا نہیں کر سکتا بلکہ عاجز ہوں اور نہ میں وقت سے
قبل اپنی قسمت سے زیادہ کا طالب ہوتا ہوں۔ اہل معرفت نے فرمایا ہے؛

مِنْ أَشَدِّ الْعَذَابِ عَلَى
نفس کے لیے سب سے بڑا عذاب یہ
النَّفْسِ طَلِبَتِهَا مَا لَمْ يَنْسَهُ
بھی ہے کہ وہ اس چیز کو طلب کرے جو

کہا۔

اس کی قسمت میں نہیں۔

اور میں نے ساری زندگی کہیں کسی کے سامنے کسی حاجت کے لیے دستِ سوال دراز نہیں کیا۔ کیونکہ اس حرکت بے برکتی کی بنیاد جہلِ باطن، ضعفِ ایمان اور قلتِ صبر پر ہے۔ اور پھر، اگر مانگنا ہی ہے تو اللہ سے مانگنا کافی ہے۔

از خدا خواہم و از غیر نخواہم بخدا
کہ نیم بندہ و دیگر نہ خدائے دگر است

اگر اللہ تعالیٰ نے سوال کو قبول فرمایا تو فیہا مددِ اجابت میں تاخیر لائق تکرار نہیں بلکہ امیدوار ہونا واجب ہے۔

مجھے اپنے دوامِ نعمت پر بھی طمانینت حاصل نہیں رہتی، اس لیے کہ میں نعمت کا بالکل مستحق نہیں ہوں۔ میں راتوں دو سہرے لوگوں میں نعمتوں کے تحویل و تغیر کا مشاہدہ کر رہا ہوں اور جلد یا بدیر ہر صاحبِ نعمت کو تنفس کے معمولی سے خالی نہیں پاتا۔

عظمتِ اس کی ہمہ اہلِ دولتِ بی دروند
ہر کرادیدم ازینِ بلائے آزاری داشت!

اللہ سے اس بات کی توقع رکھنا کہ وہ نزولِ بلا کے وقت صبر کی توفیق بخشنے گا، اور بلا کو جلد ختم کر دے گا، ایک نعمت بے بدل ہے۔ اسی سونے صادق پر آلام و مصائب کی کثرت ہوتی ہے، جسے اللہ دوست رکھتا ہے۔

در جاں آفتے گزندے نیست
کہ بتجویل درد مندے نیست!

اہلِ تجربہ نے کہا ہے:

وَمَنْ صَبَرَ عَلَى بَلَاءِ اللَّهِ كَسَبَ
جو انسان دنیا کی مصیبتوں پر صبر کرے اسے

لَمْ نَعِيْمُهَا اَوْ اٰخِرَ عُمْرِهِ اِنَّمَا
 يَعْطَى الْاٰجِبُ اَجْرَتَهُ بَعْدَ عَمَلِهِ
 جَبِيْنِهِ وَتَعِبِ جَسَدِهِ وَكَرْبِ
 نُوْحِهِ وَضَيْقِ صَدْرِهِ وَكَهَابِ
 تَوْتِهِ وَاِذْ لَالِ نَفْسِهِ وَكُنْزِ
 هَوَاهِ كَمَا هُوَ النَّشَاثُ فِي خِدْمَةِ
 الْمَخْلُوْقِيْنَ فَلَا يَكَادُ يَطِيْبُ لَهُ
 عَيْشٌ اِلَّا بَعْدَ تَجَرُّعِهِ فِي خِدْمَتِهِمْ
 هَذِهِ الْمَرَآئِيْ كَلِمَاتٌ اَجْمَعَتْهَا
 اَنْعَقِبْتَ لَنْطِيْبُ طَعَامٍ وَاَدَامِ وَاَكَلِيَّةٍ
 وَاِبَاسٍ وَاَلَا حِيَّةٍ وَاَسْرُوْمٍ وَاَتَلْنٰ ذَبَابًا وَاَلْبَلَاغِ

آخر عمر میں نعمتوں سے سرفراز کیا جائے گا جیسا
 کہ مزدور کو مزدوری پیشانی کے پسینہ، جسم
 کی تھکاوٹ، روح کی تکلیف، سینہ کی
 تنگی، قوت کے خاتمہ، نفس کی ذلت اور
 خواہش کے ختم کر دینے کے بعد ملتی ہے
 جیسا کہ مخلوق کی خدمت میں جب تک ان
 تمام کڑوں سے گھونٹوں کو نہ پی لے، اسے
 عیش و آرام نصیب نہیں ہوتا اور جب ان
 کڑوں سے گھونٹوں کو پی لے تو اسے انجام کا
 عمدہ کھانا بہترین سالن، پھل، لباس و راحت
 سرفراز ملدو بلبلار نصیب ہوتا ہے۔

میرا حال بھی اسی طرح تھا۔ عمر کا ایک زمانہ تنگی عیش میں گزرا، پھر جب ملازمت
 کی تو پندرہ سال مسلسل تکلیفوں اور مصیبتوں میں گزرے۔ اپنے خیال میں اپنے آقا
 کی ملازمت نہایت نیک حلالی، حاضر باشی، عرق ریزی، جانفشانی اور امر و نہی کی
 بجا آوری کے ساتھ کی۔ خیانت، کذب، دغل، عمل معین میں کوتاہی اور دیگر دھوکے
 والے، اور ناہائز امور سے احتراز کیا، امانت و دیانت اور نصیحت سے کام لیا
 اور اپنے آقا پر کبھی احسان نہیں کیا بلکہ اپنے نفس کو منعم حقیقی و مجازی کا شکر
 ادا کرنے سے ہمیشہ قاصر پایا۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطان سہی کتم

منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتنت

تعلیم طلب نوکر، نامعقول ہوتا ہے اور ناقدر شناس آقا محذول، جب عمر

تیس سال کو پہنچی تو ہمت اور زیادہ مشقت سے جی چرانے لگا تو ناگہاں رحمتِ الہی نے کار سازی فرمائی۔ کثیر نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اور انکار پریشاں سے نجات بخش کر ساحلِ نجات پر پہنچا دیا۔ ہر چند کہ ان نعمتوں کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان کا اتمام اس طرح ہو گا کہ قبضِ روح حالتِ ایمان پر ہو۔ اللہ تعالیٰ سے اس نعمت کا حصول بھی کچھ مشکل نہیں ہے۔

امید ہست دم مرگ از لبِ توفیق!
بر آید آشدن آن کہ اللہ، الا اللہ

علمِ دین کی محبت کے سوا اور کسی چیز کی محبت کا میرے دل پر تسلط یا استیلاء نہیں ہے۔ اگرچہ عمل میں قاصر خاتر ہوں تاہم اپنے تجربہ میں اس لذت کو دنیا کی تمام لذتوں اور شہوتوں سے زیادہ لذیذ پاتا ہوں۔ جس دن مجھے کسی کتاب کے مطالعہ یا تحریر کا اتفاق نہ ہو میں بیمار سا ہو جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ عدد اور عدد کے اعتبار سے اہل عصر کی نسبت میری تالیفات زیادہ ہیں۔ ایک مدت تک عربی زبان میں کتب تالیف کرتا رہا۔ پھر جب دیکھا کہ اکثر لوگ عربی سے جاہل ہیں تو میں نے فارسی میں لکھنا شروع کیا، اور اب جب کہ فارسی دان بھی نظر نہیں آتا، جسے دیکھو وہ اُردو پر فریفتہ ہے تو ناچار اُردو میں لکھنا شروع کر دیا۔ چنانچہ میرے بہت سے رسائل دین اسی زبان ہندوستان میں ہیں۔ لیکن افسوس کہ علم اور کتب کی کثرت کے باوجود اہل شوق اور طالبِ آنحضرت نظر نہیں آتے، اب تو سب کی ہمت طلب و جمع مال میں منحصر ہو گئی ہے۔ تحصیلِ معاش میں نہ حفظِ آبرو کا کسی کو خیال ہے اور نہ حلالِ دعوام میں امتیاز۔ دین کا صرف نام رہ گیا ہے۔ اور اسلام ماضی کی ایک حکایت معلوم ہوتا ہے۔ اشرافِ ساعت نمایاں ہیں اور مظالم بے پایاں۔ دیکھئے اونٹ کس کل بیٹھتا ہے۔ اور اسلام کا انجام

کیا ہوتا ہے۔ دنیا دھوکے کا گھر ہے۔ اور اہل دنیا فریب اور جھوٹ پرفریفتہ ہیں۔ بلکہ جس کو ذرا پابندِ علم و دین دیکھتے ہیں۔ اسی کی جان و مال اور آبرو کٹنے دشمن ہو جاتے ہیں اور اس پر بھی ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

دنیا داری و عاقبت می طلبی !

ایں ناز بخانہ پدر باید کرد

صدرِ اول سے آج تک ہر صدی کے آخر یا اول میں مجددِ دین ہوتے رہے ہیں۔ ملوکِ اسلام نے مساجد، مدارس، زبانات، فناطیر اور طرق وغیرہ مراہمِ اسلام کی تجدید کی۔ علاوہ ایمان کی تجدید کی، بدعاتِ مذاہب کو دودھ کیا اور شرک و کفر کے مٹانے میں سعی وافر بجالاتے۔ مشائخِ صوفیہ نے بدعاتِ احسان کو مٹایا، سلوکِ صافی کو رواج دیا۔ بعض نے یہ سب کام کئے۔ بارہویں صدی کے اول میں سید احمد بریلویؒ اور ان کے خلفاء مجددِ دین ہوئے۔ اب چودھویں صدی شروع ہوئی۔ سالِ پنجم کا آغاز ہے۔ اب تک کسی ملک میں کسی مجدد کا وجود معلوم نہیں ہوا۔ یہ ہمارے اعمال کی شامت ہے۔ انا للہ!

استلراجہ دنیا؛

جو لذت مجھے بلا میں ملتی ہے، جو لطف شکستگی خاطر میں آتا ہے، جو کیف بے چارگی و عاجزی میں ملتا ہے اور جلتی یادِ خدا حالتِ مرض و فقر و غم و حزن میں حاصل ہوتی ہے، وہ عیشِ فانی کے اسباب میں تیسرے نہیں ہوتی۔

پہ خوش بروی دل تنگ مادر ہے وا کرو

خدا دراز کند عمر زخمِ کاری ما

شیخ جیلر نے فرمایا ہے کہ مرضاتِ الہی میں بدل مجہود کے بعد بندہ کو ملنے والا بلا و کامقام عطا ہوتا ہے۔ اور یہ ابتلا و تین طرح کی ہوتی ہے۔
 ایک عقوبت بمقابلہ ارتکاب جو میرہ یا اقرافِ معصیت۔
 دوسرے تکفیر یا تمحیص۔

تیسرے ارتقاع درجات بہ تبلیغ منازلِ عالیات :

وَلِكُلِّ مِّنْ هَذِهِ الْأَحْوَالِ عَلَامَاتٌ
 فَعَلَامَةٌ الْإِبْتِلَاءِ عَلَى وَجْهِ
 الْعُقُوبِيَّةِ وَالْمُقَابَلَةِ عَدَمِ الصَّبْرِ
 عِنْدَ وُجُودِ الْبَلَاءِ وَكَثْرَةُ الْعِزِّ وَ
 الشُّكُوفِي إِلَى الْخَلْقِ وَعَلَامَةٌ الْإِبْتِلَاءِ
 تَكْفِيرًا وَتَمْحِصًا لِلْخَطَايَا وَوُجُودُ
 الصَّبْرِ الْعَمِيلِ مِنْ غَيْرِ شُكُوفِي وَلَا
 إِظْهَارِ عِزِّهِ وَلَا ضَجْرٍ إِلَى الْأَرْضِ قَاءً
 وَالْعِبَادِينَ وَعَدَمُ ثِقَلِ لَطَاعَاتِ
 عَلَى يَدَيْهِ وَعَلَامَةٌ الْإِبْتِلَاءِ
 لِارْتِقَاعِ الدَّرَجَاتِ وَوُجُودِ الرِّضَا
 وَالْمُؤَافَقَةِ وَطَهَانِ نِيَّةِ النَّفْسِ
 وَخِفَّةِ الْأَعْمَالِ الصَّالِحَةِ عَلَى الْقَلْبِ
 وَاللِّبْدَانِ

ان تمام اعمال میں سے ہر ایک کی الگ الگ
 علامات ہیں۔ ابتلا و عقوبت بمقابلہ ارتکاب
 جو میرہ کی علامت دھوڑا رکے وقت عدم
 صبر و کثرتِ عِز اور مخلوق کی جانب
 شکوہ ہے۔ تکفیر و تمحیصِ خطایا کے سلسلہ
 میں ابتلا و کی علامت یہ ہے کہ صبر جمیل
 کا مظاہرہ کیا جائے۔ شکوہ و شکایت نہ
 کی جائے اور نہ دوست احباب اور پڑوسیوں
 کی طرف دل کی گھبراہٹ اور غم کا اظہار کیا
 جائے اور اسے طاعات میں بوجھ بھی محسوس
 نہ ہو، ارتقاع درجات کے سلسلہ میں ابتلا و
 کی علامت یہ ہے کہ رضا و موافقت اور
 نفس کی طمانینت حاصل ہو اور دل اور جسم
 پر اعمالِ صالحہ گراں محسوس نہ ہوں۔

میں نے دوسرے لوگوں میں ان تینوں علامات کا مشاہدہ کیا ہے۔ لیکن دو
 علاماتِ اولیٰ کو زیادہ تر پاتا ہوں۔ اور اکثر مخلوق میں علامتِ اولیٰ ہی غالب

ہوتی ہے۔ بندہ کو علامتِ ثانیہ و ثالثہ کی تحصیل کے لیے سعی کرنی چاہیے۔ بڑا بد نصیب ہے وہ جس کے جرائم کے عوض اسے دنیا میں نفس، مال یا اولاد میں عقوبات و آفات کا سامنا نہ کرنا پڑے اور نوبت بزدخ تک پہنچ جائے۔ پھر اس سے بڑھ کر بد قسمت وہ ہے جس کے لیے عقابِ قبر کافی نہ ہو، اور پھر اس سے بڑھ کر بد طالع وہ ہے جس کے لیے مصائب کے اعتبار سے حشر و نشر اور لعنت کے موافق کافی نہ ہوئے حتیٰ کہ جہنم رسید ہو گیا۔ اگرچہ اسے وہاں دائمی طور پر نہ رہنا پڑے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ النَّارِ وَأَسْأَلُكَ الْعَافِيَةَ!

اے واقفِ اسرارِ ضمیرِ ہمہ کس
در حالتِ مجزودِ سنگیرِ ہمہ کس
یارب تو مرا توبہ وہ و عذر پذیر
ای توبہ وہ و عذر پذیرِ ہمہ کس

اولادِ صالح :

اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد سے بھی نوازا ہے، جو نہ اس قدر تعین ہے کہ زیادہ کی ہوس باقی رہے اور نہ اس قدر کثیر کہ وبال اور بارِ خاطر محسوس ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے دو پسہ اور ایک دستر عطا کی ہے اور یہ اولاد اس آخرومانہ کے نفلوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اقران و اماش کی بہ نسبت اکثر آفاتِ دنیوی اور فسق و فجور سے بظاہر محفوظ ہے اور نماز، روزہ اور زکوٰۃ پرقائم ہے۔ اگرچہ عمر شباب اور عبدِ مو و لعب کے تقاضوں کی بنا پر میرے حسبِ دلخواہ حفظِ ساعاتِ شغلی طاعات اور عمارتِ اوقات میں منہمک نہیں ہیں۔ لیکن میں اپنے رب

سے امید و اثق رکھتا ہوں کہ ان کی توجہ الی اللہ اور آخرت کی طرف رجوع میں روز افزوں ترقی ہوگی۔ اور میرا اور ان کا خاتمہ ایمان اور کلمہ شہادت پر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے میری حیات ہی میں میری اولاد کو بھی اولاد دی، مال بھی دیا۔ بائع بھی دیا۔ مساکن طیبہ بھی دیئے، معاش بھی دیا۔ علم دین بھی مرحمت فرمایا اور شوقِ صلاحیت بھی بخشا۔ میں نے اپنے اسفاد کی تعداد اپنے رسالہ "مفرح" نامی میں لکھی ہے۔ یہ لوگ اگر اللہ کا شکر بجالائیں گے اور "مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ" کہا کریں گے اور طلبِ دُنیا میں زیادہ منہمک نہ ہوں گے تو ان کی نعمتیں زوال سے بچی رہیں گی۔ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" اور اگر کفرانِ نعمت کریں گے یا معاصی میں مبتلا ہوں گے تو اللہ کو ان کی کچھ پروا نہیں ہے۔

وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ ۝ ٤٤
 اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے وہ تمہارے اعمال و افعال کی وجہ سے پہنچتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ تو معاف کر دیتا ہے۔

میں ہمیشہ ان کو اس امر کی تاکید کرتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا ان پر بہت بڑا فضل ہے، اس لیے اول اللہ کا تہ دل سے شکر بجالایا کریں۔ پھر جس کو اللہ تعالیٰ نے بلا کسی وجہ و وجہیہ کے اس فیضِ ظاہری کا واسطہ ٹھہرایا ہے۔ اس کا بھی شکر یہ ادا کریں۔ میں ان سے یہ کہتا ہوں:

اعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ۝ ٤٤
 اے داؤد کی اولاد! عملی طور پر شکر ادا کرو اور میرے بندوں میں سے شکر گزار تھوڑے ہیں۔

۱۳۰
 ۱۳۱
 ۱۳۲
 ۱۳۳
 ۱۳۴
 ۱۳۵
 ۱۳۶
 ۱۳۷
 ۱۳۸
 ۱۳۹
 ۱۴۰
 ۱۴۱
 ۱۴۲
 ۱۴۳
 ۱۴۴
 ۱۴۵
 ۱۴۶
 ۱۴۷
 ۱۴۸
 ۱۴۹
 ۱۵۰
 ۱۵۱
 ۱۵۲
 ۱۵۳
 ۱۵۴
 ۱۵۵
 ۱۵۶
 ۱۵۷
 ۱۵۸
 ۱۵۹
 ۱۶۰
 ۱۶۱
 ۱۶۲
 ۱۶۳
 ۱۶۴
 ۱۶۵
 ۱۶۶
 ۱۶۷
 ۱۶۸
 ۱۶۹
 ۱۷۰
 ۱۷۱
 ۱۷۲
 ۱۷۳
 ۱۷۴
 ۱۷۵
 ۱۷۶
 ۱۷۷
 ۱۷۸
 ۱۷۹
 ۱۸۰
 ۱۸۱
 ۱۸۲
 ۱۸۳
 ۱۸۴
 ۱۸۵
 ۱۸۶
 ۱۸۷
 ۱۸۸
 ۱۸۹
 ۱۹۰
 ۱۹۱
 ۱۹۲
 ۱۹۳
 ۱۹۴
 ۱۹۵
 ۱۹۶
 ۱۹۷
 ۱۹۸
 ۱۹۹
 ۲۰۰

یہ سب بچے تمول دآسودگی کی حالت میں پیدا ہوئے ہیں۔ انہوں نے جب سے آنکھ کھولی ہے کبھی نان، جامہ، مکان یا مرکب کی تکلیف نہیں دیکھی انہیں چاہیے کہ سب سے زیادہ خدا کا شکر بجالائیں۔ اور میری طرح ایسی روش اختیار کریں کہ کسی کے قرض دار نہ ہوں، نہ کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کریں۔ نہ کسی کی ملازمت کے محتاج ہوں، نہ کسی کے درباری بنیں اور نہ کسی کے خوشامدی ہوں۔ **مَنْ كَانَ يَدِيكَانَ اَلْقَدَمِ كَاءَ**۔ اور یہ حالت صرف اس خوش نصیب کو ملتی ہے جو عسر وئیسر اور نشاط و عدم نشاط والے حالات میں میانہ روی اختیار کرتا ہے اور اپنی چادر سے زیادہ پاؤں نہیں پھیلاتا اور آمدنی سے خرچ کم رکھتا ہے، اور کھانے، پہننے اور شادی و عیوہ میں اسراف سے بچتا ہے۔ یہ سارے قواعد و آداب کتبِ حدیث کے **"کتاب الرقاق"** میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان کا مطالعہ اگر ہر دن میسر نہ آسکے تو ہفتہ وار یا ماہوار تو ضرور ہی لازم ہے۔ اس سے زیادہ تاخیر کرنے میں قساوتِ قلب اور غلبہٴ معاصی کا خوف ہے۔

مسئلہ تقلید؛

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے فرقہ ناجیرا بن سنت میں پیدا فرمایا ہے۔ اور گمراہ ہونے والے بہتر فرقوں میں سے کسی میں پیدا نہیں فرمایا ہے۔

جنگ ہفتاد و دولت ہمہ را عذر بند

یہوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

ہندوستان میں دونوں مذہب کے مسلمان رہتے ہیں۔ ایک شیعہ، دوسرے حنفی۔

شیعہ کی حکومت کے زمانہ میں دنیا کے لالچ سے بہت سے شرفاء شیعہ ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے میرے والد کو خالص سستی و محمدی بنایا۔ اس ملک میں اپنی حدیث بہت کم ہوتے ہیں۔ چند اہل علم و اہل باطن جو عامل بالستہ تھے، مقاماتِ مرزا منظر جاناناں رحمہ اللہ، میں ان کا جنتہ جنتہ ذکر آیا ہے، وہ مصلحتِ وقت کے پیش نظر تتر بالفقہ رہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی بطور محدث مشہور تھے۔ لیکن محرر مذہب حنفیہ تھے۔ اس کے باوجود ان کا علم و فضل اور تقویٰ میرے نزدیک مسلم ہے۔ انہوں نے فقہاء کے طریقہ پر تادیبِ احادیث کو اختیار کیا۔ کسی جگہ تاویل صحیح ہے اور کسی جگہ صحیح نہیں۔ اس جگہ وہی میزان شعرانی رحمہ اللہ، والی بات درست ہے کہ فقہاء کا مسائل میں اختلاف تشدید و تخفیف پر محمول ہے اور سو وطن کی بہ نسبت سب کے ساتھ حسنِ ظن رکھنا سلامتی کا راستہ ہے۔ غماہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی کتب میں زائے و نقید کے اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اور اتباعِ سنت کی طرف خوب رغبت دلائی ہے۔ اور اپنی کتاب ”حجتہ اللہ البالغہ“ میں حنفی و شافعی مسائل فقہیہ کے درمیان تطبیق اور بعض جگہ ترجیح دی ہے۔ ان کے بعد شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں لوگوں کے درمیان تقلید کی بحث شروع ہوئی۔ بحث ابھی نا تمام ہی تھی کہ ان کا عہد سعادت مہد ختم ہو گیا۔ اور اس عہد کے بعد وہ علماء بھی باقی نہیں رہے جو فرقہ میں کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ متوسط درجہ کے کچھ لوگ تھے۔ ان میں سے طرفین کی طرف سے بجائے مناظرہ کے مکابره و مجادلہ کی ذہن آہنچی۔ ایک فرقہ نے وجوبِ تقلید کے اثبات اور دوسرے نے ردِ تقلید میں بہت بے عزتانی سے کمر باندھی اور تحریر و تقریر میں سب و شتم بلکہ لعن و طعن کا بھی استعمال ہوا رعیا ذواللہ:

یہ بحث یہاں تک طول کھینچ گئی کہ ایک دوسرے کی تفسیل و تکفیر تک نوبت پہنچ گئی، حالانکہ یہ مسئلہ اس قدر فلاح و زلازل کے لائق نہ تھا۔ یہ علم اصول فقہ کا ایک جزئی مسئلہ ہے۔ اور نہایت واضح ہے۔ یعنی تقلید اس کو کہتے ہیں کہ آدمی دوسرے شخص کی بات کو حجت و حرمت کے سلسلہ میں بلا دین و نص شارع قبول کرے۔ سو یہ بات ظاہر ہے کہ سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ اور کسی شے کی حجت و حرمت آپ کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتی تو اتباع آپ ہی کا چاہیے۔ کسی اور شخص کا نہیں ورنہ اسے پیغمبر ماننا پڑے گا۔ اگر کسی مجتہد نے کسی دلیل کے نہ ملنے اور نہ معلوم ہونے کی صورت میں کسی شے پر اپنے اجتہاد، رائے یا قیاس سے حکم لگایا اور بعد میں کسی دوسرے شخص پر قرآن و حدیث سے دلیل واضح ہو گئی تو وہ مجتہد معذور ہے لیکن اسے جہد و سعی کا ایک ابو ضرر ملے گا۔ گروہ شخص جسے آیت قرآن یا سنت صحیحہ پہنچ گئی ہرگز معذور نہیں ہو گا۔ اور اگر دیدہ و دانستہ نص کی مخالفت کرے گا، تو خدا اور رسول کا مخالف ٹھہرے گا۔

اس بات کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کچھ مشکل بات نہیں ہے۔ ہم نے فقہ مذاہب اربعہ کی ساری کتابیں دیکھی ہیں۔ کبھی امام مجتہد سے یہ بات منقول نہیں پائی کہ ہمارے اجتہاد کے آگے تم، قرآن و حدیث کو چھوڑ دینا، بلکہ چاروں اماموں نے اپنی اور غیر کی تقلید سے منع کیا ہے۔ ان کے اقوال خود ان کے مقلدوں کی کتابوں میں منقول ہیں۔ اس صورت میں ظاہر بات ہے کہ ان کا مقلد صحیح صادق تو وہی مسلمان ہے، جو اس قول حق میں ان کی پیروی کرے نہ وہ کہ جو ان کے اس قول کی مخالفت کرے۔ کیونکہ وہ تو ان کا مخالف ہوا نہ کہ مقلد، علاوہ انہیں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ سے فقہ کے جتنے مسائل منقول ہیں،

خواہ خاص ان کے اقوال ہوں یا ان کے تلامذہ و اصحاب کے، وہ سارے احکام قرآن و حدیث کے خلاف نہیں ہیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو مذہبِ اہل حدیث ان کے دائرہ سے خارج ہو جاتا۔ بلکہ سنتِ صحیحہ سے جتنے مسائل ثابت ہیں وہ ان چاروں مذاہب کے اندر منتشر اور موجود ہیں۔

چہ خوش گفت دانا کہ دانش بے ست

ولیکن پراگندہ باہر کسے ست!

ائمہ اربعہ کے درمیان اصولِ مذاہب میں کچھ اختلاف نہیں ہے۔ صرف باہر مسائل میں مانزید بہ اور اشعریہ کے درمیان نزاع لفظی سے مشابہ قدرے اختلاف ہے۔ فروعی مسائل میں بھی اس طول و عرض کے باوجود چار سو سے زیادہ مسائل میں اختلاف نہیں ہے۔ پھر جب انہیں تشدید و تخفیف پر محمول کیا جائے۔ جیسے علامہ شعرانی نے کیا ہے۔ یا توفیق و تطبیق دی جائے، جیسے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے کیا ہے تو پھر تو بہت تھوڑے مسائل باقی رہتے ہیں۔ جن میں مسابیح تزیج و تضعیف ہو۔ پھر خاص طور پر حنفی مذاہب میں تو ہر مسئلہ مذہبِ اہل حدیث کے مطابق ملتا ہے۔ بشرطیکہ امام اعظم، امام ابو یوسف یا امام محمد کے مذاہب کی قید نہ لگائی جائے، بلکہ ان میں سے جس کا مذاہب یا قول ظاہر سنت کے موافق ہو اسے مفتی یہ ٹھہرایا جائے۔ اسی لیے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ:

”مذہبِ حنفی سب مذاہب سے زیادہ حدیث کے موافق

ہے۔ لیکن اکثر لوگ عصبیت کی وجہ سے ایسا نہیں کہتے ہیں اور

اہل حق سے اپنی رائے کی مذمت سنتے ہیں۔ پھر جو شخص اپنے

دین پر بخل رکھتا ہو، تقویٰ و احتیاط اس کا شعار و دثار ہو تو وہ

مذہب صحیح، ارجح المذہب اور اقوی الاقوال کو اختیار کرے گا۔ اور اتنی بات سے نہ وہ مذہب مختار سے خارج ہوگا، نہ تغلیل و تکفیر کا مستحق ہوگا! بلکہ حنفی بدستور حنفی اور شافعی بدستور شافعی رہے گا۔

ہمیں ساری امت میں کوئی عالم باعمل، صاحبِ خشیت، طالبِ آخرت اور ناجرِ عقیبی ایسا نہیں ملا جو اس جمود کے سانچے کسی مذہب کا مقلد ہو کہ وہ کسی جزئی یا کلی مسئلہ میں اپنے امام منبوع کے خلاف کوئی قول اختیار نہ کرے۔ اگر ادنیٰ سا اختلاف بھی ناقضِ تقلید ہے تو پھر دنیا میں تقلید کا وجود ناپید ہوگا۔ اور مقلد بھی مقلد نہیں بلکہ متبع ٹھہریں گے۔ اگر بعض مسائل میں اختلاف ناقضِ تقلید نہیں تو دس بیس بلکہ سو پچاس مسائل میں اختلاف سے بھی تقلید ضائع نہیں ہوگی۔ خصوصاً جب کہ ان مسائل کو ترک کیا جائے، جن کی کتاب و سنت میں کوئی دلیل نہیں یا جو مسائل منطوق و مفہومِ قرآن کے صریحاً خلاف ہیں۔ ایسے شخص پر ترکِ تقلید کی وجہ سے لعن طعن کرنا ظلمِ عظیم ہے۔ بالخصوص جب کہ تمام کتاب اللہ میں اس تقلیدِ کذائی کے جواز میں ایک حرف بھی نہ ملتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے تقلید کو اہل کتاب و مشرکین کا طرزِ عمل بیان کر کے اس کی تردید فرمائی ہو۔ سنتِ صحیحہ کا بھی یہی حال ہے کہ اس میں نہایت شد و مد کے ساتھ اعتصام بالکتاب والسنۃ کا مطالبہ کیا گیا ہے اور رائے سے تذبذب فرمائی گئی ہے۔

رہی یہ بات کہ جس طرح متبعینِ سنت، مقلدین کو بُرا کہتے ہیں۔ اسی طرح مقلدین بھی متبعین کو بُرا سمجھتے ہیں۔ اس کی وضاحت کے لیے یوں سمجھئے کہ اگر کوئی متبع کسی معینِ امام یا عالم پر طعن و قدح کرتا ہے تو وہ

غیبت کرتا ہے اور غیبت زنا سے بھی بدتر ہے۔ اور آحاد مسلمین کی غیبت کرنا حرام ہے۔ پھر جو ائمہ و علماء آخرت کی غیبت کرتا ہے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ تو وہ لعن طعن اسی غیبت کرنے والے پر واپس آتی ہے۔ اور یہ بدگوئی روافض کا مذہب ہے اہل سنت کا نہیں۔

اور اگر وہ متبع مجرد فعل تقلید کو ناجائز، بدعت یا شرک بتاتا ہے اور اس کی دین بھی بیا کرتا ہے۔ تو اسے ہرگز بُرا نہیں کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ جوأت اس قائل پر نہیں بلکہ خدا و رسول پر ہوگی، اور خدا و رسول کا استحقاق کرنا کفر بواح ہے۔ اور خدا و رسول کو گالی دینے والا تو قتل کا مستحق ہے۔ اسی طرح اگر مقلد متبع کو بُرا سمجھتا ہے تو اس کی یہ حرکت متبع کی حرکت سے بھی بُری ہے۔ اس لیے کہ اس نے بُرا کہا تھا تو تقلید کو بُرا کہا تھا یا اپنی بیوقوفی سے کسی معاصر و ہمسر کو بُرا کہا تھا اور اس نے جو بُرا کہا تو اتباع کو بُرا کہا اور اللہ اور رسولؐ کی بے ادبی کی۔ خدا اور رسولؐ کا مرتبہ علماء و مجتہدین امت سے کم نہیں بے حد زیادہ ہے۔ اور جو کم سمجھے وہ دائرہ اسلام سے دست کش ہے۔ بلکہ اللہ اور رسولؐ کی توبہ شان ہے کہ ساری امت کے علماء و اولیاء، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کا تو کیا ذکر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے۔ یہ تقابل اگر کفر بواح نہیں ہے تو کیا ہے؟ اتباع ایسی چیز ہے جو شرعاً مایوسہ ہے۔ اور تقلید نصاً منہی عنہ ہے۔ اب ان دونوں شخصوں کے اقوال میں جو تفاوت ہے وہ مخفی نہیں۔

الحمد للہ کہ میں نے آج تک کسی مقلد مذہب کو بالاختصاص برا نہیں کہا، اگرچہ ردِ تقلید میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اور میں کسی مقلد صادق، صحیح الارادۃ، حسن العمل، منقح شخص کو بُرا نہیں جانتا۔ اور عوام متبعین جو علم و عمل سے بے بہرہ ہیں ان

کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ فریقین کی افراط و تفریط نے اس دور میں تو دین کو بالکل لہو و لعب بنا کر رکھ دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب نہ فقہاء باقی رہے ہیں اور نہ عامل بالحدیث۔ بس تلاعب باقی رہ گیا ہے۔ اور اُمم سابقہ والارضِ قدیم ان لوگوں میں بھی مروج ہو گیا ہے جو اپنی سنت کھاتے ہیں۔ وکان امر اللہ قدراً مفقوداً

لطفِ حق ہاتھ مواسا ہا کسند
چونکہ از حد بگذرد رسوا کند

برادرِ مرحوم کا سلوک:

جب والد مرحوم کا انتقال ہوا تو گھر میں ان کا کتاب خانہ، ہتھیار، اورد پارچہ وغیرہ سامانِ متروکہ موجود تھا۔ بڑے بھائی نے جس طرح چاہا تصرف کیا، مجھے کوئی چیز نہ ملی۔ سوائے ان چند کتابوں کے جو برادرِ مرحوم کے انتقال کے بعد ملیں۔ میں نے اپنے حصہ کی بابت بھی اپنے بھائی سے مزاحمت یا مطالبہ نہیں کیا۔ بلکہ جو چیز میری تھی اور انہوں نے مجھ سے لے لی، میں نے سکوت کیا اور اس کے عوض اللہ نے مجھے اتنا دیا جو حساب سے باہر ہے بلکہ افسوس ہے کہ آج وہ زندہ نہیں۔ اگر ہوتے اور والدہ و اخوات بھی موجود ہوتیں تو ان کی خدمت کا حقہ بجالانا۔ لیکن یہ آسودگی مجھے ان سب کے انتقال کے بعد نصیب ہوئی۔ میں نے والدین، برادر اور ہمیشہ گان کی طرف سے حجِ اسلام، سرائے، مسجد، پل وغیرہ صدقات ادا کر دیئے ہیں۔ اللہ ان سب پر رحم فرمائے۔

میری نگاہ میں دنیا کی اتنی حقیقت بھی نہیں ہے کہ مسلمان اس کی وجہ

سے لڑائی بھگڑا کرتا رہے یا اعزہ و اقارب سے سبھل سے پیش آئے۔ مجھے میری اولاد، شرعی محبت کے ساتھ اس قدر محبوب ہے کہ میں ان سے کسی چیز کے متعلق دریغ نہیں کرتا ہوں۔ میری حیات میں ہر ایک کا گھر بار، معاش جائیداد اور کتاب خانہ وغیرہ ہر طرح کا سامان علیحدہ علیحدہ ہے تاکہ میرے بعد حصص و سهام نہ کہ وغیرہ کی تقسیم میں کوئی نزاع پیش نہ آئے، واللہ الحمد! اور میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میرے بعد اللہ کے سوا کسی کے محتاج نہ ہوں، اور جس طرح اس نے مجھ پر اپنا فضل عمیم کیا ہے، اسی طرح دونوں جہانوں میں ان کا بھی تکفل رہے۔ وَهُوَ يَتَوَكَّلُ عَلَى الصَّامِتِ الْجَمِينِ! ۱۷

خواب؛

میں نے کچھ نیک خواب دیکھے ہیں، کچھ دوسرے لوگوں نے بھی میرے متعلق اچھے خواب دیکھے، لیکن میں ان خوابوں میں سے کسی پر اعتبار نہیں کرتا اگرچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "يَذَاهَا الرَّجُلُ الْمُسْلِمُ أَوْ تُرَى كَمَا"۔ اس لیے کہ مجھے اپنا عاصی، گناہگار، اور نابکار ہونا بالیقین معلوم ہوتا ہے۔ اور صلاح منطون بھی نہیں۔ اس لیے میرے خواب پریشیاں کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور دوسروں کے خوابوں کا اس لیے اعتبار نہیں کہ شاید وہ ان کے حسن ظن پر مبنی خیالات ہوں۔

ایک شخص نے بشر حافی رحمہ اللہ سے کہا تھا کہ میں نے تمہیں جنت میں ناز سے چلتے دیکھا ہے۔ فرمانے لگے کہ شیطان کو تیرے اور میرے سوا کوئی نہ ملا جس سے وہ مسخرا پن کرتا ہے

۱۷ الاعراف: ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷، ۱۴۲۸، ۱۴۲۹، ۱۴۳۰، ۱۴۳۱، ۱۴۳۲، ۱۴۳۳، ۱۴۳۴، ۱۴۳۵، ۱۴۳۶، ۱۴۳۷، ۱۴۳۸، ۱۴۳۹، ۱۴۴۰، ۱۴۴۱، ۱۴۴۲، ۱۴۴۳، ۱۴۴۴، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۴۸، ۱۴۴۹، ۱۴۵۰، ۱۴۵۱، ۱۴۵۲، ۱۴۵۳، ۱۴۵۴، ۱۴۵۵، ۱۴۵۶، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸، ۱۴۵۹، ۱۴۶۰، ۱۴۶۱، ۱۴۶۲، ۱۴۶۳، ۱۴۶۴، ۱۴۶۵، ۱۴۶۶، ۱۴۶۷، ۱۴۶۸، ۱۴۶۹، ۱۴۷۰، ۱۴۷۱، ۱۴۷۲، ۱۴۷۳، ۱۴۷۴، ۱۴۷۵، ۱۴۷۶، ۱۴۷۷، ۱۴۷۸، ۱۴۷۹، ۱۴۸۰، ۱۴۸۱، ۱۴۸۲، ۱۴۸۳، ۱۴۸۴، ۱۴۸۵، ۱۴۸۶، ۱۴۸۷، ۱۴۸۸، ۱۴۸۹، ۱۴۹۰، ۱۴۹۱، ۱۴۹۲، ۱۴۹۳، ۱۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۴۹۸، ۱۴۹۹، ۱۵۰۰، ۱۵۰۱، ۱۵۰۲، ۱۵۰۳، ۱۵۰۴، ۱۵۰۵، ۱۵۰۶، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹، ۱۵۱۰، ۱۵۱۱، ۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۱۴، ۱۵۱۵، ۱۵۱۶، ۱۵۱۷، ۱۵۱۸، ۱۵۱۹، ۱۵۲۰، ۱۵۲۱، ۱۵

بچہ غلام آقام ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شہم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

مجتہد نہ مجدد؟

مجھے مجتہد ہونے کا دعویٰ ہے نہ مجدد ہونے کا، اگرچہ یاروں نے مجتہد مجدد سب کچھ بنا دیا ہے۔ وہ واقعی بڑی سنجیدگی سے اس کا اظہار کرتے ہیں تاہم میں سمجھتا ہوں کہ شاید بطریق ہزل کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ مجھے بخوبی معلوم ہے کہ مجھ میں کوئی شرط اجتہاد، کوئی صورت تجدید اور کوئی وصف مولویت موجود نہیں ہے۔ بلکہ میں ان الفاظ سے سخت پریشان خاطر ہوتا ہوں، اور اپنے لیے ان کا استعمال پسند کرتا۔ حدیث میں فرمایا ہے:

الْمُتَشَبِّهِ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَامًا يَسِّرُ
تَوْبِي زُورًا ۝
ایسی چیز کے ساتھ میرا ہونا ظاہر کرنے والا
جو وہ نہ دیا گیا ہو اس شخص کی مانند ہے جو

جھوٹ کے دو کپڑے پہننے والا ہے ۝

اکثر لوگ ظاہر پرست ہوتے ہیں، بعض احوال ملاحظہ کرنے کے بعد ان کا ایسا حکم لگانا لائقِ سند نہیں۔ میرے ہاتھ سے کتب فقہ سنت کا رواج ہوا اور عربی، فارسی اور اردو ہر سہ زبانوں میں عرب و عجم تک پہنچیں۔ اسی بنیاد پر بعض معاصرین نے مجدد لکھ دیا۔ اور مسائل کو دلائل کے ساتھ مربوط دیکھ کر مجتہد ٹھہرا دیا۔ یہ کوئی خاص اہمیت کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ساری امت کے علماء سے یہ عہد لیا ہے کہ وہ اللہ کی آیات کو اس کے بندوں پر واضح کریں کہ کتابِ علم پر آگ کے انجام کی وحید آئی ہے۔ حالانکہ میں وظائفِ علم سے بالکل علیحدہ رہتا ہوں۔ نہ کبھی درس و تدریس کرتا ہوں، نہ کسی کو شاگرد بنانا

ہوں، انہ آج تک کسی فتویٰ پر دستخط کئے، نہ کسی کا مرید ہوں، اور نہ کسی کو مرید و معتقد کرنا چاہتا ہوں، بلکہ خادم کتاب و سنت ہوں، اور وہ بھی اس لیے کہ اولاً اپنے نفس کو مذہب بناؤں اور پھر اگر توفیق رفیق ہو تو دیگر مسلمانوں کو بھی میری کتابوں سے نفع پہنچے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ڈر ہے کہ کہیں یہ علم حساب کے دن مجھ پر حجت نہ بن جائے۔ اس لیے کہ عالم بے عمل کی، جاہل کی پر نسبت سزا جزا بہت سخت ہے۔ پھر یہ نسبت سیادت، مضاعفتِ عتاب کی دوسری دلیل ہے اور عیسوی بلاتالیفات ہیں۔ جو عدمِ اخلاص کی صورت میں مؤلف کے لیے وبال ہیں۔

واللہ! باللہ! عوام مسلمین اور جہاں مٹو نہیں مجھ سے دنیا و دین میں ہزار درجہ بہتر ہیں۔ دنیا میں اس لیے کہ وہ ان مباحث، شکوک اور ریا سے بالکل الگ ہیں۔ جن میں علماء و فقہائے وقت گھرے ہوئے ہیں۔ سیدھے سادے ایمان دار، کلمہ گو، پابندِ صوم و صلوة اور حاجی ہیں۔ اور دین میں اس لیے کہ جہاں سے ان کی جہالت اور نادانی کی وجہ سے جو ان کی معاصی سے تجاوز کیا جائے گا۔ وہ علماء سے نہ ہوگا۔ غرضیکہ میری جان محجبِ خطہ میں گرفتار ہے۔ اللہ فضل کرے گا تو بیڑا پار ہے ورنہ ہلاکت تو نقدِ وقت ہے! اللہم غفر!

فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی؛

میرے پاس جتنا مال ہے اس کی ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا ہوں۔ بلکہ زکوٰۃ سے کچھ زیادہ ہی دے دیتا ہوں۔ اگرچہ زکوٰۃ کی مقدار کئی ہزار تک پہنچ جاتی ہے۔ میرے پاس نقدین کے سوا اور کوئی زکوٰۃ طلب مال بھی نہیں ہے۔ کتاب خانہ

کو میں نے اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا ہے۔ میں اس کا مالک نہیں ہوں، علاوہ ازیں خزانہ کتب پر زکوٰۃ واجب بھی نہیں ہے۔ خصوصاً جب کہ عالم ان کا محتاج ہو۔ خواہ یہ احتیاج ہر ماہ و سال نہ ہو بلکہ گاہے گاہے پیش آئے۔ بحمدہ تعالیٰ میری اولاد بھی ہر سال زکوٰۃ ادا کرتی ہے۔ ادا ان میں کوئی بھی مسک و بخیل نہیں ہے۔ میرے پاس کوئی ذاتی جائیداد نہیں۔ میں ریٹیرڈ معتمد کے گھر میں مستقر رہتا ہوں۔ جس دن مر گیا اس دن سے میرا گھر خانہ گور ہو گا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین میں کسی ایک جگہ موت دی، جس کی تمتا دامن گیر ہے تو محض اللہ کا فضل ہو گا۔ مجھے معلوم ہے کہ مرزا مظہر جانجاناں کراہیہ کی خانقاہ میں رہتے تھے۔ استطاعت کے باوجود گھرتہ بنایا۔ پوچھا گیا تو فرمایا:

”جب چھوڑ ہی جانا ہے تو اپنا گھراؤ و خیر کا گھر برابر

ہے“۔

داشت لقمان یکے کر سچہ تنگ
چوں گلو گاہ نائے دسبندہ جنگ
بوالفضولے سوال کردازوے
کیں چہ خانہ ست یک بدوسہ نے
بادم سروو چشم گریاں پیر
گفت ”ہذا لمن یبوءت کثیر“

”نور محل“ جس کے مردانہ و زنانہ تین قطعے الگ الگ ہیں، وہ میرے تینوں بچوں کا غریب خانہ ہے۔ پونے دو لاکھ روپے میں تیار ہوا، پھر اور بہت کچھ اس پر صرف ہوا۔ مسجد نور محل خانہ خدا ہے وہ کسی کی ملکیت

نہیں ہے۔ میں نے نیت کر لی تھی کہ میرے مال میں جو خالص حلال ہوگا، وہی اس مسجد پر صرف ہوگا۔ چنانچہ تیس ہزار روپیہ اس مسجد کی تعمیر میں صرف ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس خدمت کو شرف قبولیت بخشے تو زہے سعادت۔ یہ سب توفیقِ ربیہ معقلہ کی وساطت سے ملی ہے، جن کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ابوابِ رزق کھول دیئے۔ ورنہ چہ من و چہ مہر من۔“

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا مِثْلَ مَا تَقَبَّلْتَ مِنَّا أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

حسب و نسب کی چند باتیں؛

میرے علم کے مطابق حضرت مخدوم کے زمانہ سے آج تک ہمارے خاندان میں کوئی بی بی نسب نامہ کے اعتبار سے غیر کفو نہیں آئی۔ البتہ تین عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

ایک والدہ محترمہ کہ وہ حضرت عثمانؓ کے خاندان سے تھیں۔

دوسری میری اولاد کی والدہ کہ وہ صدیقی النسب تھیں۔ اور

تیسری ربیہ عالیہ کہ یہ قوم افغان سے تعلق رکھتی ہیں۔

باقی جملہ ازواجِ قدیمہ و محدثہ بنی فاطمہ ہی سے تھیں، اب جو اولاد کی شادی ہوئی ہے۔ تو پھر خاندانِ ساداتِ صحیح النسب سے قرابتِ جاہلی ہے۔ ولہ الحمد!

عربیتِ قوم، سیادتِ نسب اور عربیتِ لغت وہ شرفِ عظیم ہے

جو ہمیں جنابِ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم سے اتصالِ طینی و دینی بخشا ہے۔ ربیہ سے کچھ اولاد نہیں ہوئی، البتہ اولادِ معنوی یعنی تالیف و اشاعت

کتب، جو کہ سعادت کے اعتبار سے اولاد و ذریتِ ظاہری سے بالاتر ہے۔ یہ توفیقِ حصولِ جاہ و فرصت کے سبب نصیب ہوئی۔ اگر تیسری عالمیہ سے نکاح نہ ہوتا تو بظاہر ان کتبِ دینی کی اشاعت کی کوئی صورت نہ تھی۔ **فِعْمَالِ الْمَالِ الصَّالِحِ لِلرَّجُلِ الصَّالِحِ۔**

میں اللہ تعالیٰ سے اُمید رکھتا ہوں کہ میری اولادِ ظاہری حسب کے ساتھ ساتھ حفظِ نسب اور صحتِ ولادت کے لیے نہایت اہتمام رکھے گی۔ اور سیادتِ نسب کو شرفِ عظیم سمجھے گی۔ اگرچہ تقویٰ و طہارت کے بغیر آدمی میں کوئی بزرگی نہیں۔ اگرچہ میں مشِ دو دھارِ آتش اور مانندِ کرمِ تنگ آب ہوں اور اپنی کثرتِ عصیان کے باعث سخت نادم و بدنیاب، لیکن میرے آباؤ اجداد اور امہات سب علماء و اولیاءِ گزرے ہیں۔ **اَلَا مَا شَارَ اللّٰهُ!**۔

ہر جا کہ از بلندی و پستی سخن رود

از آسماں بلند تر از خاک کمتریم

مجھے اور میری اولاد کو اس بات کی غیرت کرنی چاہیے کہ ہم سب ان کے مبارک لاسنہ سے انحراف نہ کریں، دنیا کو دین پر ترجیح نہ دیں۔ دُنیا تو ایک خواب ہے۔ سراب ہے، ڈھلنتی چھاؤں ہے، نہ کسی کے پاس تھمی ہے نہ ہتھے گی۔ وہ چیز جو قبر میں ساتھ جائے گی، وہ اعمالِ صالحہ اور علومِ نافعہ ہیں۔

اس خاکدان میں زندگی کا وقفہ بہت کم ہے، اور بیزخ کا طول بہت زیادہ۔ پھر حشر کا دن تو پچاس ہزار برس کا ہو گا۔ آخرت کی دائمی نعمتوں کے لیے اس جہانِ فانی میں تکلیف یا تشویش کے ساتھ چند سال بسر کرنا فرض ہے۔ اگر یہ قلیل وقت ضائع ہو گیا تو پھر سمجھو کہ خیر کثیر سے محرومی نصیب ہوئی۔ **اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!**

بیک تغافل از آشفته خاطر ی رم کن !
 مژہ بہمن داین بزم جملہ برہم کن
 براختہ بدلت گر رسیدہ ست اسے ددا!
 تواز گداختن خویش فکر مرہم کن

زندگی کے چند سفر؛

میں نے تمام عمر میں چند سفر کئے ہیں۔

ایک سفر طلب علم کے لیے تھا۔ اس سفر میں فرخ آباد، کانپور میں صرف
 و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر دہلی جا کر تحصیل کو پورا کیا۔

دو ٹرے سفر طلب معاش کے لیے تھا۔ بھوپال آکر نوکری کی اور آٹھ ماہ
 ٹونک میں بھی رہا۔ اس کے علاوہ کسی اور جگہ نوکری نہیں کی۔

تیسرا سفر حرمین شریفین کا تھا۔ یہ آٹھ ماہ میں ختم ہوا۔

چوتھا سفر ریشمہ عالیہ کے ہمراہ بمبئی، احمد آباد، کلکتہ، دہلی، وراگرہ
 کا۔ اس سفر میں لارڈ ناٹھ بروک، لارڈ لٹن، لارڈ رین اور دیگر حکام سے

ملاقات و مصافحہ ہوا۔ اور عجائب بلاد و عباد دیکھے سے

بدل اگر نخلد آنچہ در نظر گزرد

خوشاروانی عمر سے کہ در سفر گزرد

ان میں سے بعض سفر قطعہ عذاب تھے اور بعض وسیلہ ظفر اب

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید سفر آخرت کے علاوہ کسی اور سفر کا اتفاق

نہ ہو۔

چشم پوشیدہ تو ان کو سفر

چہ قدر راہ فنا ہموار ست

والد مرحوم کے زمانہ سے اب تک کا اگر خیال کیا جائے تو میرے
خاندان میں اپنے والد، بھائیوں اور بہنوں کی بہ نسبت میری عمر زیادہ ہوئی
ہے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عَمْرِيْ آخِرَةً ۱

طلبِ معاش میں احتیاط :

میں نے حصولِ معاش کے لیے کبھی دروغ گوئی، بالا خوانی، مکرو فریب اور
چالاکي نہیں کی۔ حالانکہ مجھے معلوم تھا کہ دنیا جھوٹ سے ملتی ہے۔ اور میں نے
اس زمانہ میں جس کسی عامی عالم کو دیکھا اسے مدامین ہی پایا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی
دیکھا کہ کوشش و کوشش کے باوجود مقدارِ مقسوم سے کچھ زیادہ ان کے ہاتھ
نہ آیا۔ دین گیا، دنیا بھی ہاتھ نہ آئی، اگر وہ لوگ قناعت کرتے اور نفاسِ نفاس
کو سعیِ دنیا میں برباد نہ کرتے، تب بھی انہیں اتنا ہی ملتا اور دین بھی سلامت
رہتا۔ لیکن شیطان انسان کا آبائی دشمن ہے۔ کم ہی لوگ اس کے دامِ مکہ
سے بچتے ہیں، اور یہ سب سے زیادہ اہلِ علم و اہلِ دین ہی کو پھانستا ہے
کیونکہ دنیا داروں کی طرف سے نازعِ البال ہے۔ اس لیے کہ وہ اصل فطرت کے
اعتبار سے اسی کے غلام و پرستار ہیں۔ بلکہ ان میں بعض تو درہم و دینار کے

ایسے پجاری بھی ہیں کہ شیطان کو ان کی شاگری پر فخر ہے۔

رَكُنْتُ امْرَأًا مِّنْ جُنْدِ ابْلِيسَ فَكَرْتَقِي

بِنِي اَلْحَالِ حَقِّي صَارَ ابْلِيسَ مِّنْ جُنْدِي

میں یہ نہیں کہتا کہ مجھے کسبِ دنیا کی عقل نہیں ہے۔ بلکہ اکثر لوگوں سے

زیادہ ہے۔ لیکن میں طبعی طور پر ان افعال کی جرأت نہیں کرتا جن سے دنیا باہر آتی ہے۔ اور اس سے عدم جرأت کی وجہ یہ ہے کہ مجھے ان امور کا انجام اور آخرت کی سزا معلوم ہے۔ اور اگر یہ حجاب نہ ہوتا تو میں بھی اہل دنیا کے عقدر کے زمرہ میں شمار بلکہ مشارالہیہ ہوتا۔ لیکن اللہ کا مجھ پر احسان ہے کہ اس نے مجھے ہر جعل و فریب، نمک حرامی و خود غرضی، مال حرام و سرفراہ، غصب و رشوت اور ربا و ریا سے بچایا۔ لَا أَحْصِي كُنُوءَ عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَتَمَّيْتُ عَلَى نَفْسِكَ۔

پسندیدہ بات:

جو بات اپنے لیے پسند کرتا ہوں، وہی سارے مسلمانوں کے لیے پسند کرتا ہوں۔ مثلاً یہ چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے چھوٹے گناہوں سے محفوظ رکھے، تو حید غالی اور اتباع سنت کے ساتھ آراستہ کرے، ایسی محتاجی نہ دے جس کی بنا پر دین سے بیزاری پیدا ہو، اور جملہ مہلکات سے بچا کر منجیات کی توفیق بخشنے وغیرہ وغیرہ۔

یہ تمام باتیں تو دل سے تمام مسلمانوں کے لیے بھی پسند کرتا ہوں۔ جو مسلمان خلاف شریعت کوئی کام کرتا ہے تو مجھے اس پر تعجب ہوتا ہے کہ یہ کیسا مسلمان ہے؟ خصوصاً جب کسی مسلمان کو حقوق العباد ضائع کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو سخت تعجب ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کا مواخذہ سخت تر ہے، اور زیادہ تر لوگ اسی میں مبتلا ہیں۔ بلکہ بعض لوگ حقوق خدا میں تو کم قصور کرتے ہیں۔ لیکن حقوق عباد میں ان سے سخت فتور ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ایسا گناہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک نہیں بخشنے گا جب تک صاحب حق

معاف نہ کر دے یا بدلہ نہ لے لے۔

حقوق العباد :

میرے ذمہ اولاد و اقارب کے جتنے حقوق ہیں، میں حتی المقدور شریعت کے مطابق انہیں ادا کرتا ہوں۔ اگر کوئی شخص میرا حق ادا نہ کرے تو خاموش رہتا ہوں۔ باقی رہے احباب و اغیار کے حقوق وغیرہ، تو اکثر لوگ شرعاً اس کے مصداق نظر نہیں آتے ہیں۔ اہد جو نادر طور پر لوگ ملتے ہیں، ان کے ساتھ جس قدر ممکن ہو، مراعات کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں نے ہزل لہا روپے قرض لیے اور نہ دیئے۔ میں نے ان میں سے اکثر کو معاف کر دیا ہے۔ اہد ان کا مٹا خذہ خدا کے ذمہ نہیں رکھا۔ اور کسی نے آدھا دیا، آدھا نہ دیا۔ اہد کسی نے دس روکا دے کر کچھ مال لے لیا۔ مَن حَكَّدَ عَنَّا بِاللَّهِ انْحَدَّ عَنَّا كَلْ!

دیدیم ہر کسے بجا ہاں ہو شیار بود

کردیم طرح عالم مستی برائے خویش

اور شاذ و نادر ایسے بھی تھے جنہوں نے پورا قرض دے دیا۔ بہت سے

لوگ میرے سامنے پروردہ تقریر کر کے اپنا کام نکال لے جاتے ہیں۔ اور میں ان کو

خوب جانتا پہچانتا ہوں۔ لیکن ان پر ظاہر نہیں کرتا کہ تم ایسے ہو۔ میں اللہ تعالیٰ کا

بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ میں طبعی اور عملی طور پر ان جیسا نہیں ہوں۔

دنیا بیچ ست و کار دنیا بیچ ست

بیچ ست تمام این تماشا بیچ ست

یک عمر فریب این دنیا خوردیم

آ خوردیم ایکہ دنیا بیچ ست

اس کے باوصف میرا خیال ہے کہ وہ مجھ سے بہتر ہیں۔ اس لیے کہ اگر ان میں یہ ایک نقص ہے تو صدا ہنزو کمال بھی موجود ہیں۔ اور میں اگرچہ ایک فریب دنیا داری میں ان کا شریک نہیں ہوں تو کیا ہوا، مجھ میں ان کی نسبت صدا ہمزو زیادہ ہیں۔ تو وہی بہتر ہوئے اور پھر عصمت نہ میرے لیے ہے، نہ ان کے لیے۔

هَنْ ذَا الَّذِي مَأْسَاءَ قَطَّ
وَمَنْ لَهُ الْحَسَنَى قَطَّ

اور جس نے مجھ سے امانت و دیانت کے خلاف کوئی کام کیا یا کرے گا اور میں اس پر صابر و خاموش رہا یا آئینہ تجاہل کروں، تو اس کا یہ معاملہ میرے لیے موجب مغفرت اور اس کے لیے موجب عقوبت ہو گا۔ جو مسلمان فاجر العمل ہو اور اللہ کو اس کا بخشنا منظور ہو تو اسے اسی جہلہ سے بخش دینا ہے کہ وہ لوگوں کے میں جوں اور آفات پر تحمل کرتا ہے۔ اور یاروں کے غصب و فریب کا انتقام نہیں لیتا۔



باب سوم

سونے کے آداب:

جب دعوات کو سوتا ہوں تو تسبیح فاطمہ رضی اللہ عنہا، آیت الکرسی، سورہ فاتحہ ہر چار قل، سید الاستغفار، اور کلمہ توحید و تمجید وغیرہ پڑھ کر سوتا ہوں، اور تمام ظاہری و باطنی گناہوں سے توبہ کر کے نیند میں جاتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ نیند میں روح جسم سے آسمان کی طرف چڑھتی ہے۔ اگر ظاہری و باطنی طہارت پر نیند آتی ہو تو اسے اللہ کے سامنے سجدہ کا اذن ملتا ہے، ورنہ اس درگاہ میں داخل ہونے سے باز رہ کر خارج از درگاہ کھڑی رہتی ہے۔ سجدہ نہیں کر سکتی۔ اور گناہ گار ٹھہرتی ہے۔ علیٰ خواص نے شیخ افضل الدین سے کہا تھا:

إِنَّكَ أَنْ تَنَامَ عَلَى حَدِيثِ ظَاهِرٍ
 أَوْ بَاطِنٍ مِنْ مَحَبَّةِ الدُّنْيَا وَ
 شَهْوَاتِهَا فَرَسًا أَخَذَ اللَّهُ تَعَالَى
 بِرُوحِكَ تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَتَلْقَى
 ظاہری اور باطنی حدیث پر سونے سے اپنے
 کو بچاؤ۔ باطنی حدیث جیسے کہ دنیا کی
 محبت اور شہوات کیونکہ ممکن ہے اس
 بات اللہ تعالیٰ تمہاری روح کو پکڑے اور

اللَّهُ تَعَالَى وَهُوَ عَلَيْكَ غَضَبَاتٍ
 بِحَسَبِ قُبْحِ ذَلِكَ الذَّنْبِ لَدُنِّي
 نِمْتٌ عَلَيْكَ وَقَدْ قَالَ تَعَالَى "أَنَا
 الَّذِينَ مَكْرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يُخْفِيَ
 اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ - الْآيَةُ - فَمَنْ
 نَامَ عَلَى مَحَبَّةِ الدُّنْيَا وَمَاتَ فِي
 تِلْكَ النُّومَةِ حَشْرًا مَعَ مَبْغُوضٍ
 لِلَّهِ لَمْ يَنْظُرْ إِلَيْهِ مِنْدُ حَلْقَةٍ"

اللہ سے ملاقات کرو اور وہ تم سے اس گناہ
 کی قباحت کی بنا پر ناراض ہو جس پر تم سوتے
 تھے اور اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں کہ کیا برائیوں
 کا ارتکاب کرنے والے اس بات سے
 بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں
 دھنسا دے، "الآیۃ جو آدمی دل میں محبت
 دنیا لیے سویا اور اسی نیند میں فوت ہو گیا
 تو اس کا حشر اللہ کے اس مبعوض شخص
 کے ساتھ ہوگا جس کی طرف اللہ نے اس

کی پیدائش سے لے کر کبھی نظر رحمت سے نہیں دیکھا ہوگا،

الحاصل یہ کہ حدیثِ اکبر یا اصغر، ظاہری یا باطنی مثلاً کینہ، مکر و فریب،
 غل و حسد اور نقص مسلم وغیرہ کی حالت میں سونا مکروہ ہے، اسی طرح انسان
 جب بیند سے بیدار ہو تو سارے گناہوں اور شہوات وغیرہ سے توبہ کرے۔
 شاید ناگہاں موت آجائے اور ملک الموت توبہ کی مہلت نہ دے۔ پس
 اسے لوگو! ظاہری و باطنی طہارت پر سونے کو اپنا معمول بنا لو۔ سستی نہ کرو، درنہ
 آخرت میں ندامت اٹھانی پڑے گی۔

اورادو و وظائف:

کھانے پینے کے وقت ہمیشہ شرعی آداب کو ملحوظ خاطر رکھتا ہوں یعنی شروع
 "بسم اللہ" سے کرتا ہوں اور آخر میں حمدِ الہی کہتا ہوں اور تناولِ طعام سے
 فراغت کے بعد دعائے مسنون پڑھتا ہوں۔ کپڑا پہنتے اور بیت الخلاء جاتے

وقت کی جو دعائیں منقول ہیں، وہ بھی پڑھا کرتا ہوں۔ شروع میں بسم اللہ اور دعائوں میں کلمہ شہادت اور دعا راقیہ کا ورد کیا کرتا ہوں۔ بعد دعا وسیلہ اور حضرت کے نام مبارک کو کسی وقت بھی، اذان کے اندر یا باہر سن کر مستون درود پڑھنا بھی میری عادت ہے۔ ولہذا الحمد!

رمضان المبارک میں سارا ماہ یہ معمول رہتا ہے کہ سحری کے بعد آخر شب میں نہایت التزام کے ساتھ بارہ رکعت نماز تہجد پڑھا کرنا ہوں، اور مرض کے علاوہ قضا نہیں کرتا۔ اسی طرح عام طور پر ایک ختم قرآن شریف تراویح میں اور ایک قرآن شریف تلاوت میں سنتا اور پڑھتا ہوں۔ ایک مدت دراز تک روزانہ ”دلائل الخیرات“ اور ”حزب اعظم“ کی تلاوت و قراءت کا بھی اتفاق رہا ہے۔

لَقَدْ كُنْتُمْ دَهْرًا قَبْلَ أَنْ يَكْتَفَى الْعِظَا

إِخَائِكَ آتَى ذَاكَ لَكَ شَاكِرًا

فَلَمَّا أَضَاءَ اللَّيْلُ أَصْبَحْتَ شَاهِدًا

بِأَتَاكَ مَذْكُورًا وَذِكْرًا وَذَاكِرًا

علم ادعیہ و اذکار میں امام نوویؒ کی کتاب معروف و مقبول ہے۔ بعض اہل علم نے کہا ہے ”بِح الدار و اشترا الآذکار“ لیکن میری کتاب ”ذکر اللابوار“ اذکار کی نسبت زیادہ نفع بخش اور زیادہ جامع ہے۔ یہ بات محض تحدیثِ نعمت کے طور پر کہہ رہا ہوں۔ اس لیے نہیں کہ میرا علم و فضل نوویؒ سے زیادہ یا مساوی ہے۔ کیونکہ میں نوویؒ کے خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوں۔ کجا ذرہ کجا آفتاب۔ بلکہ میں تو بجائے خود نہایت شرمندہ اور خائف ہوں کہ مجھ سے فراتر نماز و روزہ کے سوا کوئی نفل عبادت ادا نہیں ہوتی اور فراتر بھی

طریقہ اہل اللہ تو کچھ، طریقہ فقہاء کے مطابق بھی یقیناً عمل میں نہیں آتے۔ ابلیس کا ایک کمرہ، جو ہوتا ہے کہ انسان عمل نہیں کرتا۔ اور وہ اسے سمجھا دیتا ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ تیری مغفرت ضرور ہو جائے گی۔ وہ اسی دھوکے میں رہ کر مر جاتا ہے۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ مجھے شیطان کے اس کمرے سے بچا کر عمل صالح کی توفیق بخشے۔ وما ذالک علیہ بعزیز!

بعض مولفات پر نام نہیں لکھا:

مؤلفین کے معمول کے مطابق جس طرح میں نے اپنی بعض کتابوں پر اپنا نام لکھا ہے، اسی طرح بعض پر بارادہ اخلاص نام نہیں بھی لکھا۔ اور یہاں بھی ان کتابوں کا نام لکھنا نہیں چاہتا۔ جس طرح بعض کتب پر ہم عمروں نے نظم و نثر میں تقریظیں لکھی ہیں۔ اسی طرح کچھ کتب تقریظ کے بغیر بھی ہیں۔ سجدہ تعالیٰ میری نظر میں مدح و ذم برابر ہیں۔ مجھے اپنی۔۔۔ ح سن کمرہ تہرت و فرحت ہوتی ہے، اور نہ مذمت سن کر شاکر ہوتا ہوں، خواہ مخاطب سے یہ بات مخفی رہے بلکہ جو شخص میرے عیب مجھ پر ظاہر کرتا ہے۔ یا ان کی اشاعت کرتا ہے تو میں دل میں اللہ کا شکر بجالاتا ہوں کہ میرے عیوب تو بے شمار تھے۔ لیکن ان لوگوں پر میرے بہت کم عیب ظاہر ہوئے ہیں۔ اور اگر وہ عیب فی الواقع مجھ میں ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اسے مجھ سے دُور کر دے، اور اگر مجھ پر افترا ہو تو اور بھی خوش ہوتا ہوں کہ وہ تہمت، عیبت، بہتان یا طونان آنحوت میں کام آئے گا۔ ایک بزرگ کو ایک شخص نے خواب میں دیکھ کر پوچھا تھا کہ:

”اللہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟“

فرمایا کہ:

”مجھے بخش دیا“

”کہا کس بات پر؟“

کہا کہ:

لِقَوْلِ النَّاسِ فِي مَا كُنْتُمْ فِي - یعنی لوگوں کے میرے متعلق وہ کچھ کہنے کی

دور سے مجھ میں نہ تھا“

مجھ پر اس شہر میں صدہا دینی و دنیاوی افزا باندھے گئے اور اب تک بلکہ شاید تا آخر حیات یہ کارستانی رہے گی۔ مگر اللہ کا شکر ہے کہ میں ان الزامات سے بری ہوں، اور شاید میری بڑاوت ہی میری جان، مال اور آبرو کی حفاظت کا سبب ہے۔ اگرچہ میرے مخفی گناہ ان افترا پر دازیوں کی بہ نسبت یقیناً زیادہ ہوں گے، جن پر مخلوق کو اطلاع نہیں ہے، ہاں جس کو اطلاع ہے۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے انہیں مستور رکھا ہے۔ یہ اس کا احسانِ کرم اور امتنانِ عظیم ہے۔ گناہ را اگر بوئے بد سے پیچ کس پہلوئے من نمی توانست نشست و لکن سبقت رَحْمَتُهُ عَلَى غَضَبِهِ۔

اندازِ تصنیف:

میری اکثر تالیفات نہایت تحقیق کے ساتھ لکھی گئی ہیں۔ حالانکہ جو شخص کثیر التالیف ہو، اس سے غلطیاں بھی بکثرت ہوتی ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے جو کچھ لکھا پڑھا ہے۔ اس میں کوئی سہو و نسیان نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ ہر تالیف میں ضرور خطائیں ہوں گی۔ کیونکہ اللہ اور رسولؐ کے کلام کے سوا کسی بشر کی جمع و تالیف خطا سے متبرا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ مجھے تو معلوم ہے کہ دنیا میں کوئی مؤلف، مصنف ایسا نہیں ہوا جس کی تالیف و تصنیف پر اس کے کسی معاصر یا متاخر نے تنقید نہ کی ہو۔

پر نقیہ اور ہر محدث کی ہر کتاب پر تنقید کی گئی ہے۔ مثلاً شروح حدیث میں سے ”فتح الباری“ بے مثل ہے۔ اور علامہ نے اس کے حن میں کہا ہے کہ ”لا ہجرۃ بعد الفتح“ اس کے باوجود علامہ شوکانی نے اس کے بعض مقامات پر تنقید کی ہے۔ اور سید محمد بن اسمعیل امیر نے اس حالات فتح“ میں مؤلف کا نسب ان ثابت فرمایا ہے، اور ائمہ اعلام کی جملہ تالیفات کا یہی حال ہے۔ پھر ہم ایسے عوام کا کیا ذکر۔ میں نے بھی علامہ شوکانی کے بعض مسائل پر تنقید کی ہے۔ اور بعض جگہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کی بعض تقریرات کو بھی تسلیم نہیں کیا، اس لیے کہ میرے پاس ان کے خلاف صحیح دلائل تھے۔ اور ان کے دلائل میرے دلائل کے مساوی یا ان پر مقدم نہ تھے۔ لیکن اس بات سے نہ ان کا رتبہ کم ہوتا ہے اور نہ میرا رتبہ بڑھتا ہے۔ بلکہ صوری و معنوی فضیلت انہیں ہی حاصل ہے۔ اور بنی آدم انظار میں متفادات الغنم ہوتے ہیں۔ ہمارا سارا علم ان کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے قطرہ بحر محیط کے سامنے یا ذرہ آفتاب کے سامنے۔ بات دراصل یہ ہے کہ ہر عالم پر جو چیز واجب ہے وہ ہے ظاہر کتاب و سنت کی موافقت۔ اور یہ موافقت اسی قدر ہوگی، جس قدر دلائل پر عبور ہوگا۔ اور وہی علم اس پر حجت بھی ہے۔ اور جس چیز کی دلیل کا ہمیں علم نہیں۔ اس میں ہم معذور ہیں۔

بہر حال میرا یا کسی اور کا کسی کتاب کے متعلق یہ خیال کہ، وہ خطا سے

محفوظ ہے، عین خطا ہے بلکہ قول معروف یہ ہے کہ:

«الْفَاضِلُ مِنَ عُدَّتْ سَقَطَاتُهُ وَأُخْرِزَتْ مَلْتَقَطَاتُهُ»

اور طریقہ انبیقہ بھی یہی ہے کہ:

«حَدٌّ مَّا صَفَا وَدَعْمٌ مَّا كِيدَارٌ»

میری اہل علم و دین کی خدمت میں گزارش ہے کہ میری کتاب ~~میں~~ کتاب و سنت کی صحیح نص کے خلاف ہوا سے اٹھا کر دیوار پر ماریں ~~میں~~ مسئلہ قرآن و حدیث کے موافق ہوا سے قبول کر لیں۔ میں ان شاء اللہ اس رد سے خوش دل ہوں گا۔ مجھ میں یہ عصبیت، نفسانیت اور تحمتِ جاہلیت نہیں ہے کہ سخن پروری کروں، بلکہ خطا و صواب کی تنقیح میرا عینِ مدعا ہے میں ہر شخص کی عمدہ بات کو جو شرع و عقل کے مطابق ہو قبول کر لیتا ہوں، خواہ وہ میرے برابر ہو یا مجھ سے بھی چھوٹا ہو۔ اور جو بات نصوص کے خلاف ہوا سے قبول نہیں کرتا۔ خواہ کہنے والا کتنا ہی بڑا عالم و فاضل اور قابل ہی کیوں نہ ہو۔

مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا یہ قول تسلیم نہیں کرتا کہ ایک دن نار بھی فنا ہو جائے گی۔

شیخ ابن عربی کا یہ قول قبول نہیں کرتا کہ فرعون حالتِ ایمان میں مرا ہے۔

لیکن شیخ عبدالحق دہلوی کی یہ بات قبول کرتا ہوں کہ بدعت اگرچہ حسنہ ہو اس سے ظلمت پیدا ہوتی ہے اور آخر کار ختم و طبع اور رین دبعنی دل پر مہر اور زنگ کی نوبت آجاتی ہے۔ اور سنت اگرچہ اندک ہو اس سے دل میں نور پیدا ہوتا ہے۔

پہلی باتوں کو مسترد اور آخری کو قبول کرنے کا سبب یہ ہے کہ پہلی دو باتیں اولہ شرعیہ کے ظاہر کے خلاف ہیں۔ اور شیخ عبدالحق کا یہ قول سنتِ صحیحہ کے موافق ہے کہ:

”كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ“

اور اپنی تالیف کے حق میں بھی اس ضابطہ کو پسند کرتا ہوں تاکہ حساب کے دن ذمہ پاک رہے۔ وباللہ التوفیق!

چند بہترین کتب؛

میری اکثر تالیفات آثارِ سلف اور علماءِ راہنمین کی مؤلفات کے تراجم پر مشتمل ہیں، جو ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ یا نقل ہو کر آئے ہیں۔ وہ علم در حقیقت علماءِ سابقین اور ائمہ امت کا علم ہے نہ کہ میرا علم واجتہاد، میں تو فقط ان کا جمال و نفاذ ہوں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے حل و نقل کو امانت و دیانت کے ساتھ ادا کیا ہے۔ سرفرہ و خیانت کا ارتکاب نہیں کیا۔ اور حتی الامکان اس بات کا التزام کیا ہے کہ قولِ راجح کو نقل کروں، مذہبِ قوی بناؤں، موافقتِ کتاب و سنت کو ملحوظ رکھوں، رائے محض سے اجتناب کروں، کسی جگہ بھی مذہبِ فرقہ ناجیہ سے باہر نہ جاؤں، اور ہر فتویٰ کی بنیاد علمِ حق اور تقویٰ پر ہو، تاویل، حیلہ سازی اور اقوالِ ضعیفہ پر نہ چھو، بلکہ میں نے عمل کے لیے ہر امر میں اصح الصیغہ کو اختیار کیا ہے۔ خواہ عبادت ہوں یا معاملات، ذکر ہو یا دعا۔ شرائع کی کثرت ظاہر ہے، سب کا سبجلا لانا معلوم ہے۔ اور اہم فالاہم کی تقدیم لازم۔ یوں تو ساری تالیفات تحقیق حقیقہ اور تدقیق لیبیقہ کے ساتھ متصف ہیں۔ لیکن ان میں سے چند تو علمِ الہدیٰ ہیں۔ مثلاً تفسیر فتح البیان، عون الباری، سراج و ہاج، حضرات التجلی، تاج مکمل، مسک الختام، نیل المرام، اکلیل الکرامۃ، حصول المامول، ذخیر المحتجی، روضہ ندیہ، ظفر اللامنی، رسالہ جنت، رسالہ دوزخ، نزل الابرار، افادۃ الشیوخ، بدور الایۃ، تقصیر، حج الکرامۃ، دلیل الطالب، ریاض المرتاض، خیرۃ الخیرۃ

اور لسان العرفان وغیرہ۔

یہ بات ظاہر ہے کہ ہر عالم کی ہر کتاب کی شان ایک جیسی نہیں ہوتی۔ جو تصنیف طلب علم کے زمانہ کی ہو، یا فضیلت کے ابتدائی دور کی ہو تو وہ ناقص، غیر محقق اور اکثر طور پر رطب و یابس سے غلط ملط ہوتی ہے، اور جو تکمیل درس، مشاقق فن، ترقی مدارج علم، قوت مراتب فہم اور عبور تام کے بعد کی تصنیفات ہوتی ہیں۔ ان کی شان دوسری ہوتی ہے۔ اس بات میں سارے مؤلفین عالی شان یکساں ہی ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ مگر سب ایک رتبہ کی نہیں۔ انہوں نے خود اپنی بعض کتابوں کو مختار بتایا ہے۔ مثلاً ”فتح الباری“ اور تلخیص المجیز وغیرہ باقی کو ضعیف القوی کہا ہے۔

امام غزالیؒ کی کتابوں میں سے ”احیاء العلوم“ اور ”کیما ثی سعادت“ سب سے بہتر ہے، اس کے باوجود ان پر تنقید کی گئی ہے۔

امام شوکانیؒ کی تالیفات میں سے نیل، سیل، جبل، درر بہیہ، تفسیر اور ارشاد الفحول عمدہ اور اخذ و اعتماد کے لائق ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی تصنیفات میں سے ”ازالۃ الخفاء“، ”فتح الرحمن“ اور ”حجۃ اللہ البالغہ“ عمدہ ہیں۔ باقی سب معمولی اور رسمی ہیں۔ تاہم فوائد زوائد سے وہ بھی خالی نہیں۔

نادان لوگ رطب و یابس میں امتیاز کے بغیر کبھی تو ہر شخص کی ہر تصنیف سے کسی مسئلہ ضعیف کی تصحیح یا بدعت کی تحسین کے لئے دلیل لاتے ہیں یا اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں مسئلہ یا قول اس کی کتاب میں غلط و مردود لکھا ہے۔ یہ سچ ہے۔ لیکن اگر تالیف معتد و نامعتمد اور تصنیف معتبر و نامعتبر میں امتیاز کے بعد

کاروائی عمل میں آتی ہے تو اس کا نفع زیادہ ہوتا۔ اور یہ استدلال یا اعتراض بھی وقوع میں نہ آتا۔ لیکن اکثر اہل عصر انصاف سے دور اور جو دو اعتساف کے نزدیک ہیں۔ سفاہت کو نفاہت اور شعور کو بلاہت خیال کر کے طوفانِ بے تیزی میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اللّٰهُمَّ رَحِمِ اللّٰهُ تَعَالٰی وَحَفِظْہَا !

پھر جو لوگ ایسے ہیں کہ انہیں معالیٰ علوم کی اطلاع نہیں ہے یا فقط فارسی دان اور اردو خوان ہیں، وہ کسی کے فقط کہنے سُننے اور تعریف کرنے سے مشائخ کے حالات و مقامات کے رسائل کے پابند ہو کر عارف باللہ بن بیٹھے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے ملفوظات بے اصل ہیں یا احادیثِ صحیحہ کے مخالف ہیں کیونکہ اکثر مشائخ خصوصاً متاخرین صوفیہ شغلی عبادت کے باعث علومِ دینیہ کی تحقیق سے الگ تھے۔ ایسی جگہ لازم ہے کہ فارسی و اردو کا جو رسالہ کتاب و سنت سے ماخوذ ہوا سے لے لینا چاہیے، اور جو مخالف ہوا سے چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ بات خود ان رسائل کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتی ہے یا کسی معتبر عالم کے بتانے سے کہ کون کتاب و سنت کے موافق اور کون مخالف! مثلاً فارسی رسائل میں سے ”معمولاتِ مظہریہ“، ”مقاماتِ مرزا صاحب“، اور ”مکاتیبِ حضرت مجدد“ صاحب اگر پھر رطب و یابس سے خالی نہیں تاہم نافع ہیں، اسی طرح اردو رسائل میں سے ”تفویۃ الایمان“، ”راہِ سنت“، ”نصیحتہ المسلمین“، ”دعایۃ الایمان“، ”فتح المغیث“، ”لسان العرفان“، ”ارکانِ اربعہ“ اور ”منوٰ الشمس“ وغیرہ۔ لائقِ تمسک ہیں۔ وباللّٰہ التّوٰفیق!

ابوابِ شریعت میں عبور؟

میں نے شریعت کے اکثر ابواب میں عبور حاصل کر کے ہر باب کے لب

لباب کو طرزِ انبیین کے ساتھ اپنی کتب میں جمع کر دیا ہے۔ شاید ہی کوئی یابِ شمریت ہو جس کے متعلق میری کوئی کتاب نہ ہو۔ اس جگہ اگر تحدیث باللعمۃ کے طور پر یہ کہوں کہ جس کے پاس میری تمام کتب ہوں، وہ مہماتِ مسائل اور مہماتِ احکام میں کسی اور کتاب کا محتاج نہیں ہوگا۔ تو یہ بات غلط نہیں۔ یا اگر یہ کہہ دیا جائے کہ جسے میری سب تاالیفات کے مندرجات کا علم ہے وہ عالمِ کامل ہے تو اس میں بھی کچھ مبالغہ نہیں ہوگا۔ پھر میری یہ کتابیں دوسرے علم مثلاً علمِ اصولِ دین، علمِ فقہ سنت، علمِ تفسیر، علمِ اصولِ فقہ اور بعض علومِ حدیث میں تو دیگر کتب سے بالکل مستغنی کر دیتی ہیں۔

الحمد للہ کہ میں اپنے اقران سے عدد و عددِ مؤلفات، کثرتِ اطلاعِ علومِ سلف اور کثرتِ اموال و سعادتِ اولاد بہت سے امور میں ممتاز ہوں۔
وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ ۗ

یہ بات بطریقِ عجب نہیں کہہ رہا، اس لیے کہ میرا کوئی فعل و عمل نہیں ہے کہ اس پر ناز کروں بلکہ میں تو بندۂ مستقل اور غلامِ مستخدم ہوں، فاعلِ حقیقی رب العالمین ہے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۗ

پھر عجب کس بات پر! بلکہ میرا یہ بیان خالقِ منان کی نعمت کے اظہارِ شکر کے لیے ہے کہ اس نے اپنے فضل و امتنان سے میری زبان و دل سے کام لیا، اور مجھے اس خدمت کی بجائے اور جی کی توفیق بخشی۔ سو یہ بات غرضِ دل کے لائق ہے نہ کہ تکبر کے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَرَحْمَتِهِ نَسِيتُ ۗ فَاَلَيْسَ لِقَوْمِهِ ۙ

ایک جماعت ان لوگوں کی بھی ہے جو اپنے تئیں علماء کہتے ہیں یا لوگ انہیں اصحابِ فضیلت مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس شغل سے علیحدہ ہیں اور ان کا علم صرف اسی تقلیدِ مجرد پر منحصر ہے اور تحقیق کی طرف کبھی سر نہیں اٹھاتے ہیں۔ اور سر

۵۸: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَتَّبِعُوْا اَیۡدِیَہُمْ
وَالَّذِیۡنَ یَدْعُوْنَ
اِلَیْہِمْ
فَاَکْفَرُوْا
بِہِمْ
وَاللّٰهُ
سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ

اٹھائیں بھی کیا جب کہ تقلید کے گھر پیدا ہوئے، بشیر راستے سے پرورش پائی،
مرکب ہوا پر سوار ہوئے اور اسی تقلید میں مر گئے اور کچھ نہ جانا کہ کیوں آئے اور
کہاں سے آئے اور کہہ گئے اور ہم سے کیا مقصود تھا۔ اور وہ حاصل بھی ہوا
یا کہ نہیں؟

در بہاراں زاد و مرگش در دے ست!
پیشہ کے داند کہ بستان از کے ست!

دشمنوں سے نرمی؟

اٹھنے مجھے حلیم، سلیم، رحیم اور کریم بنایا ہے۔ میرے سامنے اگر میرا دشمن
بھی آجائے تو میں اس سے اخلاق اور نرمی گفتگو سے پیش آتا ہوں، وہ مذکر سے
تو شرما جاتا ہوں اور خود کسی سے دنیا و دین میں دشمنی نہیں کرتا۔ مخالف بد اطوار
شخص یا دشمن کے حق میں میرے غصہ کی انتہا یہ ہے کہ اس کے تمام احوال و اطوار
سے قطع نظر کر کے خاموش ہو جاتا ہوں، اور جبار ہتا ہوں۔ اس کے نیک و
بد سے کچھ واسطہ نہیں رکھتا، وہ جانے اور اس کا کام ہے

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا
دلِ دشمنانِ ہم نہ کہ دندِ تنگ
ترا کے میسر شود این مقام
کہ باد و ستانتِ خلافت و جنگ

لیکن دوست اس زمانہ میں نایاب ہیں۔ آج کل جو کسی سے ظاہری یا باطنی طور
سے دشمنی نہ کرے اسے بڑا دوست سمجھنا چاہیے ہی
مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان

اس زمانہ میں عداوت یا بغض کا بڑا سبب رشتہ داری، دوستی یا احسان باہمی ہے۔ جو بغض انھوں نے واقرباء کو ہوتا ہے، جو حسد ہم مناصب لوگ باہم کہتے ہیں۔ اور جو عداوت عسوں کو من کے ساتھ ہوتی ہے وہ غیر کے ساتھ نہیں ہوتی۔ یہ تو امور دنیا کے اعتبار سے ہے۔ رہا امر دین، تو اہل فسق و ربا کو عداوت دینی سب سے بڑھ کر دامن گیر ہوتی ہے۔ اہل بدعت ہرگز آنکھ بھر کر اہل سنت کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور اہل فسق رات دن اہل تقویٰ کی شکست کے درپے رہتے ہیں۔ اہل دنیا کو علماء سے جو بغض ہوتا ہے۔ وہ جہلاء سے نہیں ہوتا۔ گور پرست اور پیر پرست اہل توحید کے جانی دشمن ہیں۔ مقلد، متبعین سنت سے عداوت رکھتے ہیں۔ پھر ان فجار فساق اور بد عقائد لوگوں کے ہاتھ سے جو ضراہن عقائد صحیحہ و اعمال صالحہ کو پہنچتا ہے وہ ان کے ہاتھ سے اُن کو نہیں پہنچتا۔ اس جگہ لوگوں نے میرے ساتھ دین اور دنیا دونوں اعتبار سے دشمنی کی۔ لیکن میں اب تک ان کی عداوت کے اثر سے بحکم و کان حقاً علینا فصرنا المؤمنین" محفوظ رہا اور میں نے کسی سے دشمنی یا انتقام کے منتقلی سوچا تک نہیں۔ اگرچہ انہوں نے کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کیا ہے

ہوتا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا

لو حضرت دل اور سنو تازہ خبر اور

مجھے اس جگہ کے اعداء کا حال اور ان کی ظاہری و باطنی چالاکیاں نام بنام

اور کام بحکم معلوم ہیں۔ میں حلفاً ان کی تصدیق اور عدالتاً ان کا ثبوت دے سکتا ہوں۔ لیکن خلافِ مصلحت ہے۔ شاید وہ میری اس کم سخنی خاموشی اور اعراض کو میری حماقت یا عجز پر محمول کرتے ہوں گے۔ لیکن نفس الامر میں یہ بات نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے

چیں بر جبین زنجبیش ہر خس نیز مند
دریا دلاں چو موج گہر آرمیدہ اند

اخلاقِ حسنہ و ستیئہ؛

ہر چند کہ میں متعلیٰ بغضائل اور متعلیٰ عن الرذائل نہیں ہوں۔ لیکن دل سے رذائلِ ذمبیہ، خصالِ ذمبیہ اور مہلکاتِ آخرت کو مکروہ سمجھتا ہوں، اور صفاتِ حمیدہ، فضائلِ سنجیدہ اور منجباتِ حقہی کو محبوب جانتا ہوں اور سب مسلمانوں سے بھی اس امر کا خواہاں ہوں کہ وہ حسناتِ ظاہری و باطنی کے حاصل کرنے میں بے کوشاں رہیں، اور صوری و معنوی سیئات کو ترک کر دیں۔ اگرچہ اس حالت کا مناسب وجود اور وقوع اس عالمِ غرور و زور میں محال ہے۔ لیکن کوشش کی جائے تو یہ ممکن ہے کہ حسنات کا پتہ گراں رہے اور سیئات کا سبک ہو جائے کہ اس صورت میں نجات کی امید باقی رہتی ہے۔ اگر ذرہ بھر بھی ایمان غالب ہو جائے گا۔ تو انشاء اللہ تعالیٰ غلو و نار سے رہائی ہوگی۔ اور اگر لغو و بالئد عصیان کا پتہ راجح رہا تو پھر ہلاکت یقینی ہے۔ فوز کا مرتبہ تو ہم سے ہزار مرحلہ دور ہے۔ اس منصب کے لوگ ہزاروں میں دو چار ہوتے ہیں، اگرچہ سلف میں ہزاروں ایسے ہی تھے۔ اور ہانگ بہت کم، مگر اس عہدِ آخر میں تو معاملہ بالکل الٹ ہو کر رہ گیا ہے۔ آج منکر معروف ہے اور معروف منکر، بدعت سنت ہے اور سنت بدعت، حسنات سیئات کی طرح مجبور و متروک ہیں اور سیئات حسنات کی طرح مقبول و معمول ہے۔

بیاد بزم زنداں تابہ بینی عالم دیگر
بہشت دیگر و ابلیس دیگر آدم دیگر

ابن زمانہ آفت نشانہ میں اگر کوئی شریعت کے عشر پر چلے تو اسے ناجی سمجھنا چاہیے۔ لیکن ہمیں تو اس کا عشر عشر بھی نظر نہیں آتا۔ ہمارا وقت دیانت و امانت و ملت کا عصر نہیں بلکہ حکمت و طبیعت کی دولت و سلطنت کا عہد ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صبح و شام کفر و اسلام کا نواز ترسین و نزار کے پے در پے آنے کی طرح ہوتا ہے۔ صبح کو اگر دل ایمان پر ہوتا ہے تو شام تک اس کا رنگ بدل کر میلان کفر کی طرف ہو جاتا ہے۔ اور کبھی معاملہ اس کے برعکس اور یہی وہ حالت پر ملائت ہے جس کی خبر خیر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں دی ہے۔

اللَّهُمَّ حَيَاةً عَلَى الْإِسْلَامِ وَمَمَاتًا عَلَى الْإِيمَانِ۔

چار محبوب علوم :

اگرچہ مجھے علوم رسمیہ، درسیہ، منداولہ سے تحصیل فنون کے سبب اوسط درجہ کی مناسبت ہے۔ لیکن علم تفسیر، حدیث، فقر سنت اور علوم تصوف کا میرے دل پر غلبہ و تسلط ہے۔ اور میرے پاس ان چار علوم کی کتب زیادہ ہیں اور میری زیادہ تر تالیفات بھی انہیں علوم میں ہیں۔ اگرچہ حقیقۃ القدس وغیرہ میں علوم حکمت، منطق، ہیئت، جغرافیہ اور نازمخ وغیرہ کے مباحث بھی آگئے ہیں۔ تاہم علم نافع وہ ہوتا ہے جو انسان کے ہمراہ قبر و حشر اور جنت و نار تک جائے، وہ علم نافع نہیں جس کا نفع اسی گھرتک رہے، اور وہاں اس کا عالم مفلس و تہی دست ہو جائے۔ پس ایسے علوم ہی چار ہیں۔ یا وہ جو ان کے آلات و معدنات ہیں۔ باقی سارے فنون اسی دنیا میں رہ جائیں گے۔ کیونکہ وہ اسی دنیا کے ہیں۔ آخرت کے نہیں اور ان فنون کے علماء اس

آیت کریمہ کے مصداق ہیں کہ:

الَّذِينَ صَدَقُوا بِحَبْلِ الْغَيْظِ وَكَانَ جَنَّتُهُمْ بِحَبْلِ الْغَيْظِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ
 الَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى تَحْسِينِ الصُّنْعِ ۗ لَهُ

وہ لوگ جن کی کوشش دنیوی زندگی میں
 ضائع ہو گئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ اچھا کام
 کر رہے ہیں۔

پھر جب یہ لوگ آخرت میں پہنچیں گے تو اس مضمون کو ملاحظہ کریں گے۔
 وَبَدَأَ الصُّنْعَ مِنَ اللَّهِ مَا لَهُمْ يَكُونُوا
 يَحْتَسِبُونَ ۗ لَهُ

اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 وہ چیز ظاہر ہوگی جس کا انہیں گمان
 بھی نہ تھا۔

اور اب اس جگہ ان کی کیفیت یہ ہو رہی ہے:

الْمَلِكُ الْكَافِرُ حَتَّىٰ زُرْتُمُ
 التَّقَابِرَ ۗ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۗ
 ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۗ كَلَّا لَوْ
 تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ ۗ لَتَرَوُنَّ
 الْجَحِيمَ ۗ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ
 الْيَقِينِ ۗ لَهُ

تم کو غافل کر دیا ایک دوسرے سے بڑھ
 کر (مال) طلب کرنے نے۔ حتیٰ کہ تم نے
 قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم
 ہو جائے گا۔ پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم
 ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم علم الیقین جانتے
 ہوتے (تو غفلت نہ کرتے) تم ضرور جہنم
 کو دیکھو گے۔ پھر تم اسے عین الیقین دیکھو گے۔

(النکاح)

دنیا کی ناپائیداری:

اس دارِ ناپائیدار میں زندگی کا وقفہ بہت کم ہے، اس لیے کہ میں نے
 اپنی آنکھ سے دیکھا ہے کہ ہزار ہا لوگ جو مجھ سے کم عمر تھے، مر گئے، افزائے

لہ الکہف: ۱۰۴۔ ۱۰۵۔ الزمر: ۴۰۔ ۴۱۔ آل عمران: ۱۰۴۔

میں سے بھی بہت سے لوگ چل بسے، اور بڑی عمر کے لوگ بھی نہ رہے، اور اس امت کے افراد کی اوسط عمر ساٹھ ستر کے درمیان ہے۔ بشرطیکہ آفات و امراض سے سلامت رہے، اس عمر سے تجاوز کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے بلکہ نچتے جوانوں کی بہ نسبت اور جوان بوڑھوں کی بہ نسبت زیادہ فوت ہوتے ہیں۔ لہذا ان لوگوں کے حال، حال اور افعال پر بڑا تعجب ہوتا ہے، جو حیاتِ فانی اور انتظامِ خانہ داری کے لیے صد ہا سال کا بندوبست کرتے ہیں۔ اور کبھی انہیں موت یاد نہیں آتی۔ لوگوں کا مرنا تو دیکھتے سنتے ہیں، لیکن اپنے مرنے کا انہیں یقین نہیں ہے۔ اگر یقین ہوتا اور اللہ چاہتا تو دنیا میں اتنے منہمک اور لہو و لہب اور سیئات و منکرات میں اتنے محو نہ ہوتے بلکہ ان کے گناہ نیکیوں سے کم ہوتے، اور یہ اہلِ نجات میں داخل رہتے۔ لیکن شیطان نے اپنے دامِ غرور میں اس طرح پھانس رکھا ہے کہ ہم خوابِ غفلت سے بیدار ہی نہیں ہو رہے۔ ورنہ عبرت کے لیے

صدہا آیاتِ بقیات موجود ہیں۔

”اھم نھان سے قبل کتنی ہی بستیاں
ہلاک کر دیں، کیا تو ان میں سے کسی کو دیکھتا
ہے یا ان کے واسطے کوئی اہٹ سُننا

وَكَلَّمَآهٰكُنَّا قَبْلَهُمْ مِنْ قَبْلٍ
هَلْ تَحِشُّ مِنْهُمْ مِنْ اَحَدٍ اَوْ
كَسَمِعَ كَلِمًا رَكَّآه

ہے؟“

ابن سطر جادہ ہا کہ بصر انوشته اند

یارانِ رفته از قلم پا نیشته اند

میرے باپ نے چالیس اور بڑے بھائی نے تیس سال کی عمر میں
دقات پائی، اور دو بہنوں نے بھی اسی کے لگ بھگ عمر میں انتقال کیا۔

اک میں ہنوز باقی ہوں۔ میری عمر اب پچھن سال ہو گئی ہے۔ نہیں معلوم کہ حیاتِ مستغاثہ کے کتنے سانس باقی ہیں۔ کچھ بھی ہو سفرِ آخرت کا زمانہ سر پر آ گیا اور کچھ کام ہاتھ سے نہ بنا۔

کارے نساختیم و دمیدن گرفت صبح ۶
ادبی چراغِ خانہ بر افسانہ سونختیم!
گو لوگ مجھے صدیق کہتے ہیں۔ مگر میں اپنی اس معاصی و ذنوب والی پیری
کو صبح کا ذب جانتا ہوں۔ اس لیے کہ

سیاہی ز مورفت و از رو نرفت
اللَّهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عَمْرِيْ آخِرَهُ - آمین،
يَا دَبَّ الْعَلِيْنَ!

معاملات میں نرمی:

میں معاملاتِ خلق میں غایت درجہ کی مسامحت کرتا ہوں، قیمت میں کمی و بیشی امانت کے وفا و عدم وفا اور اتلافِ اشیاء و غیرہ حالات و تصرفات میں اللہ کے بندوں سے اپنے کھینچ نہیں کرتا بلکہ دیدہ و دانستہ درگزر کرتا ہوں اور صبر کرتا ہوں۔ اسی لیے کہ مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ روزِ حساب مجھ سے درگزر فرمائے گا۔ یہ سعادت کہ میرا حق کسی پر رہ جائے اور کسی کا حق مجھ پر نہ ہو، کم نہیں ہے، اللہ قبول فرمائے!

اللہ اپنے حقوق کو تو اپنے فضل و کرم سے معاف فرادے گا۔

”چہ کنم بایں مشتے گنابگار جز آنکہ بیامرم“

لیکن حقوقِ العباد کا بڑا ڈر ہے، جس میں بہت سے لوگ لاپرواہی کا شکار

ہیں۔ اکثر شہروں میں عرصہ دراز سے میت کے مال کی وراثت کی شرعی حصص کے مطابق تقسیم دیکھنے سننے میں نہیں آرہی، حقوقِ اقرار کے غصب و انلاف کے لیے بھی ہزار چیلے نکالے جاتے ہیں۔ اور اجنبیوں سے جلبِ منفعت کے لیے تو صد ہا مکرو فریب اور کذب کی صورتیں عمل میں آچکی ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ۗ

من زوضع زمانہ در فکرم !

کہ مبادا ازین بتر گردد

نسب قابلِ فخر نہیں!

مجھے نہ اپنے نسب پر فخر و اعتماد ہے نہ اپنے حسب و جاہ کا کچھ اعتقاد اور نہ اپنے علم پر مباہات۔ بلکہ مجھے خوب معلوم ہے کہ اگر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا بلا واسطہ فرزند بھی ہوتا تو ثواب و عتاب میں تمام امت ہی کی طرح ہوتا اور اگر حسب میں کسی امامِ مجتہد یا کسی بادشاہِ مستعد کا بیٹا ہوتا تو اس بات کو بھی میری اخروی نجات میں کوئی دخل نہ ہوتا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک شرافت و امارت کا نہیں بلکہ تقویٰ و طہارت کا اعتبار ہے۔ شرافت و امارت پر انحصار کے خیالِ خام میں ایک دنیا ہلاک ہو گئی۔ اگر میں کسی کا غلام ہوں، اور دنیا میں میری کچھ آبرو نہ ہو، مگر اللہ کا بندہ مسلمان بن جاؤں تو میرے نزدیک یہ ہزار حسب و نسب سے بہتر ہے۔

حسن زبصرہ بلال از جہلش صہیب ز روم

ز خاک مکہ ابو جہل این چہ بوالعجبی ست

ہاں جب کوئی نصیبِ حبیبِ نسبِ علی و حسبِ جلی کے مالک لوگوں کا سا

کام بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کریم کے مطابق اسے عزت و نجات

بخشتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ سید جب عالم، عالم یا عارفِ کامل ہو تو وہ غیر سید عالم و عارف سے زیادہ صاحبِ شرف ہوتا ہے اور اگر سید، جاہل، بدین بد عقیدہ اور بد متقی ہو تو اس کا حسب و نسب کسی کام نہیں آئے گا۔

پسر نوح با بدارِ نبشت

خاندانِ نبوتش گم شد

سگِ اصحابِ کہف روز سے چند

پٹے نیرکاں گرفتِ مردم شد

عائزہ المسلمین جو پابندِ دین ہوں، وہ اس دن اس سید سے بہتر ہوں گے جو تابعِ دین نہیں ہے، وہ جنت میں جائیں گے۔ اور یہ دوزخ کی سیر کرے گا! اللہم احفظنا!

نسب و حسب و علم ہونا بظاہر موجب امتیاز ہے۔ لیکن ان فضائل کے عوالمِ روح کو پگھلا دینے والے ہیں۔ کیونکہ بے تقویٰ شریف، بے طہارت حبیب اور بے علمِ عظیم کی سزا ان لوگوں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہوگی جو ان فضائل سے محروم ہیں۔ اگر ایک جہت سے پرچ گیا تو دوسری، تیسری جہت ہلک ہو گی۔

فَلَوْ كَانَ رُوحًا وَاحِدًا لَأَتَّقَيْتُمْ

وَلَكِنَّمَا رُوحٌ وَثَلَاثٌ وَثَلَاثٌ

ابسی حالت پر علامت میں محض اللہ کا فضل ہی درکار ہے۔

خَلُّوا بَيْنِي وَبَيْنَ أُمَّهِ الرَّاحِمِينَ!



ترک دنیا کی خواہش:

جب کبھی کچھ سوسلہ مؤاخذ ہے تو دل ترک دنیا ہی کی طرف جھکتا ہے۔ دنیا کی حکومت اور دولت میں ترقی کا خیال کبھی دامن گیر نہیں ہوا۔ اگرچہ ترک و تخرید کی توفیق ابھی تک ہاتھ نہیں آسکی ہے۔

منم کہ روئے دلم در شکست کار خود دستم

وگرد گبر و مسلمان رواج می طلبند

لیکن میں اس ارادہ و نیت سے خوش ہوں کہ نیت تو بجاٹے خود نیک ہے۔ کیا عجب کہ یہ ارادہ کسی دن اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی مدد سے عملی صورت اختیار کر جائے۔ اللہ کی رحمت تو مجدد صالح نیت پر بھی اجر کی امید دلاتی ہے۔

نیت المؤمن مخلص من عملہ

اللہ تعالیٰ نے بعض بندوں کو ان کے عمل کا انتظار کئے بغیر صرف ان کی نیک

نیتوں کی بنا پر ہی بخش دیا۔ اس کی رحمت عامہ کو فقط بہانہ چاہیے:

تَعَفُّرْتُ لِلْمُؤْمِنِ وَلَا أُبَالِي -

وہ جس طرح نکتہ گیر ہے۔ اسی طرح نکتہ نواز بھی ہے۔ لیکن بموجب نص حدیث

صحیح اس کی نکتہ نوازی اس کی نکتہ گیری پر سابق ہے۔ دیکھو: "صفتِ جمالی ہے،

اس میں "تَعَفُّرُ" کے مدد ایک سو ہیں، "عَفَّارُ" صفتِ جمالی ہے، اس میں "عَفِيفُ"

کے مدد ایک ہزار ہیں، اسی طرح رحمت کے مدارج کا منصب کے مدارج سے

فرق سمجھو کہ ایک سو سے ہزار تک نوگنا فرق ہے۔ واللہ اعلم!

لہ رواہ البیہقی والدیلمی والعسکری

خوف ورجا:

مجھ پر حالتِ رجا کی بہ نسبت حالتِ خوف کا غلبہ رہتا ہے۔ لیکن اس میں عیب کی کوئی بات نہیں کیونکہ خوف کا نتیجہ بہت کم ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن رجا بعض اوقات یاس میں تبدیل ہونے لگتی ہے۔ یہ خوف گویا اشتہائے کاذب ہے اور رجا گویا جرأتِ نالائق ہے۔ خوف ہوتا تو برستے ہوئے مینہ کی طرح یہ لگاتا گناہ کیوں ہوتے۔ پھر دل سے الگ ہیں وہ سب ۶۶ ہوتے ہیں، اور بدن کے گناہ الگ ہیں، وہ سب ایک سو چار ہیں۔ اگرچہ میں یہ نہیں کہتا کہ میں رات دن یہ سارے گناہ کرتا رہا ہوں۔ لیکن یہ ضرور کہتا ہوں کہ مجھ سے صفاثر و کباثر یقیناً سرزد ہوئے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کو میں جانتا ہوں، اگرچہ میں نے ان سے توبہ کر لی ہے۔ قبول و عدم قبول کا حال اللہ ہی جانتے، بعض وہ ہیں جو صرف اللہ کو معلوم ہیں، میں ان کو نہیں جانتا یا بھول گیا ہوں۔ ہر چند ان سے بھی توبہ کرنا ہوں، لیکن عقاب، حساب اور عتاب وغیرہ کا خوف لگا رہتا ہے۔ اس لیے کہ محض رجا مجھ کا مذہب ہے، اور محض خوف خوارج کا۔ مومن کو چاہیے کہ مخالفت و راجی ہو، حیات میں خوف غالب رہے اور موت کے وقت رجا و حسن ظن غالب آجائے۔ لیکن محض تمنا سے نہیں بلکہ ظہورِ ثمرات کے اعتبار سے!

عَمْرُكَ بِالْحَمِيَةِ اَتَمَّيْتَهُ
خَوْفًا مِنَ الْبَارِدِ وَالْحَايِ
وَكَانَ اَوْلَىٰ لَكَ اَنْ تَتَّقِيَ
مِنَ الْمَخَاصِي حَذَرَ النَّارِ

انسان چاہے تو اپنے نفس کی دونوں حالتوں کا امتحان کر سکتا ہے۔ اگر ہر

ساعت میں محاسبہ نفس نہ کر سکے تو صبح و شام محاسبہ کرنے سے تو کوئی امر مانع نہیں ہے۔ جس کا حساب اس جگہ پاک ہے، اسے وہاں محاسبہ کا کچھ باک نہیں ہے۔

آخرت میں لوگ چار طرح کے ہوں گے، فائزین، ناجین، معذبین اور ہالکین، ان کی تفصیل رسالہ ”توزیح العباد“ میں لکھ دی گئی ہے۔ ہم ایسے لوگوں کو اگر زمرہ ناجین میں مشور کیا جائے تو غیبتِ بارہ ذمایتِ خوشی کی بات ہے۔ اگر معذبین میں مبعوث ہوں تو عدل ہے، ورنہ اس حالتِ راہنہ کے پیش نظر ہلاک ہونا نقدِ وقت! اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ لیکن فائزین تو کجا ان کی گردِ راہ کو بھی پہنچنا محال نظر آتا ہے۔ **حَسْبُكَ اللَّهُ كُنَّا بِالْحَقِّ**۔

گناہ سے نفرت؛

میں گناہ کر کے کبھی اپنے جی میں خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ میرا جی یہ چلا کرتا ہے کہ مجھ سے کوئی صغیرہ گناہ بھی سرزد نہ ہو، لیکن یہ بات محال ہے۔ جب مجھ سے کوئی نیک کام بن پڑتا ہے، تو اپنے جی میں نہایت خوش ہوتا ہوں، اگرچہ اس کی قبولیت کا علم نہیں، لیکن نیکی کے عمل سے خوش ہونا اور گناہ سے استغفار کرنا ایمان کی ایک علامت ہے۔

بعض لوگ گناہ کرنے کے لیے کسی قولِ فقہیہ یا روایتِ ضعیف کو حجت مٹاتے ہیں یا کسی جیلہ و تاویل سے اسے جائز بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ:

”عذرِ گناہ بدتر از گناہ“

ہے۔ گناہ کا گناہ کچھ کم سرزد ہو جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھتے چھوڑتے اس کا ارتکاب ہو۔ شرک و کفر ایسا گناہ ہے، جس میں جہالت، سہم یا غلطی مقبول نہیں ہوتی اور نہ اللہ تعالیٰ اس گناہ کو معاف فرمائے گا الا یہ کہ توبہ کر لی جائے۔ باقی گناہوں میں گنجائش ہے کہ جہالت کی معذرت قبول ہو بلکہ اللہ چاہے تو بطورِ خرقِ عادت

کبیرہ کو بغیر توبہ کے معاف کر دے اور چاہے تو صغیرہ پر پھیلے۔ اس لیے نہ کبیرہ پر یا بوس ہوتا چاہیے اور نہ صغیرہ کو حقیر جاننا چاہیے۔ البتہ توبہ صادق ضرور گناہوں کو محو کر دیتی ہے۔ اے اللہ تو ہمیں توفیق عنایت و قوا اور بخش دے!

شرک و بدعت سے توبہ کرنا سب سے مقدم ہے۔ اس لیے کہ شرک کے ستر اور بدعت کے ہتھوڑے ہیں۔ شرک وہ بلا ہے جس سے بڑے بڑے اکابر نہ بچ سکے اور بدعت وہ آفت ہے جس میں بڑے بڑے اہل علم پھنس گئے۔ جاہل مؤمن شرک کو شرک نہیں سمجھتا، اور بدعتی بدعت کو اچھا سمجھتا ہے۔ اس لیے انہیں توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

توبہ و استغفار:

میں توبہ و استغفار کے الفاظ ماثورہ کو ہمیشہ زبان پر جاری رکھتا ہوں، خواہ گناہوں سے تحفظ حاصل نہ بھی ہو، کیونکہ گناہ کتنا تو گناہ ہے ہی لیکن توبہ و استغفار کی طرف دل کو نہ لگانا ایک عیب ہے۔ کیونکہ گناہ کے بعد توبہ فی الفور واجب ہو جاتی ہے۔ پھر اگر دوبارہ وہی گناہ ہو جائے یا کوئی اور، تو پھر اس دم توبہ کرنی چاہیے۔ ایک گناہ کے بعد انسان ارادہ کرتا ہے کہ وہ دوبارہ یہ تصور نہیں کرے گا۔ مگر نفسِ آمارہ اور شیطانِ لعین کے گمراہ کرنے سے دوبارہ سہ بارہ پھر وہی گناہ کر گزرتا ہے۔ اگر ہر گناہ کے ساتھ توبہ و استغفار کی توفیق ملتی رہے تو حکم

مِنْ اَلْحَسَنَاتِ يَذُحُّهَا مِنَ السَّيِّئَاتِ ۝

گناہوں اور توبہ و استغفار کے درمیان موازنہ ہوتا ہے۔ استغفار بڑھ جائے تو گناہ گھٹ جاتے ہیں۔ اس لیے شرح شریف میں کثرتِ استغفار مطلوب ہے۔

ظَوْنِي لِمَنْ وَجِدْتِي بِصُرْفِيَّتِهِ اسْتِغْفَارًا كَثِيرًا ۱۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّ اسْتَغْفِرُكَ

ہے، اس وقت کا خالص عملِ قلیل اس دور کے عملِ کثیر سے بڑھ کر ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

”زمانہ ہرج میں عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی طرح ہے۔ علمائے آخرت کو چاہیے کہ اس زمانہ آفتِ نشانہ کو نینمت سمجھیں، اور زیادہ نہ ہو سکے تو مامورات کے عشر ہی پر عمل کریں“

اگلے اہل علم وصلاح عام لوگوں سے بھاگتے تھے۔ اور علوت کے طالب تھے، تاکہ دل علائقِ دنیا سے مشوش نہ ہو، عبادت اور شغلِ علم کی فرصت ملے۔ لیکن ان کے معتقد عوام وخواص انہیں نہیں پھوڑتے تھے، اور یہ بات اس زمانہ میں بلا کلفت ہی حاصل ہے کہ اب کوئی شخص کسی شخص سے حسنِ اعتقاد نہیں رکھتا۔ خواہ وہ بڑا عالم اور صالح ہی کیوں نہ ہو، بلکہ دنیا داروں کو حکم:

”الْمَرْءُ بِبَيْتِهِ عَلَى نَفْسِهِ“

ہر شخص کے متعلق سو وِظن ہی رہتا ہے، چنانچہ یہ علمائے آخرت اور اہل صلاح کے لیے عمدہ وقت ہے۔ اسے کاش وہ اس کی کچھ قدر جانیں! رہے دنیا طلب علمائے سو، سوان کی اقسام بے حساب ہیں، وہ جو کچھ نہ کریں تھوڑا ہے۔ میں اس زمانہ میں جس کو بھی دیکھتا ہوں معلوم ہوتا ہے کہ گویا یوم الحساب کا منکر ہے۔

”دوم ہر خرے کے برداشتہ مادہ برآمد“

کیا وہ لوگ جو لباسِ علم و فقر میں ہیں، اور کیا وہ جو غلام و پرستارِ دنیا ہیں۔ النَّاسُ كُلُّهُمْ هَلْكَى إِلَّا الْعَالِمُونَ وَالْعَالِمُونَ كُلُّهُمْ هَلْكَى إِلَّا الْقَائِمُونَ وَالْقَائِمُونَ كُلُّهُمْ هَلْكَى إِلَّا الْمُخْلِصُونَ وَالْمُخْلِصُونَ عَلَى خَيْرٍ عَلَيْهِ

حسد نہیں بلکہ رشک؛

میں کسی شخص سے کسی دینی و دنیوی فضیلت و مزیت کی وجہ سے حسد نہیں کرتا بلکہ یہ سمجھتا ہوں کہ یہ تقسیم نعمت اللہ کی طرف سے ہے:

نَحْنُ كَمَا نَبْتَغِيهِمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۗ
ان کی درمیان ان کی معیشت و دنیوی زندگی
میں ہم نے تقسیم کی ہے۔

کسی نے میرا حصہ تو نہیں چھینا کہ اس پر حسد کروں، اور جو کسی دوسرے کی قسمت میں ہے، وہ بھی ہرگز مجھے نہیں مل سکتا پھر حسد چہ؟ ہاں سلف و خلف میں جو اہل فضل و تقویٰ گزرے ہیں، ان کے تراجم احوال سے مطلع ہو کر یہ رشک ضرور ہوتا ہے، کاش! یہ فضائل و خصائل مجھے بھی ملتے۔ مجھے بھی ان جیسا علم نصیب ہوتا، میں بھی ویسا منفق اور عابد زاہد ہونا جیسے وہ لوگ تھے۔ یا جو شخص مالِ حلال سے سخاوت کرتا رہا ہو اس پر رشک آتا ہے کہ اگر مجھے دسترس ہوتی تو میں بھی راہ خدا میں اسی طرح ایثار سے کام لیتا، اور مال خرچ کرتا۔ یہ رشک بُری بات نہیں بلکہ کیا بعید کہ اللہ تعالیٰ اس نیت کو قبول فرمائے۔ اور اس پر اجر عطا کرے۔

إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِلكَافِرِ مِمَّا قَتَلَ

اہل اللہ سے محبت؛

میں سارے صحابہ رض، اہل بیت رض، ائمہ مجتہدین، جماعتِ محدثین، زمرہ متبعین، فقہائے منفقین اور صوفیائے صالحین کے حق میں خوش اعتقاد ہوں اور اپنے دل میں ان کی محبت پاتا ہوں، اور دل تمنا کرنا

ہے، اسے کاش! ان کی صحبت نصیب ہوتی اور اپنے زمانہ کے لوگوں کی صحبت سے بچ جانا۔ اگرچہ ان کے احوال، اقوال، اعمال اور خصال کے تراجم اور حکایات کتب طبقات و سیر میں موجود ہیں اور ان کے ملاحظہ و مطالعہ سے ان کے اوقاتِ صالحات کی کیفیت معلوم ہو جاتی ہے۔ اور ان کے مخطوطات و کلماتِ طبقات میں ہنوز کسی قدر اثرِ درکوت باقی ہے جس سے دل ان جیسے حالات کی تحصیل کی ہمت کرنا ہے۔ مگر عوائقِ دنیا کی وجہ سے محروم رہ جاتا ہے لیکن اہل اللہ اور اہل علم باللہ کی صحبت میں ایک ہنایتِ سریع الاثر مخصوص برکتِ موثرہ ہوتی ہے، جو مجھ سے فوت ہو گئی ہے۔ ہم ایسے دور میں آئے ہیں کہ دین پر ثبات قدم رہنا مشکل معلوم ہوتا ہے، مقاماتِ احسان و عرفان تو بہت دُور ہیں۔

”اللَّهُمَّ يَا مُغَلِّبَ الْعُلُوبِ تَبِّتْ قُلُوبَنَا عَلَى دِينِكَ -“

اس کے باوجود مجھے اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ میری مذکورہ لوگوں سے محبتِ آخرت میں نافع ہوگی۔

شنیدم کہ در روزِ اُمید و بیم

بداں را بہ نیکاں بخشد کریم

اللہ، رسول اور اولیاء اللہ کی محبتِ نجاتِ آخرت کے لیے ایک اچھا وسیلہ ہے، مگر یہ محبتِ زبان سے نہیں بلکہ دل سے ہونی چاہیے۔ ایسی محبتِ محبت کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔

”وَأَلْمَزُوا مَعَهُ مَنْ أَحَبَّ!“



اہل فسق سے محبت نہیں؛

میرے دل میں فسق یا اہل فسق سے محبت کی قطعاً گنجائش نہیں۔ میں ایسے لوگوں کی صحبت سے، جنہیں رات دن معصیت کے خیال اور دنیا طلبی کے کاموں کے سوا اور کوئی کام نہیں ہوتا، سخت پریشان خاطر ہوتا ہوں۔ اگرچہ اپنے نفس کو پاک صاف نہیں کہتا: وَمَا أْبْرَأُ لِنَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ ۗ بلکہ میں اپنے نفس کو سب سے زیادہ عاصی، مذنب، آثم، فاسق، بلکہ منافق سمجھتا ہوں، کیونکہ ذائقِ نفاق بے انتہا ہیں۔ اور ان کی شناخت کرنا ہر شخص کے بس کا کام نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ:

”د آپ مجھ میں تو نفاق کی کوئی بات نہیں پاتے!“

ان سے اس لیے پوچھا تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رازدان اور عالم بالنفاق تھے۔ پھر ہم سے نالائقوں کے لیے اطمینان کی کون سی جگہ ہے؟“

اس میں کچھ شک نہیں کہ فرض کیا کہ اگر ہم میں وہ نفاق نہ بھی ہو جو اسلام و کفر کا ہے تو نفاق علی تو ضرور موجود ہے۔ جب کلام و بیان، قلب و جان کے مطابق نہ ہو تو یہ نفاق کا ایک شعبہ ہے، اور جب قول، فعل کے مطابق نہ ہو تو یہ بھی نفاق ہی ہے، اس کے فروع و جزئیات اساطیر و تحریروں سے باہر ہیں۔ اَللّٰهُمَّ تَبَّ عَلَيْنَا۔

نجاتِ آخرت کے لیے اخلاقِ حسنہ درکار ہیں۔ کثرتِ علم ہمراہ

عدمِ عمل درکار نہیں ہے۔

يَا مَنْ تَقَاعَدَ عَنِ مَكَارِمِ خَلْقِهَا
 كَيْسَ التَّفَاخُرِ بِالْعُلُومِ الْفَاخِرَةِ
 مَنْ كَفَرَ يَهْدِيهِ عِلْمُهُ أَخْلَاقًا
 لَنْ يَنْتَفِعَ بِعُلُومِهِ فِي الْآخِرَةِ

خوشامد سے نفرت؛

اللہ نے مجھے لوگوں کی خوشامد سے محفوظ رکھا ہے، کبھی کسی دوست یا دشمن کی خوشامد نہیں کی بلکہ ہر شخص سے اپنا معاملہ صاف اور سیدھا رکھا ہے۔ خواہ کوئی خوش رہا ہو یا ناخوش۔ بعض لوگ مجھے تکبر سمجھتے ہیں اور بعض متواضع، مجھے دونوں امر سے کچھ بحث نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر دل کی بات کو جانتا ہے۔ تکبر ایسا رذیل فعل ہے کہ ذلیل و رذیل لوگوں کے سوا کسی شریف، اور عاقل سے اس کا وقوع نہیں ہو سکتا۔ جس کی حقیقت مشت خاک اور قطرہ ناپاک ہو، اور رات دن قاذورات اٹھائے ہوئے ہو۔ اسے تکبر کرنا کب زیب دیتا ہے؟ اور تواضع انہی لوگوں کی طرف سے محبوب ہے جو گردن فراز ہیں۔ فقیر حقیر نے اگر خاکساری ظاہر کی تو یہ خود اس کی طینت ہے۔ اس میں فخر کیا؟

رزق فراواں؛

اللہ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے ان ماز فسا میں جس میں سدِ رزق کے بقدر رزقِ حلال ملنا سخت مشکل ہے، بمقتضائے کرم عظیم اور بغوائے "يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ" کسی سعی و جہد کے بغیر رزقِ حلال فراواں سے

نوازدار رئیسہ عالیہ نے کسی تحریک اور رابطہ کے بغیر مجھ سے نکاح کر لیا، اور معاش کے لیے ایک بڑی جاگیر دے دی، جس کے سبب اللہ تعالیٰ نے مجھے طلبِ رزق کی ہزاروں کمزوریاں و منکرات سے بچا لیا۔ یہ معاش شرعاً حلال و طیب ہے۔ میری جاگیر میں صیغہ مال کے جو ناجائز و جہتے، ہیں انہیں اپنی اور اپنی اولاد کی جاگیر سے یک قلم ترک کر دیا ہے۔

چنانچہ اسی سال جائز و ناجائز کے علاوہ ۲۷ ہزار روپیہ خزانہ ریاست میں واپس کر دیا ہے، اس کے عوض اللہ نے مجھے دوسرا گاؤں جمع اصلی پر دلوا دیا ہے۔ جو کام اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ اس کا اجر دنیا میں برباد جانا ہے اور نہ آخرت میں۔ میں رئیسہ کو ایک واسطہ سمجھ کر ان کا شکریہ گزار ہوں اور اللہ کے شکر سے تو بالکل فاضل ہوں۔

وَإِن تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۗ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ۗ^{۱۰}
 اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنتے لگو تو ان کو محیط شمار میں نہیں لا سکو گے۔ یقیناً انسان بہت ظالم اور ناشکر ہے۔

اب رہا باقی رہنا اس معاش کا تادم آخر یا بعد از موت تو مجھے اس کی فکر نہیں کیونکہ میں اگر چہ میت ہوں لیکن جس مالک حقیقی نے یہ رزق دیا ہے وہ حی و قیوم ہے، وہ چاہے گا تو یہ حالت باقی رہے گی۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ ۗ^{۱۱}
 عدد شود سبب خیر گر خدا خواهد
 خیر مایہ دکان شیشہ گر سنگست

اور اگر وہ نہ چاہے گا اور ساری دنیا چاہے گی تو کچھ نہ ہوگا۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۗ

اور تم نہیں چاہ سکتے مگر یہ کہ اللہ تمام

رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝

جہانوں کا پروردگار چاہے!

پھر جو بات میرے اختیار سے باہر ہے۔ اس میں خوش جہالت و ضعف ایمان ہے۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا۔ اہل دین کے نزدیک فقہ مال کچھ چیز نہیں، البتہ فقہ کمال ایک مصیبتِ عظمیٰ ہے۔

تَعَلَّمُوا مَا التَّرِيَّةُ فَقَدْ مَالٍ!
وَلَا شَاءَ كَمَوْتٍ وَلَا يَبْعِيْرُ!
وَلَكِنَّ التَّرِيَّةَ فَقَدْ حَبْرُ!
يَمُوْتُ بِمَوْتِهِ بَشَرٌ كَثِيْرُ!

دراغِ یتیمی؛

میں یتیم پیدا ہوا تھا، گھر میں کوئی مرد نہ تھا جو تعلیم و تربیت کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے کتاب بینی اور علم کا شوق دیا۔ مطالعہ کتب کے علاوہ کسی لہو و لعب کا شغل نہیں تھا۔ اور نہ کسی کھیل تماشے کا ذوق و شوق تھا۔ جب ذرا شدید ہو گئی تو صرف و نحو پڑھ کر وہی چلا گیا اور وہاں مفتی صدر الدین خان سے دو برس میں کتبِ درسیہ پڑھ کر فراغت حاصل کی۔

یتیم بچے پر اللہ تعالیٰ کی خاص نظر عنایت ہوتی ہے۔ ہمارے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یتیم تھے۔ اُمّی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں ناسخِ جمیع علل اور شمعِ جملہ سبیل بنایا۔ ان کے حال کے ساتھ ادنیٰ سہر مناسب بھی ایک بڑی فضیلت ہے۔

مرا از زلفِ او موئے بسند است!
فضولے میکنم بوئے بسند است!

اَلْعَرَبُ يَجِدُكَ يَتِيمًا فَاَدَىٰ لَهٗ
 یہ آیت مجھ پر بھی صادق آتی ہے۔ اگر اس ایوار کی شرح کی جائے تو طول
 ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے جدا کر کے
 مدینہ منورہ میں جگہ دی، اور مجھے میرے وطن سے نکال کر اس جگہ حالت وسعت
 و بسط میں رکھا ہے

شَرَّفَنِي عَرَبِيًّا
 أَخْرَجَنِي عَنْ وَطَنِي
 فَإِذَا تَعَيَّنَتْ بَدَا
 وَإِنْ بَدَا غَيْبَتِي

صراطِ مستقیم کی ہدایت؛

میں گمراہ تھا، نہیں جانتا تھا کہ حق کیا ہے۔ اللہ نے مجھے صراطِ مستقیم کی ہدایت
 عطا فرمائی؛

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ
 اور پایا اس نے تجھ کو گم کردہ راہ میں اس نے
 راہ دکھائی؛

ہندوستان کے مسلمانوں میں شرک و بدعت کا رواج تھا۔ اکثر لوگ خصوصاً میرے
 وطن کے شیعہ و رافضی تھے، جو سنی تھے وہ گور پرست، پیر پرست تھے۔ اللہ
 تعالیٰ نے والد ماجد کے ہاتھ پر ایک جم غفیر کو راہِ یاب کیا تھا۔ میں نے ہوش منجمال
 کر انہی لوگوں کو پایا۔ اگر اہل قرابت کی صحبت میں نہ آتی تو تعجب نہ تھا کہ میں بھی
 ان کی طرح گمراہ ہوتا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے ہوشِ کامل بخشا اور علم دین دیا تو
 اس بات کا یقین ہو گیا کہ اصح دین اور افضل طریق وہ ہے، جس پر ہمارے
 سلف صالح تھے۔ یعنی ظاہر کتاب اور واضح سنت کا اتباع اور یہ بات اس
 وقت اور بھی واضح ہو گئی جب اعتقادی و عملی طور پر اسے اختیار کیا گیا و سلاماً

اس وضوحِ حق کے بعد اللہ سے درخواست یہ ہے کہ اس نعمت کا اتمام فرمائے۔ یعنی خاتمہ بھی ہدایت پر ہو، کیونکہ جب تک ایمان پر مزنا نصیب نہ ہوگا، اہل پریشان رہے گا۔

وَكَيْفَ تَنَامُ الْعَيْنُ وَهِيَ قَرِيرَةٌ
وَلَعَلَّ تَدْرِي أَعْيَا لِمَخْلِيْبٍ تَنْزِيلُ
أَلَمْ تَرَ أَنْتِ أَنْتِ وَأَنَا أَنَا فَتَفْعَلِي مَا أَنْتِ أَهْلُهُ وَلَا تَفْعَلِي مَا
أَنَا أَهْلُهُ فَإِنِّي إِذَا لَيْسَ الْغَيْبِيْنَ
وَوَجَدَكَ عَابِلًا قَانِعِي ۝

میں ماضی تھا، معاش بہت کم تھی، والدہ مرحومہ، ہر سہ ہمشیرگان اور ان کے اندراج، تادم اور میری اولاد کا سب کا نفقہ میرے ذمہ تھا۔ رزاق مطلق نے ان کی ظاہری کفالت کا ذمہ مجھ سے متعلق کر رکھا تھا۔ حالانکہ مجھے معاش پیدا کرنے کا بالکل سلیقہ نہ تھا اور اب تک ہے۔ جو تنخواہ ملتی تھی، اسی سے گزر اوقات کرتا تھا۔ ادھر فکرِ آرزو (روزی) تھی۔ ادھر اندیشہ عقیبی، جانِ عجب کشمکش میں گرفتار تھی۔

مجھے تلاشِ معاش ست و گاہ فکرِ معاد
مصیبتے دو جہاں برسِ دلِ افتاد دست

ناگاہاں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سبب پیدا فرمایا جو بسط کا باعث ہوا۔ جملہ متعلقین کو دست و آسودگی حاصل ہو گئی۔ عیال کا بار میرے ذمہ سے جانا رہا۔ بے منتِ خلق مجھے اور انہیں بسہولتِ رزق حاصل ہوا۔ رئیسہ عالیہ نے ہر بچے کو میٹھہ جاگیر عنایت فرمادی۔ میں ان کی طرف سے بالکل بے فکر ہو گیا۔ اور

وَوَجَدَكَ عَابِلًا قَانِعِي ۝ " کا مضمون ظاہر ہوا۔ واللہ الحمد!

اگر اللہ تعالیٰ کا یہ لطفِ جلی و خفی میرے حال پر نہ ہوتا تو نہ معلوم میرا اور ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ مجھ پر اور میری اولاد پر وا جب ہے کہ اس نعمت کا تیر دل سے شکر بجالایا کریں۔ اور بار بار ”مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ“ کہا کریں۔ کیونکہ اس کلمہ مبارکہ کو البقارِ نعمت میں بڑا اثر ہے۔ اور اہل علم نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ شکر کرنا صیدِ مزیدِ قیدِ جدید ہوتا ہے۔ اور ناشکری مزیلِ نعمت و جالبِ نعمت ہوتی ہے۔ عیاذُ باللہ تعالیٰ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے یہ نینوں احسان فرمائے اور فرمایا کہ:

فَمَا تَالَيْتِيَوْ قَلَا تَقْمَهْدَه دَامَا
السَّائِلِ قَلَا تَنْهَرَه قَا نَا بِنِعْمَه
رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ ۱۷

پس تو یتیم پرستم نہ کر۔
اور مانگنے والے کو مت ڈانٹ۔
اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو بیان کر۔

مذکورہ تین احسانات کے عوض اللہ تعالیٰ نے یہ تین حکم ارشاد کئے ہیں۔ اگرچہ مفقود و واجب سے عمدہ برآ ہونے سے قاصر ہوں تاہم بحمد اللہ کسی قدر ان سے امور کا خیال کرنا ہوں۔

شیخ کامل کی پہچان؛

شیخ کا کمال اور تکمیل اسی میں منحصر نہیں کہ اس سے خرق عادت کا ظہور ہو، خواہ پر اشراف رکھتا ہو، یا وجودِ حالی و شوق میں رہتا ہو۔ کیونکہ اس قسم کے افعال توجہ، فلسفی اور برہمن لوگوں سے بھی سرزد ہوتے رہتے ہیں۔ اور یہ امور سعادت بشری دلیل بھی نہیں، لہذا کامل اور مکمل شیخ وہ ہے جو ظاہر شریعت پر مستقیم اور کتاب و سنت پر عامل ہو۔ تاکہ اس پر منتفی کا اطلاق ہو

۱۰۰
۱۰۱
۱۰۲
۱۰۳
۱۰۴
۱۰۵
۱۰۶
۱۰۷
۱۰۸
۱۰۹
۱۱۰
۱۱۱
۱۱۲
۱۱۳
۱۱۴
۱۱۵
۱۱۶
۱۱۷
۱۱۸
۱۱۹
۱۲۰
۱۲۱
۱۲۲
۱۲۳
۱۲۴
۱۲۵
۱۲۶
۱۲۷
۱۲۸
۱۲۹
۱۳۰
۱۳۱
۱۳۲
۱۳۳
۱۳۴
۱۳۵
۱۳۶
۱۳۷
۱۳۸
۱۳۹
۱۴۰
۱۴۱
۱۴۲
۱۴۳
۱۴۴
۱۴۵
۱۴۶
۱۴۷
۱۴۸
۱۴۹
۱۵۰

سکے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ولایت کو تقویٰ میں منحصر فرمایا ہے :

إِنَّ أَوْلِيَاءَ سَمِيعٍ إِلَّا الشَّقَوْنَ ۗ

نہیں ہیں اس کے دوست مگر پرہیزگار۔

منتفی کی صحبت میں بیٹھنے میں خواہ اس سے فائدہ ہو یا نہ ہو، کوئی قباحت نہیں۔ اگر صحبت میں اثر نہ دیکھے تو جدا ہو جائے۔ لیکن اس کے ساتھ حسن ظن رکھے اور جس کی صحبت میں تاثیر پائے، اس کی صحبت اختیار کر لے۔ اس لیے کہ حق مقصود ہے، شخص نہیں۔

تاثیر سے مراد یہ ہے کہ اس کی صحبت میں دل کی حالت ایسی ہو جائے کہ دل دنیا سے سرور پڑ جائے۔ خدا، رسولؐ اور خدا کے دوستوں کی محبت، اعمالِ صالحہ کی اُلفت اور حسنات کے کرنے اور سببات سے بچنے کی توفیق حاصل ہو۔ اسے دیکھ کر خدا یاد آئے، حضور و آگاہی کا دوام میسر ہو۔ ذکرِ خدا سے اطمینان و جمعیتِ خاطر میسر ہو، نیک کاموں سے اس کی نسبت و حالت بڑھے اور بُرے کاموں سے دل میں تنگی و بے آرامی اور نسبت میں کمی واقع ہو۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے۔

إِذَا سَأَلْتَكَ حَسَنَتَكَ حَسَّنْتُكَ وَإِسَاءَتَكَ سَيَّئْتُكَ فَيَأْتُكَ مَوْمِنٌ ۖ

جب تیری نیک بات تجھے خوش کرے اور تیری بُرائی تجھے ہی غمگین ہو تو تو مومن ہے۔

یہ اسی طمانینت و تنگی سے کنایہ ہے، اس زمانہ میں ایسے شیخ کا ملنا نہایت مشکل ہے۔ اسی وجہ سے حضرت مجددؑ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

ہر مریضے کہ طالبِ صحبتِ کاملہ
یعنی نسبتِ محمدؐ یہ باشد باید کہ اتباعِ
سنّتِ نبویہ را بہتر از جمعِ ریاضاتِ
و مجاہداتِ مشنا سدا و انوار و برکاتِ
کہ بران مترتب گردد افضل از ہمہ

ہر وہ مریض (روحانی) جو صحبتِ کاملہ
یعنی نسبتِ محمدؐ کا طالب ہو اسے چاہیے
کہ اتباعِ سنّتِ نبویہ کو تمام ریاضات و
مجاہدات سے بہتر سمجھے اور اس (اتباع)
پر مترتب ہونے والے انوار و برکات کو

۱۔ اس مقالہ کا شمار ۳۰۳ء ۲۰۱۱ء میں ہوا ہے۔

فیوضات داندو ہمہ مواجید واذواق
متعارفہ را در جنب جمعیت باطن و دماغ
حضورا عقباری نہند و در صحبت عزیزیکہ
ازیں امور اثرے دریا بد اورا ناسب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دانستہ
خدا متش لازم گیرد و بجز و مویزہ این
راہ فریفتہ نشد اگر چہ لذید باشد
والسلام!

سب فیوضات سے افضل جانے اور ہر
قسم کے متعارف و مروج و جد و فزون و حال
کو جمعیت باطن اور دوام حضور کے مقابلہ
میں کوئی حیثیت نہ دے اور جن گراخی
شخص کی صحبت میں ان امور کے کچھ آئندہ
دیکھے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
نائب سمجھ کر اس کی خدمت خود پر لازم
کے اور اس راہ کے اخروک اور منفی پر
فریفتہ نہ ہو اگر چہ وہ لذید ہو۔ والسلام!

نسبت کی حقیقت

نام طرق مشائخ کا مرجع تخصیص نسبت کی طرف ہے اور یہ نسبت نام ہے
اللہ تعالیٰ کی ذات اور سکینت و نور کے ساتھ ایک طرح کے انساب و ارتباط کا۔
نسبت کی حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک کیفیت ہے جو نفسِ ناطقہ کے اندر حلول کر
جاتی ہے۔ اور نفسِ ملائکہ کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ اور جبروت کی طرف متطلع رہتا
ہے۔ نفس کو یہ کیفیت اس طرح ہاتھ آتی ہے کہ وہ طامات و طہارات ادا و کار
پر مداومت کرے یہاں تک کہ یہ امور جبروت کی طرف توجہ کے لیے ملکہِ راسخہ
بن جائیں۔ پھر اس کے انواع و اقسام بھی بہت ہیں۔ مثلاً نسبتِ محبت، نسبتِ شوق
نسبتِ کسرِ نفس، حلوٰۃِ نفس سے متبراہونے کی نسبت کا نام نسبتِ اہل بیت و
نسبتِ مشاہدہ ہے۔

اس سے توجہ الی مجرد البسیط کا ایک ملکہِ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بات

غلط ہے کہ ان اشغالِ مشائخ کے بغیر یہ نسبت حاصل نہیں ہوتی۔ نسبت ان میں منحصر نہیں بلکہ یہ اشغال تو اس کے حاصل کرنے کے مختلف طریقوں میں سے ایک طریقہ ہیں۔ ورنہ اکثر اکابر علماء اس نسبت سے محروم ٹھہریں گے، حالانکہ فقہاء علم، فضیلتِ عبادت سے فائز تر ہیں۔ اور اگر علمائے آخرت اللہ کے اولیاء اور صاحبِ نسبت نہیں ہیں تو پھر کوئی بھی اللہ کا ولی نہیں۔ صحابہؓ و تابعینؓ کا سکینہ حاصل کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خشوع اور حضورِ دل کے ساتھ خلوت میں صلوات و تسبیحات پڑھا اور طہارت پر بھی مواصلت رکھا کرتے تھے اور موت، اطاعتِ شعاروں کے ثواب اور نافرمانوں کے عقاب کو یاد رکھ کر لذاتِ حسیہ سے الگ رہتے تھے۔ قرآن مجید ہمیشہ ندرت سے پڑھتے، ناصح و واعظ کے کلام کو سنتے اور احادیثِ رفاق پر عمل کرتے تھے۔ ان امور پر ایک مدت تک عمل پیرا رہنے کے باعث انہیں ملکہِ راسخہ حاصل ہو جاتا تھا۔ پھر بقیہ عمر اس کی حفاظت فرماتے تھے۔ قولِ جمیل میں فرمایا ہے:

وَهَذَا الْمَعْنَى هُوَ الْمَتَوَارِثُ عَنْ
رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ
مِنْ طَرِيقٍ مَشَائِخِنَا لَا شَكَّ فِي ذَلِكَ
وَإِنْ اِخْتَلَفَ الْأَكْوَانُ وَاجْتَلَفَتْ
طَرِيقٌ كَحُصُولِهَا

ہمارے مشائخ کے طریق سے ہی معنی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہیں
اگرچہ اس رنگ اور تحصیل کے طرز مختلف
ہیں۔ لیکن اس کی حقیقت میں کوئی شک
نہیں ہے

پھر صاحبِ سکینہ کی کچھ علامات بھی ہیں مثلاً

- ۱۔ خدا کی اطاعت و عبادت کو اس کے ماسوا پر ترجیح دینا اور اس پر غیرت کرنا۔
- ۲۔ ظاہر جسم و جوارح پر غلبہ خوف کا ظہور۔

۳۳ عویائے صالحہ۔

۴۴ فراستِ صادقہ اور

۵۔ اجابتِ دعا و ظہورِ مطلوب۔

ایک تفصیل "قولِ جیل" میں سنتِ مطہرہ کے دلائل کے ساتھ موجود ہے۔
اس نسبت کے حصول کے بعد عروج ہوتا ہے جسے فنا فی اللہ اور بقا باللہ
کہتے ہیں۔ اور یہ عروج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر نہیں بلکہ اللہ
کا عطیہ ہے کہ جسے چاہے دے۔ خواجہ نقشبندؒ سے کسی نے پوچھا
تفصلاً کہ:

”آپ کے شیوخ کا سلسلہ کیا ہے؟“

فرمایا:

”کوئی شخص اللہ تعالیٰ تک کسی سلسلہ سے نہیں پہنچتا ہے۔“

مجھے ایک جذبہ آیا اس نے اس تک پہنچا دیا۔“

حالانکہ ان کے شیوخ کا سلسلہ معروف و معلوم ہے۔ شاید اسی وجہ سے

کہا گیا ہے کہ:

اللہ کے جذبات میں سے ایک جذبہ جن

دانس کے عمل کے برابر ہے۔

جَذْبًا مِّنْ جَذَبَاتِ اللَّهِ

تَوَاتُرًا مِّنْ عَمَلِ الثَّقَلَيْنِ

طریقہ نقشبندیہ؟

اگرچہ میں صوفیہ کے تمام طرق کو موصل الی اللہ سمجھتا ہوں۔ اور مجملہ طرق

کے مشائخ کو مانتا ہوں۔ لیکن میرے آباؤ اجداد اساتذہ، اور مشائخ کا

طریقہ نقشبندیہ ہے گو اور طرق کی بھی اجازت حاصل تھی۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے "فتاویٰ" میں سب طرائق کے اشغال و اذکار لکھے ہیں۔ اور وہ سب نہایت مختصر و مرغوب، محبوب اور مطلوب ہیں۔ میرے والد ماجد مرحوم نقشبندی تھے، میرے شیخ سنت قاضی محمد بن علی شوکانیؒ مین "بھی نقشبندی تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنی کتاب البدایۃ الطالیح" میں اس کی صراحت کی ہے۔ اگرچہ کسی طریق کو بموجب "قول جمیل" کے کسی دوسرے طریق پر ترجیح نہیں دیتا ہوں، اور مغلوبین اور اولیٰ ولین فی السماء وغیرہ کا انکار نہیں کرتا ہوں۔ لیکن اپنے نفس کو اسی امر کا تابع رکھتا ہوں، جو سنت صحیحہ و معروفہ سے ثابت ہے۔ اور جس پر محققین اور راہنمائی فی العلم گزرے ہیں۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ خواجہ بہار الدین نقشبند بخاریؒ کے توسط سے بواسطہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ میرے آباؤ اجداد بھی اصل میں سادات بخاری ہیں۔ اور اب تک یہ خاندان میرے وطن قدیم شہر قنوج میں سادات بخاری کے لقب سے معروف ہے۔ یعنی جس طرح میرے علم ظاہری کا تعلق امام محمد بن اسمعیل بخاریؒ تک پہنچتا ہے، اور آہل و اجداد کا نسب سیدہ جلال اعظم گل سرخ بخاریؒ تک منتهی ہوتا ہے اسی طرح مشائخ طریقت بھی خواجہ نقشبند بخاریؒ تک پہنچتے ہیں۔ میرا نام بھی صدیق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے، حضرت صدیق اکبرؓ کے زہر میں زیر لوانے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم مشہور کر لے تو زہر سے سعادت! خلیفہ اولیٰ تک طریقہ کا یہ اتصال اویسیہ کہلاتا ہے۔ دوسری سند سے یہ طریقہ حضرت امیر علی کرم اللہ وجہہ تک بھی پہنچتا ہے۔ سو اولاً میں حضرت طاہرہ اور ثانیاً حضرت حسینؓ بن علیؓ بن ابی طالبؓ کی اولاد سے ہوں و ثلثاً الحمد!

مرزا مظہر جان جاناؤ سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے سب طرق میں سے طریقہ مجددیہ نقشہ بندیہ کو کیوں اختیار فرمایا ہے؟ انہوں نے جواب دیا اس لیے کہ:

”من این طریقہ را منطبق بر کتاب
 و سنت یافتم کہ ثبوت آن قطعی است
 و الحمد للہ کہ تا این زماں این طریقہ
 از جمیع طرق بدعت محفوظ است“

میں نے اس طریقہ کو کتاب و سنت
 کے مطابق پایا ہے جن کا ثبوت یقینی
 اور قطعی ہے۔

الحمد للہ! یہ طریقہ اس وقت تک بدعت
 کے تمام طریقوں سے محفوظ ہے“

جامی میفرماید: جامی کہتے ہیں:

قدر گل و گل بادہ پر سنناں دانند
 نے خود غنیاں و تنگد سنناں دانند
 از نقش توں بسوئے بے نقش شدن
 این نقش غریب نقشبنداں دانند

کسبِ رزق:

میں نے کسبِ رزق کے لیے قضا، افتاء و تدریس، امامت، تاذین یا وعظ وغیرہ کسی شرعی منصب کو اختیار نہیں کیا، بلکہ نوکری، چاکری کو ذریعہ معاش بنایا۔ کارہائے سرشتہ میں نوکری اختیار کی، اور اس وسیلہ سے جاگیر پائی، کیونکہ میں اپنے آپ کو خدماتِ مذکورہ کے ادائے حقوق سے بالکل قاصر پاتا تھا۔ اور میرے دین نے بھی مجھے اجازت نہ دی کہ ایسا کام اختیار کروں، جس میں دین کی خرابی اور آخرت کی بربادی ہو۔ ہمارے سلف،

جنہیں دین میں مرتبہ امامت حاصل تھا، اور اعلیٰ درجہ کا تقویٰ رکھتے تھے، انہوں نے ہمیشہ ان مناصب کے اختیار کرنے سے احتراز کیا، اور ملوک و سلاطین اسلام کے تشدد اور تکلیف دہی کے باوجود ان خدمات کو قبول نہ کیا۔ اب جو کوئی سعی کر کے ایسے مراتب کا طالب ہوتا ہے، وہ یقیناً اہل دنیا ہے، اہل عقبی نہیں!

میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ ایسی آفات سے محفوظ رکھے گا اور میری اولاد کو بھی اس طرح کی شہرت سے اور نعمت سے بچائے گا۔ تحصیلِ رزق کی اور بہت سی صورتیں ہیں۔ جو نفس الامر میں جائز ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں ملازمت بھی بڑی ذلت کی چیز ہے۔ اگرچہ میں بحمد اللہ اپنی ملازمت میں معزز رہا۔ اگر کسی مسلمان سے ہو سکے کہ وہ زراعت، کما بت یا تجارت وغیرہ سے اپنا کام چلائے تو پھر نوکری کو بھی سلام کر لے۔ جس کے پاس رزق سدِّ رمق کے بقدر موجود ہو۔ اس کا کثرتِ مال کی ہوس کرنا، اپنی آخرت آپ برباد کرنا ہے۔



باب چہارم

آزماشیں ہی آزمائشیں

اللہ تعالیٰ کی ہر بندے پر اتنی نعمتیں اور احسانات ہیں کہ ان کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔

”وَإِنْ تَعَدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا ۗ لَهُ“
اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنتے لگو تو ان کو
حیطہ شمار میں نہیں لا سکتے۔

اور کوئی بشر کسی اونی نعمت اور کمر احسان کا بھی پورا شکر ادا نہیں کر سکتا۔

از دست و زبانی کہہ بر آید!

کز عمدہ شکرش بدر آید!

جب اللہ تعالیٰ کے احسانات غیر متناہی ہیں، تو ان کا زبان و بیان سے احاطہ کرنا ایک فکرِ محال ہے۔ شعرانی نے ”دمن کبریٰ“ میں ۵۶ احسانات ذکر کیے ہیں۔ اور پھر آخر میں عجز کا اعتراف کیا ہے۔ جب اولیاء و عرفاء کا یہ حال ہے تو ہم ایسے ظلم، جہول، کفار (ناشکرے)، ضعیف البنیان و الجہان سے اس کے دمن و نعم کا کیا بیان ہو سکتا ہے؟ پھر اس بیابان سے

یہاں ہواک ذرہ لکھا گیا ہے ہم کو تو اس کے شکر سے بھی عجزِ کلی ہے۔ سب ظاہری و باطنی احسانات کا شکر کب بجالایا جاسکتا ہے؟
یہ معنی جو اس جگہ ذکر کئے جائیں گے یہ بھی درحقیقت معنی ہی ہیں کیونکہ جس مرض کے بعد صحت حاصل ہو اور جس مصیبت کے بعد عافیت میسر آئے اور بلا و اور ابتلا نہیں بلکہ درحقیقت احسانِ عظمیٰ اور نعمتِ کبریٰ ہے۔ حدیثِ انسؓ میں فرمایا:

”الْزَّهَادَةُ فِي الدُّنْيَا اِنْ تَكُوْنُ فِيْ كَوَابِ الْمُصِيْبَةِ اِذَا اَنْتَ اَصْبَبْتَ بِهَا اَرْغَبَ فَمَا كُوْنَتْهَا بَقِيَّتْ لَكَ“
دنیا میں بے زہنتی یہ ہے کہ تجھے بقا و مصیبت میں اس لیے رغبت زیادہ ہو کہ مصیبت پر ثواب ملتا ہے۔
(رواہ الترمذی)

پہ خوش بروئے دل ننگِ مادے واکرد

خوددراز کند عمر زخمِ کاری ما!

حدیثِ صیبِ رومیؒ میں مرفوعاً آیا ہے کہ:

”ہرمومن کا عجب حال ہے کہ اس کا سارا کام اچھا ہے۔ اگر

مسترت جارصل ہو تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہے اور اگر

مضرت پہنچے تو صبر کرتا ہے اور یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے“

(رواہ مسلم)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی: اے رسولِ خدا صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم:

دنیا میں سب سے زیادہ آزمائش کن لوگوں

اَحَى النَّاسِ اَشَدُّ بَلَاءًا قَالَ الْاَنْبِيَاءُ

کی ہوتی ہے؟ فرمایا: انبیاء کی اور پھر

تَعْمَرُ اَمْثَلُ تَعْمَرُ اَمْثَلُ يَبْتَلِي الرَّجُلَ

عَلَى حَسَبِ دِينِهِ فَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ صَلَاحٌ اشْتَدَّ بَلَاءُهُ وَإِنْ كَانَ فِي دِينِهِ رِقَّةٌ ابْتَلَاهُ اللَّهُ عَلَى حَسَبِ دِينِهِ كَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ عَلَى الْعَبْدِ حَتَّى يَمُوتَ عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْكَ خَطِيئَتُهُ۔

درجہ بلدیہ آدمی اپنے دین کے مطابق آزمایا جاتا ہے۔ اگر دین میں سخت ہو تو آزمائش بھی سخت اور اگر دین میں نرم ہو تو آزمائش بھی نرم ہوتی ہے، پس بندے پر آزمائشیں آتی رہتی ہیں حتیٰ کہ وہ زمین پر اس حال میں چلنے لگتا ہے کہ اس کی تمام غلطیاں معاف ہو چکی ہوتی ہیں۔

(رواہ الترمذی)

یہ حدیث اس بات پر دال ہے کہ ہر شخص کی آزمائش دین میں اس کی پختگی کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر دین میں سخت ہے تو آزمائش بھی سخت اور اگر دین میں نرم ہے تو آزمائش بھی نرم ہوگی۔ انبیاء و علیہم السلام پر اسی وجہ سے آزمائش سخت ہوتی تھی کہ وہ دین خدا میں نہایت درجہ شدید ہوتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری سے مروی مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

دُنْيَا فِي سَبَبٍ مِنْ سَبَبِ زِيَادَةِ سَخْتِ أَرْزَائِشِ
 أَنْبِيَاءُ كَيْ هُوَتْ هِيَ بِعَرْمَلَاءِ وَأُورِ بِعَرْمَلِكِ لَوَاكِلِ
 كِي۔ پہلے زمانے میں جو لوگ سخت آزمائش تھے
 حَتَّى حَتَّى كَرِهُوا نَأْفُوقَ قَوْلِ كَرِيْمِي تَبِيْهُ وَرَكْعِي أَرْزَائِشِ
 فَكُرِي صَوْدَتِ فِي تَاوَلِ هُوَتْ حَتَّى كَرِي كَرِي
 پَر لُطِي هُوَتْ جَلَدِ كِي سَوَا كَرِي بِجَزِي هُوَتْ
 جَتَا مَعْلَا بِرُخُوشِ هُوَتْ هُوَتْ هُوَتْ
 أَنْتَدُّ النَّاسَ بِبَلَاءٍ إِلَّا نَبِيَاءَ
 ثُمَّ الْعُلَمَاءَ ثُمَّ الصَّالِحِينَ كَانَ
 أَحَدُهُمْ يَبْتَلَى بِالْقَبْلِ حَتَّى يَقْتُلَهُ
 وَيَبْتَلَى أَحَدُهُمْ بِالْفَقْرِ حَتَّى لَا يَجِدَ
 إِلَّا الْعِبَاءَ كَيْ يَلْبَسُهَا وَلَا أَحَدُهُمْ
 أَشَدُّ فَرَحًا بِالْبَلَاءِ مِنْ أَحَدٍ كَرَمٍ
 بِالْعَطَاءِ۔ (رواہ الحاكم ولا شواہد كثيرة)
 زیاں وہ بلا پر خوش ہوتے تھے

حضرت جابر رضی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

يَوْمَ أَهْلَ الْعَارِفِيَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
حِينَ يُعْطَى أَهْلَ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ
لَوْ أَنَّ جُلُودَهُمْ كَانَتْ تُرِضَتْ
بِالْمَقَارِئِضِ ۚ

اہلِ عارفیت روزِ قیامت جب ابتلا و رسیہ
لوگوں کے ثواب کو دیکھیں گے تو خواہش
کریں گے اسے کاش ان کے چروٹوں کو
(دنیا میں) قہنجیوں سے کاٹ دیا جاتا۔
(تاکہ وہ بھی یہ ثواب حاصل کر لیتے)۔

(رواہ الترمذی)

حدیث انس رضی میں فرمایا:

إِنَّ عِظَمَ الْجَزَاءِ مِنْ عِظَمِ الْبَلَاءِ
فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى إِذَا أَحَبَّ قَوْمًا
ابْتَلَاهُمْ مِمَّنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا
وَمَنْ سَخِطَ فَلَهُ السَّخَطُ ۚ

بڑی جزا بڑی آزمائش ہی سے ملتی ہے، اللہ
جس قوم سے محبت رکھیں اسے مبتلائے آزمائش
کر دیتے ہیں، جو راضی ہو جائے اس کے
لیے رضامندی اور جزا راضی ہو اس کے لیے
ناراضگی ہے ۚ

(رواہ الترمذی)

رضاکے دو مرتبے ہیں۔

ایک یہ کہ بلا پر مسرور ہو یا علیٰ درجہ ہے۔

دوسرا یہ کہ بلا پر شکوہ نہ کرے، تنگ دل نہ ہو یا ادنیٰ درجہ ہے۔

کاش ہم ایسے نالائقوں کو یہ ادنیٰ درجہ ہی نصیب ہو جائے۔ حدیث ابوہریرہ

میں مرفوعاً آیا ہے :

إِنَّ الرَّجُلَ لَيَكُونُ كَأَنَّ عِنْدَ اللَّهِ
الْمَنْزِلَةَ نَمَا يَبْلُغُهَا بِعَمَلٍ فَمَا
يُنْزَلُ يَبْتَلِيهِ بِمَا يَكُونُ حَتَّى يَبْلُغَهُ
إِيَّاهَا ۚ

(بعض اوقات) آدمی کے لیے خدا کے ہاں
ایک مقام مقرر ہوتا ہے جس تک وہ اعمال
کے ذریعے رسائی حاصل نہیں کر پاتا تو اللہ
تعالیٰ اسے ایسی چیزوں میں مبتلا کرتا رہتا

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ) ہے جو اسے ناپسند ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس مقام تک پہنچ جاتا ہے ۱

ابوداؤد میں بھی اس حدیث کا ایک شاہد ہے جس میں یہ بھی ذکر ہے کہ ابتداء جسم یا مال یا اولاد میں آتی ہے۔ حدیث ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم میں موفور غایوں آیا ہے کہ:

مَا يَصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ نَصَبٍ وَلَا وَصَبٍ وَلَا هَمٍّ وَلَا حُزْنٍ وَلَا أذى وَلَا غِيٍّ حَتَّى الشُّوْكَتِ يَتَّكِمُهَا إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ لَهُ مِنْ عَطَايَاهُ۔

مومن کو جب بھی کوئی تھکاوٹ، بیماری، ہم، حزن، اذیت اور غم پہنچے، یہاں تک کہ اگر کانٹا بھی چمھے تو اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کی غلطیوں میں معاف فرما دیتے ہیں ۲

(رواہ الشیخان)

یہ حدیث صحیح و نفع صریح اس بات پر دال ہے کہ ہر قسم کی تکلیف و ایذا پر اُجرتا ہے حتیٰ کہ کانٹا لگنے پر بھی۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب تکلیف اور مصیبت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر صبر کرے اور حصولِ اجر کی نیت رکھے کیونکہ نیت کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں ہوتا۔ اکثر لوگ مصائب پر صبر تو کرتے ہیں۔ لیکن صبر کی نیت سے نہیں بلکہ دماندگی و حیرانی کی وجہ سے، اس صبر کی کوئی حقیقت نہیں۔

بعض لوگ دن رات آفات کا شکوہ کرتے ہیں اور پھر اپنے تئیں صابر سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دشمن کو وہاں سچ لے گا، اور خود بھی دن رات دشمنوں کو کوستے رہتے ہیں۔ یہ صبر نہیں بلکہ ایک دوسری بلا ہے۔ اگر صبر شرعی کرتے تو اجر پاتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت

ہے کہ:

مَنْ أُصِيبَ بِمُصِيبَةٍ بِسَلَامٍ أَوْ
فِي نَفْسِهِ فَكَتَمَهَا وَلَعَنَ شَكْمَهَا
لَمْ يَلِ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَى اللَّهِ
أَنْ يَغْفِرَ لَهُ -

جسے مال یا جان کی کوئی مصیبت پہنچی اور
اس نے اسے چھپایا اور لوگوں کے پاس
اس کا شکوہ نہ کیا تو اللہ کے ذمہ ہے کہ
اس کی مغفرت فرمائے

(رواہ الطبرانی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مصیبت کا مخفی رکھنا، مغفرت کا سبب ہے
ہے۔ واللہ الحمد!

حضرت عائشہ رضی سے مرفوع روایت ہے:

إِذَا كَثُرَتْ ذُنُوبُ الْعَبْدِ وَلَعَنَ
يَكْتُمُ كُفْرًا مِنَ الْعَمَلِ مَا يَكْفُرُ بِهَا
إِسْتِغْلَاةً بِالْحَزَنِ لِيَكْفُرَ بِهَا
عَنْهُ -

جب بندے کے گناہ بکثرت ہوں اور اس
کا کوئی ایسا عمل نہ ہو جو ان کا کفارہ بن سکے
تو اللہ تعالیٰ اسے حزن دے گا، میں مبتلا کر
دیتے ہیں تاکہ اس کے گناہوں کو

مٹا دیں

(رواہ احمد)

یعنی حزن و اندوہ سے گناہ مٹتے رہتے ہیں جب کہ حزن بطریق شرعی
ہو۔ خواہ دنیا کا اندوہ ہو یا دین کا نام۔ واللہ الحمد والمنة۔

اس باب میں تو احادیث بکثرت ہیں کہ امراض بدن گناہوں کا کفارہ اور

تکثیر اجر کا باعث بنتے ہیں۔ علامہ منذری نے اپنی کتاب الترغیب والترہیب
میں ان کی اچھی خاصی تعداد ذکر کی ہے۔ مومن کو بیماری سے تنگ دل نہیں
ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ مرض میرے معاصی کا کفارہ یا میرے گناہوں
کی سزا ہے۔ ان شاء اللہ اب گناہوں سے پاک ہو جاؤں گا۔ اور مغفرت الہی

کے لائق ٹھہروں گا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

کَيْفَ الصَّلَاحُ بَعْدَ هَذِهِ الْآيَةِ
مَنْ يَعْمَلْ سَوْءًا يَجْزِيهِ وَكُلُّ
شَيْءٍ عَمِلْنَاهُ مُجْزِيَتًا بِهِ
فَقَالَ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا أَبَا بَكْرٍ
أَلَسْتَ تَمْرُضُ أَلَسْتَ تَعْزُرُ
أَلَسْتَ تُصَيِّبُكَ اللَّوَاءُ قَالَ
قُلْتُ بَلَى قَالَ هُوَ مَا تَجْزُونَ
بِهِ -

اس آیت کے بعد کہ جو کوئی برا کام کرے
بدلہ دیا جائے گا یہ درستی احوال کی کیا صورت
ہے؟ کیونکہ ہم جو کوئی کام کریں گے اس کا بدلہ
دیا جائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا اللہ تمہیں معاف
فرمائے اسے ابو بکر رضی اللہ عنہم سے کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟
کیا تم حزن میں مبتلا نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں
اندرہ نہیں پہنچتا؟ میں نے عرض کیا کیوں
نہیں؟ آپؐ نے فرمایا یہی ہے جو تم بدلہ
دیتے جاتے ہو۔

(رواہ ابن جان فی صحیحہ)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت یہ ہے کہ:

إِنَّ الصُّدَاعَ وَالسَّلْبَ لِكَلِمَاتٍ
تَنَالُ بِالْمُؤْمِنِ وَأَنَّ ذَلِكَ مِثْلُ
أَحَدٍ فَمَا تَدْعُهُ وَعَلَيْهِ مِنْ
ذَلِكَ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَزْدَلٍ -

مومن کے کوہِ احد کے برابر گناہ ہوتے
ہیں اور اسے دردِ سر یا تپِ عارض ہوتا
ہے تو اس کے باعث اس پر دوائی کے دانے
کے برابر بھی گناہ نہیں رہتا۔

(رواہ احمد)

حدیث کے الفاظ عام ہیں اور ہر گناہ کو شامل ہیں وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ
حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے، لیکن دیگر دلائل سے معلوم ہوتا
ہے کہ کبیرہ گناہ اور حقوق العباد اس سے مستثنیٰ ہیں واللہ اعلم!
یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک

شخص فوت ہوا تو ایک آدمی نے کہا کہ:
 هَيِّئْ لَكَ قَدَمَاتٍ وَكَفْرِيَّتَكَ
 مبارک ہو اس کو کہ وفات تک کسی مرض میں مبتلا نہیں ہوا۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 وَنَحْيَكَ مَا يُدْرِيكَ كَوَافَاتِ اللّٰهِ
 اِبْتِلَاءٌ بِمَرَضٍ لَّكَ فَكَفَّرَ عَنْهُ مِنْ
 سَيِّئَاتِهِ ؟
 انوس ہے تم پر! تمہیں کیا معلوم کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے مبتلا کرے تو وہ مرض اس کی بعض برائیوں کا کفارہ ہو جاتا۔

(رواہ مالک مرسلًا)

معلوم ہوا کہ بیمار نہ ہونا کوئی اچھی بات نہیں ہے بلکہ مواخذہ و عقاب کی علامت ہے، اسی لیے حدیثِ عائشہ رضی اللہ عنہا میں فرمایا ہے کہ:
 اَلْأَحْمَى حَطَّ كُلِّ مُؤْمِنٍ مِنَ النَّارِ
 بخار ہر مومن کا آگ سے حصّہ ہے۔

(رواہ البزار)

الغرض سارے مومن پر وارد ہوتے ہیں، وہ بھی درحقیقت منہن ہیں۔ اور جو کوئی ان مومن پر صبر کرے، وہ ماجور ہوتا ہے اور جو کوئی ان پر شکر بجالائے اس کا درجہ اللہ کے نزدیک بلند ہو جاتا ہے، اس لیے یہاں جو مومن لکھے گئے ہیں وہ شکوہ و شکایت کے لیے نہیں بلکہ منعم حقیقی اور متان مطلق کے شکریہ کی ادائیگی کے لیے لکھے گئے ہیں۔ اس کا شکوہ کرنا تو عین حرام نصیبی ہے۔

ابتدائی مشکلات؛

میں پانچ برس کی عمر میں یتیم ہو گیا تھا۔ جس بچے کا باپ، بقید حیات

نہ ہوا سے جن تکلیفوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے یا اس کی تعلیم کے سلسلہ میں جو رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں، انہیں ہر تجربہ کار آدمی جانتا ہے۔
 مرا باشد از حالِ طفلانِ نخبہ!
 کہ در طفلی از سر بر فتم پدر!

خصوصاً جس کا باپ عالم، عامل ہو اور اپنی اولاد کا صالح ہونا چاہتا ہو اور اس کے سوا کوئی قریبی عزیز، مربی اور خیرگیر بھی نہ ہو، اس کا جو ارادہ رحمتِ الہی میں جانا اگر پھر اس کے لیے فوزِ عظیم ہے لیکن اولاد کے حق میں یہ ایک سخت مصیبت ہے۔ اللہ تعالیٰ میری ماں کو جنت الفردوس نصیب کرے، انہیں خدا پرستی و دینداری کا بڑا حصہ ملا ہوا تھا۔ والد ماجد کی وفات کے بعد انہوں نے نہایت شفقت سے میری پرورش کی حتی الامکان تعلیم پر آمادہ کیا، باپ کی دعا نے اثر کیا کہ محض رحمتِ الہی میری مربی ہوئی اور کسی کامنت پذیر نہ کیا۔ صغر سن کے سبب مجھے والد مرحوم کا حلیہ و شمائل یاد نہیں۔ لیکن میں نے انہیں دو بار خواب میں دیکھا۔ ایک بار اپنے وطن شہر قنوج میں کہ وہ دیوان خانہ میں آئے ہیں، کسی نے زنان خانہ میں جا کر کہا کہ تمہارے باپ آئے ہیں۔ ہم دونوں بھائی دوڑتے ہوئے ان کے پاس آئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے باپ کہیں گئے ہوئے تھے۔ اوداب مدت دراز کے بعد آئے ہیں۔ سامنے جا کر بیٹھا شاید میرے سر پر ہاتھ بھی پھیرا اور فرمانے لگے کہ:

”کیا پڑھتے ہو؟“

میں نے کہا:

”قرآن شریف کا سپارہ“

مجھے دعا دی۔ میں نے انہیں بہت خوش اور خوبصورت پایا۔ دوسری بار

انہیں اس شہر بھوپال میں خواب میں اس طرح دیکھا کہ میں ایک مسجد میں مغرب کی نماز کے لیے گیا ہوں، لوگ نماز پڑھ کر مسجد سے چلے گئے ہیں۔ مسجد کے متصل ہی قبرستان ہے۔ میں نے کہا کہ موتی پر فاتحہ پڑھتا جاؤں۔ جب فاتحہ پڑھ کر لوٹا تو ایک قبر پر سے گزر ہوا۔ وہ شق ہو گئی اور ایک جسم شخص اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ وہ میرے والد معلوم ہوتے تھے۔ مجھ سے فرمانے لگے جہاں وہ کام کر جو آخرت میں کام آئے۔ میں ڈر گیا۔ اور پوچھا کہ وہ کام جو آخرت میں کارآمد ہو کیا ہے؟ انہوں نے کچھ جواب دیا جو مجھے یاد نہیں رہا، اور میں وہاں سے چل دیا۔ جمع کو جی میں حساب لگایا کہ یہ کیا نصیحت تھی؟ تو معلوم ہوا کہ کچھری کے بعض منشیوں سے میری ملاقات تھی، جو فاسق تھے۔ اور میرے لیے بھی باعثِ فسق بنتے تھے، اس دن سے میں نے ان کی راہ د رسم چھوڑ دی اور اللہ نے میرے شغلِ علم کے شوق کو زیادہ کر دیا۔ و اللہ الحمد!

- تیسری کی یہ مصیبت بوجت تک شامل حال رہی۔ جب بالغ ہوا تو طلبِ علم کے لیے گھر سے باہر نکلا اور مجھے طلبِ معاش کی کوئی ٹکڑی نہ تھی۔ جب علومِ حدیث سیر پڑھ کر وطن واپس آیا تو خیال ہوا کہ کسی جگہ ملازمت کرنی چاہیے۔ بھوپال آکر آستانہ خاص رئیسہ مرحومہ میں دو ماہ بعد رمضان ۱۲۷۱ھ میں ملازم ہو گیا۔ دو برس تک ملازم رہا پھر وطن واپس آ گیا۔ راستہ میں کانپور سے گزر ہوا تو وہاں فرج برگشتہ تھی مسافروں کے قافلہ کے ہمراہ ہزار دشمنوں کے ساتھ وطن پہنچا۔ والدہ اور ہمشیرگان کو دیکھ کر مسترت ہوئی۔ ایک سال تک وطن میں گوشہ گزین رہا۔ سرکاری افواج نے جب رئیس فرخ آباد کی بغاوت کی وجہ سے قنوج کو تاراج کیا تو میرا گھر بھی دست بردِ غنیمت ہو گیا۔ اثاثہ البیت میں سے چند کتابوں کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔ تب بگرام چلا گیا اور ہنگامہ غارت گری کے فرود ہونے تک وہاں رہا۔ پھر وہاں سے مرزا پور گیا، اور اکبر علی خان صاحب سوداگر شاہ بھمانپوری کے مکان پر دو تین ہفتے تک مہمان

رہا۔ مولوی عبدالرحمن صاحب مہاجر ساکن بہدوئی سے ملاقات ہوئی۔ جب وہاں سے بھوپال کی طرف چلا تو ایک دن دوران سفر بیکہ ایک نالہ کے اندر جا پڑا، قریب تھا کہ ڈوب جاؤں مگر اللہ تعالیٰ نے بچا لیا۔ کتب اور کپڑے لٹے جو میرے پاس تھے وہ سب پانی میں بھیگ کر خراب ہو گئے۔

چیزے کہ خشک ماند بغیر از دماغ نیست !

جن پور پہنچا تو مولوی نصر اللہ کھنپوری نے والد مرحوم سے عقیدت کی وجہ سے اپنے ہاں مہمان رکھا، ان دنوں بارش کی کثرت تھی۔ چند روز بعد چل کر بھوپال آیا۔ مدار الہام صاحب بہادر سے ملاقات ہوئی۔ بعض اشخاص کا سعایت بے اصل پر رعبہ نے مجھے ملازم رکھنے سے انکار کر دیا۔ میں ایک ہفتہ بعد براستہ سروج بے پور کی طرف روانہ ہو گیا اور زبان حال سے کہہ رہا تھا کہ

باگد شغیم ز بھوپال تو دلشاد نشیں

تفضل بر در مزین و خار بدیوار منہ

اٹنائے راہ شہر ٹونک سے گزر ہوا، وزیر الدولہ مرحوم نے آٹھ ماہ تک روک رکھا اس اثناء میں رعبہ نے خط لکھ کر بلایا، میں جب گیا تو نہایت اخلاق سے پیش آئیں۔ اور تنخواہ سابق میں اضافہ کر کے تاریخ بھوپال تحریر کرنے پر ملازم رکھا، اور مصارف سفر کی بھی رعایت فرمائی۔ اسی اثناء میں دستور العمل ریاست کی ترتیب کا کام بھی کرتا رہا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس ہی رکھا۔ کسی شخص کا ماتحت نہ کیا۔ اگرچہ میں ان کے عصے اور سختی مزاج کے باعث ان کی رو بکاری سے گریز کرتا تھا۔ لیکن وہ میری حاضر باشی اور تیز دستی کے باعث مجھے جدا کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ انہوں نے مجھ پر کبھی عصہ کا اظہار نہیں کیا تھا، نہ کبھی جرات کیا بلکہ عین دربار میں عبیدین وغیرہ کے موقع پر سر و قد کھڑی ہو کر تعظیم کرتی تھیں۔ اور بارہا سلام کہنے میں پہل کرتی تھیں۔ میں ان کے

اس اخلاق کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ میں نے کبھی ان سے اضافہ یا عمدہ کی درخواست نہیں کی اور نہ کبھی کوئی چیز مانگی۔ اپنی قسمت پر شاکر و قانع تھا۔ میں نے ان سے حج کی رخصت لی تھی۔ اسی دوران وہ مرض الموت میں بیمار پڑ گئیں اور بت چاہا کہ اس سفر میں زبردت سے میری اعانت کریں۔ لیکن میں نے گریز کیا اور ہر بار یہ کہہ کر ٹھال دیا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے گا، تب جاؤں گا۔

چنانچہ ۲۷ رجب ۱۲۸۵ھ کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اسی سال شعبان میں نواب شاہ جہان بیگم صدر نشین ریاست ہوئیں۔ تب میں نے ان سے حج کی رخصت لے کر حجاز میمنت طراز کا سفر اختیار کیا۔ اور شعبان کے آخر میں نمازِ ظہر کے بعد بمبئی کی طرف کوچ کیا۔ رئیسہ عالیہ نے ثیابِ فاتحہ اور قیمتی اشیاء کے چند صندوق دیئے کہ حرمین شریفین کے مسکینوں پر تقسیم کر دوں۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ ان مساکین میں سے ایک نواب تاجل حسین خان رئیس فرخ آباد بھی تھے۔ جو مجھے وہاں تباہ حالت میں ملے۔ میں نے انہیں بھی عمدہ لباس کا ایک جوڑا دیا۔ اور نہایت عبرت حاصل ہوئی۔ کیونکہ یہ وہ شخص تھا جس کی نوابی کے زمانہ میں، اس کی مدح میں غالب نے یہ شعر کہا تھا۔

دیا ہے اور کو بھی تا اسے نظر نہ لگے !
بنا ہے عیش تاجل حسین خان کے لیے

آٹھ ماہ بعد فریضہ حج اور زیارتِ مدینہ منورہ سے فارغ ہو کر واپس آیا اور رئیسہ کی خدمت میں وہ کاغذات اور رسیدات پیش کر دیں۔ جن پر مساکین کے دستخط تھے الا ماشاء اللہ۔ اب مجھے اہتمامِ مدارس پر مامور کر دیا گیا اور ایک سال بعد جب میں میر منشی ہو گیا اور خطاب و جاگیر اور ماہوار عمدہ سے سرفراز کیا گیا تو حُسنِ کارگزاری کے باعث رئیسہ نے میری قدر شناسی فرمائی اور مجھے

نائب دہم ریاست مقرر کر کے ۲۴ ہزار روپیہ سالانہ کی جاگیر بھی عطا کی۔ پھر جب انہیں کرنل طامس پولٹیکل ایجنٹ اور جنرل میڈرن کلکتہ میں نکاح ثانی کا مشورہ دیا اور کہا کہ آپ کا شوہر ریاست کے کام میں مدد دے گا۔ تو انہوں نے تحریرات سروسٹہ کے بعد لاڈ میوگورنر جنرل ہند سے اجازت لے کر مجھ سے نکاح ثانی کر لیا اور سرکار انگریزی سے حسب معمول مجھے خلعت، خیل واسپ و سلاح وغیرہ جس کی قیمت دس ہزار روپیہ بنتی ہے اور خطاب و لقب نوابی وغیرہ ملا اور دوبار میں جملہ مراتب تعظیم ادا کئے گئے۔ یہ سارا قصہ تاریخ بھوپال میں مفصل لکھا ہوا ہے۔ اور ان مراتب کے اسناد و مسانید میرے پاس موجود ہیں۔ اور اب جو آخر ذیقعدہ ۱۳۰۲ھ سے کام چھوڑ کر علیحدہ ہو گیا ہوں تو رئیسہ عالیہ نے مجھے کاروبار ریاست میں مدد دہی کا بریت دہے کے ساتھ صافی نامہ جاری کیا، جس کی بنیاد پر میں اور میری اولاد ان شاء اللہ تعالیٰ ہر مواخذہ سے پاک صاف ہے۔ اس ہنگامہ رستخیز میں اگر اللہ تعالیٰ انہیں میرا ظاہر حامی نہ بناتا تو میں نہیں جانتا کہ میں دشمنوں اور حاسدوں کے ہاتھوں کس بلا و آفت اور گناہ ناکردہ میں گرفتار ہو جاتا۔ الحمد للہ علی العافیۃ!

رئیسہ عالیہ نے مجھ سے اور میری اولاد سے جو محبت و شفقت کی، میں اس کا شکریہ ادا کرنے سے بالکل قاصر و عاجز ہوں۔ میری طرف سے اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اجر کبیر سے نوازے اور دنیا میں جملہ آفات سے محفوظ رکھے کہ میرا اور ان کا خاتمہ بالخیر کرے۔ اللہم آمین تم آمین!

بہنوں اور بچوں کی شادی کا مسئلہ :

جب بائع ہوا تو ہمیشہ گان کے نکاح کی فکر دامن گیر ہوئی، انتہائی حیران تھا، نہ براء رکھتا تھا نہ کوئی شخص برادری میں تھا۔ چارو ناچار بڑی ہمیشہ کا

عقد سید عزیز حسین بن سید شریف حسن مفتی فرخ آباد سے کر دیا۔ دوسری بہن کی شادی بلگرام میں سید عبدالعزیز واسطی سے کر دی، تیسری بہن کا عقد شیخ حامد حسین بن مفتی محمد حسن مرحوم بریلوی سے کیا۔ یہ میرے حقیقی ماموں کے چھوٹے بیٹے ہیں۔ پھر یہی وقت اپنے لڑکوں کی شادی کے وقت پیش آئی۔ چنانچہ فرزند ان کے لیے دختران میر جیدر علی ساکن موضع بیتی ضلع فتحپور علاقہ کانپور کو کمالِ صحتِ نسب کی وجہ سے اختیار کیا گیا۔ دختر کی شادی رئیسہ عالیہ کی عنایت سے ایک لاکھ روپیہ صرف کر کے میر عیدالحی خان بن مولوی سید عبدلرزاق کے ساتھ ہوئی۔ رئیسہ کی طرف سے ان سب بچوں کو خطاب، القاب مع اقطاع حاصل ہیں۔

اس زمانہ میں اہل شرف کے لیے قرابتِ صالحہ کا ہم پہنچانا بھی ایک مصیبت سے کم نہیں۔ میں دیکھتا ہوں کہ آج کل شوہر نہایت وقتِ صحت سے بیویوں کے مال کو حلال اور طیب سمجھ کر غارت کرتے ہیں۔ اور اپنے آپ پر بیوی کے نان و نفقہ، مسکن اور دیگر ضروریات کے حقوق واجب نہیں سمجھتے حالانکہ اس کی فرضیت میں کسی فقہ حنفی کا بھی اختلاف نہیں۔ پھر خود کما کر اپنے اہل و عیال کی پرورش کرنے کا کیا ذکر ہے؟ اہل اسلام کی خانہ ویرانی اور ادبار کے بڑے اسباب یہی ہیں۔ مجھ پر یاد ہے کہ جب تک میں نے اپنے دست و بازو سے ملازمت کر کے اپنی گزربسر کما مان نہ پیدا کر لیا، تب تک نکاح نہ کیا، پھر نکاح کے بعد اہل و عیال کے سارے مصارف اپنی معاش سے پورے کرتا رہا۔ بیوی اگر چہ آسودہ حال تھیں۔ لیکن میں نے ان کے مال سے کبھی ایک پیسہ بھی نہ لیا، نہ کبھی خسر سے لیا، بلکہ خسر کی ہر چیز لینے میں عار محسوس کی، اور بارہ سال تک ان کے باغ میں قدم نہ رکھا بلکہ اگر انہوں نے کبھی کچھ دینا چاہا یا دیا تو اسے واپس کر دیا اور نہ لیا۔ وجہ یہی تھی کہ نفس اس بات سے

کمال عار محسوس کرتا تھا کہ جس کا نان و نفقہ مجھ پر وا جب ہے، اس کا سچی شرعی تو ادا نہ کر دی، بلکہ اس کے مال و متاع کو بغیر کسی استحقاق کے اپنے نفس پر صرف کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نیت کی برکت سے مجھے میری بیوی اور بیوی کے والد سے زیادہ تو نگری بخشا اور اپنے سوا کسی کا محتاج، دست نگر اور مستمند نہ کیا۔ واللہ الحمد والمہذب!

کس روز، تہمتیں نہ تراشا کئے عدو؟

جب ربیبہ نے مجھ سے نکاح کیا تو اہل دنیا کے نزدیک یہ نکاح ثانی بڑا عیب بن گیا۔ اگرچہ اسے عیب قرار دینے سے ایمان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ارکانِ ریاست میں سے اکثر لوگوں پر اس معاملہ کا وقوع انتہائی ناگوار اور گراں گزارا و جبر یہ تھی کہ بیگم صاحبہ نے مجھ سے ریاست کے کام میں مدد لینا شروع کی اور مجھ پر کئی اعتماد کیا۔ میں نے بھی چارو ناچار اپنی تمام فکر و ہمت کو ان کی خیر خواہی میں صرف کر دیا۔ اور کسی کی خوشی و ناخوشی سے کام نہ رکھا۔ کیونکہ اگر میں صرف ان کا ملازم ہی ہوتا جیسا کہ اس قرابت سے قبل ملازمِ ریاست تھا۔ پھر بھی مجھ پر بحکمِ خدا و رسول ان کی امانت، دیانت اور خیر سگالی کی پامداری واجب تھی، چنانچہ جب تک ملازم تھا، محمدؐ تعلقے اسی طرح عمر بسر کی اور اب تو اس قرابت کی وجہ سے ان کا کام کرنا اور لوگوں سے بحسنِ امانت و دیانت برتاؤ رکھنا اور بھی مؤکد تر ہو گیا ہے۔ اگر یہ طریقہ اختیار نہ کرتا تو ان کا خائن و غاصب اور خدا کا ناشکر گزار اور گناہ گار ٹھہرتا اور دونوں جہانوں میں بدسیما ہی کے سوا اور کیا حاصل ہوتا؟ ہاں لوگوں کے ناراضی رہنے کی آفت نہ آتی۔ بلکہ اگر دوسرے لوگوں کا سا طریقہ اختیار کرتا تو مجھے بھی بہت کچھ عیشی ناجائز حاصل ہو سکتا تھا۔

زبانِ شکوہ اگر ہنچو غار داشتے ! ہمیشہ خرمین گل در کنار داشتے
 ہزار خانہ ز نمود کردیم پُر شہد ! اگر گزیدین مردم شعار داشتے
 زدست راست شدتے اگر چپ را چہ گنجبارہ یمن و یسار داشتے

میری نگرانی سے پہلے اموالِ ریاست میں ہر طرح کی دست بھرتی تھی، اور مختلف ذریعوں سے ہر کوئی اپنے مفاد کو ہی ملحوظ رکھتا تھا۔ اب جو سب کے خونخو بند ہو کر ایک ابو بکر صدیق کا خونخو کھلا رہا تو بدخواہوں کے دل پر غصہ و غضب کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ ان لوگوں نے میری علیحدگی بلکہ نام و نشان مٹانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ پہلے متوسلین قدسیہ بیگم نے حکام کو میری طرف سے بے اصل اراجیف پہنچا کر بہم کیا۔ لیکن اس کا کامل اثر نہ ہوا۔ اور جب وہ ۱۲۹۹ھ میں وفات پالیں تو اقربا و قریب نے پاؤں نکالے اور اقرار و کذب بے حقیقت کا ایک آسمان کھڑا کر دیا۔ ایک جماعت کو ہمارا کر کے اور ترقی مراتب وغیرہ کا لالچ دے کر ایک ہنگامہ رستخیز برپا کر دیا۔ میں اور بیگم صاحبہ دونوں متحیر تھے کہ یہ کیا بات ہے، اس رستخیز کی علت کیا ہے؟ آخر میں نے یارِ نیشہ عالیہ نے کس پر ظلم کیا ہے، جس کی تحقیق نہیں ہوتی ہے، اور ایک طرف احکام ناروا جاری ہوتے ہیں۔ مدعیوں کی طرف سے کسی امر کا کوئی ثبوت پیش نہیں ہو سکا۔ بجز اس کے کہ جن لوگوں پر یارِ نیشہ عالیہ نے احسان پر احسان کئے تھے اور جن کے ساتھ میں نے مروت، رعایت، قدر دانی، احسان و سخاوت، ترقی و عہد و عہد و اختیارات کا برتاؤ کیا تھا، ان میں سے ہر شخص نے احسان و سلوکِ خیر کی مقدار کے مطابق عداوت و شکست پر کمر باندھی، جس کے ساتھ تقویٰ احسان کیا تھا۔ وہ تقویٰ دشمن ہوا، اور جس کے ساتھ زیادہ احسان ہوا تھا، وہ زیادہ دشمن ہو گیا:

مَدَّ كَانَ ذِيكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۱۰

اور ہنوز یہ دشمنی روز بروز ترقی پذیر ہے۔ حالانکہ منعم مجازی کی نعمت کا

کفران بھی ایک معصیتِ عظمیٰ اور گناہِ کبیرہ ہوتا ہے۔ چہرہ میں سے کوئی اگر کسی کا ایک دن نمک کھالے تو وہ اس کی چہری نہیں کرتا، اور اسے نہیں مارتا۔ ان لوگوں نے عمر یا نصف عمر یا ثلث عمر تک اس ریاست کا نمک کھایا اور بعض نے پشت پالشت سے اس ریاست کا نمک کھایا۔ لیکن تباہی و بربادی کا باعث ہونے، شاید وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ مالک کے شوہر کی مخالفت مالک کی کوزلی نہیں ہے۔ سو یہ امر تو لائق قبول تب ہو سکتا ہے کہ شوہر، ریٹیسہ کی رائے کے خلاف اپنی خود پرستی سے مختار کاربن بیٹھا ہو یا حیلہ و حوالہ سے ریٹیسہ کو جدا کرنا چاہتا ہو۔ اس جگہ تو عکس القضیۃ ہوا کہ سب لوگوں نے حکام کے سامنے بیان کیا کہ ریٹیسہ مجھ سے ناخوش ہے اور میری علیحدگی پر اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا۔ اور حکام کے کانوں کو مخبری، دروغ گوئی، اتہام اور کذب سے بھر دیا۔ لوگوں کا ایک افتراء مجھ پر یہ ہے کہ میں اولاد اور والدہ کے درمیان ناموافقیت کا باعث بنا ہوں۔ حالانکہ دینِ اسلام میں یہ تفریقِ گناہِ کبیرہ ہے اور دنیا میں میرے حق میں زہرِ قاتل ہے۔ کوئی فرد پیشتر دیدہ و دانستہ اپنا برا نہیں چاہتا، پھر کیا میں ایسا ہی تادان تھا کہ اپنی جان کو اس تہلکہ میں ڈالتا۔ لیکن

شورِ بنحماں باز رو خواہند؛ مقبلوں لازوالِ نعمت و حباہ

گردنِ بیند بروزِ شپورہ چشم ۶ چشمہ آفتاب را چہ گشاہ

یہ حکایتِ حال و شکایتِ قال واقعات بیان کرنے کے لیے ہے، اس لیے نہیں کہ اپنی علیحدگی کا کوئی رنج و فکر میرے دل کو دامن گیر ہے۔ میں تو مجبوراً اس مشغلہ میں مبتلا ہو گیا تھا، نیت، ارادہ یا تدبیر سے اس بلا کو مول نہیں لیا تھا۔ اس کشمکش سے دام کے کیا کام تھا مجھے

اے الفتِ چمن ترا خانہِ خراب ہو!

اب برتاؤ نہیں میرے شاملِ حال ہوئی ہے تو سب داخلی و خارجی

امور سے علیحدہ ہو گیا ہوں، اور اس منعم حقیقی و مجازی کی نعمت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔

ایک حکایت:

شیخ علی متقیؒ نے جب کتب سنت میں عدل و انصاف کے فضائل کو دیکھا تو چاہا کہ خدمت عدالت اختیار کریں۔ بادشاہ گجرات کو جب ان کے ارادہ کا علم ہوا تو انہیں حاکم عدالت متعین کر دیا۔ بہت جلد عمدہ کی رشوت ستانی کی وجہ سے ان پر رشوت ستانی کی تہمت لگی۔ بادشاہ کو خبر ہوئی لیکن یقین نہ کیا۔ اس لیے کہ بادشاہ ان کے متعلق اعتقادِ عظیم رکھتا تھا۔ شیخ کو اس خبری کا بالکل علم نہ تھا۔ وہ غافل اور بے خبر تھے۔ جب زیادہ شہرت ہوئی تو شیخ نے بھی سنا اور بندوبست کیا کہ یہ دروازہ بند ہو جائے مگر لوگ کب دست کش ہو سکتے تھے۔ ناچار ایک دن وہ دیوانِ حکومت سے اپنا عصا لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ کہہ کر بھاگ گئے کہ دین و دنیا جمع نہیں ہو سکتے۔ ہر چند کہ بادشاہ نے عذر کیا اور اس گمان کی تکذیب کی۔ لیکن شیخ نے پھر سے اس عہدہ کو قبول نہ فرمایا۔ یہی حال میں بھی اپنے دلی ناتواں میں پاتا ہوں کہ اگر اب کوئی ہزار بار چاہے کہ اس سابقہ حالت پر لوٹ آؤں تو مجھے ہرگز منظور نہ ہو گا۔

مرا بر مسند جم می نشانند

آئی بر سر آں کو نشینم

گس طینت لوگ:

میں یہاں اس قوم کے اندر محصور ہوں، جو جھوٹی بات سے عویش اور

سچی بات سے ناخوش ہوتی ہے اور مجھے اس دردِ ہلاکت سے نجات کا کوئی
چارہ ٹیسر نہیں آ رہا ہے

باہر کہ راست گفتم فی الحال خصم من شد
خاموشی از ہمہ بہ چوں حق نمی توان گفتم

مجھ پر اس سے زیادہ کوئی امر شاق نہیں ہے کہ یہ لوگ اب بھی میرے ساتھ
دوست داری کا اظہار کرتے ہیں، حالانکہ اگر ذرا سا بھی تابو پائیں تو خون پینے کو
تیار ہو جائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ کوئی مجھ سے واسطہ رکھے مگر گس طینت اپنی طینت
سے باز نہیں آتے۔ انہیں معلوم ہے کہ میں ان سے ناخوش ہوں اور ان کی منافقت
و عداوت بھی مجھ پر آشکارا ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود ہر حیلہ و مکر سے استیجاراً
و اعتباراً دانا دراز ہونے کو تیار ہیں۔ کاش ان کا یہ رجوعِ انابت کے طور پر
ہوتا۔ لیکن یہ

ہر کہ دراصل ناکس افتاد دست بتقابلیب دہر کس نشود!
سگ گس را اگر کنی مقلوب قلب او غیر سگ گس نشود

جس صورت میں یہ واقعہ طلب مجھے رفع و خفض کے سارے صیغوں کا
مصدر قرار دیتے ہیں۔ اور دنیا و دین کے اعتبار سے ساری مخلوق میں سے بدترین
سمجھتے ہیں۔ اور خود مجھے بھی اقرار ہے کہ ہاں میں سرا پا گناہ اور نامہ سیاہ ہوں
تو مجھ سے راہ و رسم رکھنے کے کیا معنی؟ الحمد للہ کہ میں ان کے نزدیک سیئات
کا مجمع اور یہ اپنے زعم میں حسنات کا منبع ہیں۔

من ارپہ ما شقم و زند و مست و نامہ سیاہ

ہزار شکوہ کہ یارانِ شہر بے گندہ اند

میں تین سال سے اپنے غریب خانہ میں شکستہ پاؤں خیزیدہ ہوں اور

میرے حسد خاطر آرمیدہ۔ اس کے باوصف مجھے کسی طرح ان سے امن
میسر نہیں ہے

شیر اسلسلہ برگردن دروبہ ہمہ شب
فارع البال بر اطلال و دمن میگردد!
عاقل از کلیہ احزان نہد پا بیرون
خاف از روئے طرب گرد چمن میگردد

ہنگامہ آرائی و بے مروتی:

جب یہ ہنگامہ برپا ہوا تو اپنوں اور بیگانوں میں سے کسی شخص نے مجھ
سے ہمدردی نہ کی ہر شخص میرے نام بلکہ میرے سایہ ناکام سے بھی جاگنے لگا
اور کسی نے جھوٹ موٹ بھی نہ پوچھا کہ تیرا کیا حال ہے۔
یک حرف آشنا بلفظ ہم کسے تکلفت!
چنداں کہ خواب خوش بہر افسانہ سو عظیم

ہاں میرے اہل بیت نے جان و مال و آبرو سے جس طرح بھی ہوسکا
میرا ساتھ دیا۔ میں اس رفاقت و معیت کا تمام عمر خواہ عمر طویل بھی ہوسکے یہ ادا
کروں تو اس احسان کثیر کا حقوڑا سا شکریہ بھی ادا نہیں کر سکتا۔ اگرچہ ابتداء میں
مردوں اور عورتوں کی ایک جماعت نے کوشش کی کہ میرے اور رفیقہ کے درمیان
مفارقت ہو جائے۔ میں بھی ان کی نا تجربہ کاری کے سبب اور اس کشمکش سے اپنی
رہائی کے خیال پر خوش تھا مگر جو امر مقدر نہ ہو وہ کسی تدبیر سے ظہور میں
نہیں آتا۔ مجھے اگرچہ اس جگہ کا قیام سخت شاق ہے۔ لیکن میں مختار نہیں:
”عَلَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَلَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ“

اس حالت کے دامن گیر ہونے کی وجہ سے مجھے کوئی ٹکڑہ نہیں کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کو حسیب، کافی اور رازق علی الاطلاق سمجھتا ہوں۔
 ولکن خداوندِ بالا و پست !
 بعضیاں در رزق بر کس نہ بست
 اور یہ بھی جانتا ہوں کہ :

حَرَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُؤَدُّونَ ۗ
 اور آسمان میں ہے رزق تمہارا اور وہ چیز جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

اور اس آیت کو بھی پہچانتا ہوں :
 إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ
 الْكَبِيرِ ۗ
 بے شک اللہ ہی رزق دینے والا، قوت والا
 مضبوط ہے۔

انسان اگر اللہ تعالیٰ کے تطہورات کو بمقدمہ ایصالِ رزقِ غور سے دیکھے تو حیران رہ جائے۔ کبھی دشمن کے ہاتھ سے اس کی ناخوشی کے باوجود رزق دلواتا ہے، کبھی ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ میرے ساتھ یہ معاملہ اس لیے ہوا کہ میری نارسائی میں دشمنوں اور حاسدوں نے اپنی رسائی یقین کر لی تھی۔ مگر تقدیر الہی سے معاملہ الٹ ہو گیا۔ میزاکام سے جدا ہونا تو میرے حق میں مصلحت تھا۔ لیکن انہیں ہنوز مدعا ہاتھ نہیں آیا۔ کسی اور ہی قوم کی مداخلت ہو گئی جس سے بالکل رفعِ امان ہو گیا۔

شادم کہ از رقیباں دامن نشاں گذشتی !
 گوشتِ خاک ماہم برباد رفتہ باشد !

وقال اللہ تعالیٰ :

تَوَلَّى بَعْضُ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا

كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝
 کے سبب بعض ظالموں کو مسلط کر دیتے ہیں۔
 حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 مَنْ آعَانَ ظَالِمًا سَلَطَهُ اللَّهُ
 جو کسی ظالم کی مدد کرے تو اسے اللہ تعالیٰ اس پر
 بھی مسلط کر دے گا۔

(رواہ ابن عساکر و ہذا حدیث غریب)

وقال بعض الشعراء

وَمَا مِنْ يَدٍ إِلَّا يَدُ اللَّهِ فَوْقَهَا
 وَمَا ظَالِمٌ إِلَّا سَيِّئٌ بِظَالِمٍ

ابن کثیرؒ نے مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ: ظالموں کے ساتھ ہم ایسے ہی کرتے ہیں کہ

وَكُنَّا نَفْعَلُ بِالظَّالِمِينَ نُسْلُطُ
 بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَنَهْلِكُ بَعْضَهُمْ
 بَعْضًا وَنَنْتَقِمُ مِنْ بَعْضِهِمْ بَعْضًا جَزَاءَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
 بعض کو بعض پر مسلط کرتے ہیں، ہلاک کرتے
 ہیں، انتقام لیتے ہیں اور یہ ان کے ظلم و بغاوت
 کی سزا ہوتی ہے۔

فتح البیان میں کہا ہے:

قَالَ ابْنُ كَثِيرٍ نُسْلُطُ بَعْضُ الظَّالِمَةِ عَلَى
 بَعْضٍ فَتَهْلِكُ وَتَذَكَّرُ قَالَ فَضِيلُ بْنُ
 عِيَّاضٍ إِذَا آيَاتُ ظَالِمًا يَنْتَقِمُ مِنْ
 ظَالِمٍ قَيْفٌ وَانظُرْ مَتَّعِجِبَاءَ
 ابن زید کہتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم
 بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر کے انہیں ہلاک
 اور ذلیل کر دیتے ہیں اور فضیل بن عیاض نے
 کہا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی ظالم کسی دوسرے
 ظالم سے انتقام لے رہا ہے تو تم ٹھرو اور
 تعجب سے دیکھو۔

الحمد لله کہ اس اندرونی و بیرونی حیص بیص میں میرے پاؤں میں کوئی لغزش
 پیدا نہیں ہوئی اور نہ کسی امر مکروہ کا مرتکب ہوا بلکہ مستقل مزاج رہا، اور کسی طرح

کے تغیر و تبدلِ مزاج نے مجھ پر اثر نہ کیا اور میں نے اپنے لیے کسی بھی ذلت کو قبول نہیں کیا۔

ما عجز دشمنیم و حریفان زبوں طلب !

ای خونِ ما بگردنِ طبعِ غیورِ ما !

لوگوں نے تو بہت چاہا اور خوب ڈرایا تاکہ ان کی طرف التجا کروں، اور مزید ذلت پر ذلت احاطہ کر لے بلکہ ادنیٰ سے ادنیٰ حواشی و مواشی کو بھی میرے ستانے کا حوصلہ پیدا ہو گیا۔ لیکن میں نے ان کی طرف رجوع نہیں کیا اور نہ ان کی ایذا دہی پر کچھ منفعل ہوا۔

ما زہرِ قاتلیم فیصحی نہ شہدِ ناب ء

مردِ طمانچہ خوردنِ بالِ گسِ نیمیم

پھر بعض دشمنوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے منافع کی بہت کچھ توقع

دلائی اور وہ بھی بیکار گئی۔ و لنعم باقیں :

”بہشتے کہ بایں رسوائی دست ہم دہد بدتر از دوزخ ست“

آخر یہاں کے سب مناجاتی اور خراباتی متوسلین نے اتفاق کر کے مجھ پر

آفتوں کا مینہ برسانا شروع کیا، اور اسلامی حقوق اور مروت کے بجائے تعصب

اور کفرانِ نعمت سے کام لیا۔ الحمد للہ علی کل حال۔

رَضِينَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فَيْنَا كُنَّا عِلْمٌ وَ لِبِجْهَالِ مَالِ

كِيَانِ الْمَالِ يَفْنَى عَنْ قَرِيبٍ وَإِنَّ الْعِلْمَ يَبْقَى لَا يَدَالِ

میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ جس طرح صغیرین سے اب تک میں کسی شخص کا

منت کش نہ ہوا تھا، اسی طرح اس ہنگامہ رستخیز میں بھی اپنے معبودِ واحد کے سوا

کسی سے چارہ جو نہ ہوا۔ اور نہ کوئی میرا شریکِ حال ٹھہرا۔ و لہذا الحمد ! میں جس کا

بندہ شرمندہ تھا، اسی نے مجھے ہزار عصیاں و ذنوب کے باوجود اپنی کنف حیات میں رکھا، غیر کے احسان سے بچایا اور کسی کے سامنے درم، تلم یا قدم سے شرمندہ نہ کیا:

لَا أَحْصِي تَسَاءُ عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَكُنَيْتَ عَلَيَّ نَفْسِكَ!

پہلی رفیقہ حیات کا دارِ عِزّت و مفارقت:

انہی حالات میں ایک اور مشکل کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ اور وہ یہ کہ بچوں کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اگرچہ وہ مجھ سے نکاحِ ثانی کے سبب کشیدہ خاطر رہتی تھیں، لیکن میں ان سے خوش عقیدگی اور پابندیِ صوم و صلوٰۃ کی دہرے خوش تھا۔ بڑی خوش نصیب بیوی تھیں۔ جب تک زندہ رہیں، ان کے ساتھ انتقال کے سوا مجھے اور کوئی تشویش لاحق نہ ہوئی، البتہ رئیسہ عالیہ اور میرے درمیان مکمل ایک سال تک شکر رنجی رہی۔ دوسرے سال بھوپال کے تیسرے سال کا ہنگامہ پیش آیا۔ اور سارے زمانہ کا رنگ بدل گیا۔ اور دو سال تک گونا گوں انکار و آفات کا تواتر رہا۔ اب ایک سال یعنی ۱۳۰۵ھ سے مصیبتوں کا وہ جوش و خروش نہیں ہے۔ لیکن

کشفِ عمر بھی کما حقہ نہیں:

«لَعَلَّ اللَّهَ يُخْدِتُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا»

کشفِ عمر سے مراد صرف رئیسہ عالیہ کے ملالِ خاطر کا رفع ہونا ہے، اپنا ادراج موج مراد نہیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ دوبارہ اسی دلیل میں گرفتار ہو کر مقوتِ مطلقاً مسخوطِ خالق بنوں۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا. ع

مَنْ جَرَّبَ الْمُجَرَّبَ حَلَّتْ بِهِ النَّدَامَةُ

میں نے بچوں کی ماں کی زندگی میں ہی ان کی شادی کر دی تھی، تاکہ ایسا نہ ہو،

ان کی وفات کے بعد بچوں کو وحشتِ خاطر ہو اور مجھ سے بچوں کی خاندان داری کا انتظام نہ ہو سکے اور ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ اس طرح اسے بھی اولاد کی طرف سے طمانیتِ خاطر حاصل ہو جائے گی۔ اس کی زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ نے بچوں کو بھی اولاد بخشی و اللہ الحمد!

مرض الموت میں وہ اپنی دختر کے گھر آگئی تھیں، اسی جگہ ان کا علاج ہوتا رہا۔ اور اسی جگہ انتقال کیا۔ انتقال بروز چار شنبہ جس کی صبح کو غرہ رمضان ۱۳۳۸ھ تھا۔ چار بجے آخر شب بوقت اذان فجر ہوا۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

تاریخ وفات یہ ہے:

مَرْتُوْرَ اللّٰهِ مَرْتَدَهَا وَجَعَلَ اَوْسَطَ الْفَرْدُوْسِ مَا وَاَهَا

دوسرا فقرہ تاریخ یہ بھی ہو سکتا ہے:

مَرْتُوْرَ اللّٰهِ مَرْتَدَهَا وَكَانَ بِاَوْسَطِ الْفَرْدُوْسِ نَزْلَهَا

نماز جنازہ موتی مسجد میں پڑھی گئی، میں نے نماز بادیہ پر آب معہ سبہ فاتحہ وغیرہ پڑھائی۔ نماز پڑھنے والوں کی لمبی لمبی گیارہ صفیں تھیں۔ اور ہر صف میں ۸۵ آدمی تھے۔ مدارالمہام صاحب مرحوم کے باغ میں ان کے مرقد کے متصل ہی دفن کیا گیا۔ وہاں دوبارہ کثیر آدمیوں نے نماز جنازہ پڑھی، اختتامِ دفن تک حفاظ نے سورہ رعد پڑھی، ان کی عمر تخمیناً شصت سال ہوگی۔ دفن کے بعد غلہ اور نقدی وغیرہ بھی صدقہ کی گئی۔ میں نے ان کے مرض کے ابتداء میں یعنی ماہ شعبان میں یہ خواب دیکھا تھا کہ آسمان کے مشرق و مغرب میں ایک بدرِ کاف نکلا ہوا ہے۔ مگر زیادہ بلند نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک نیزے کی بلندی پر ہوگا۔ لیکن اچانک وہ چاند آسمان سے زمین پر گر پڑا۔ اسی طرح ان کے مرض کے آخر

میں خواب دیکھا کہ مدار المہام مرحوم عمدہ سفید لباس پہنے ہوئے بجھی پر سوار میرے پاس آئے اور بہت خوش ہیں۔ لیکن لاغر بدن ہیں۔ کچھ گفتگو کی جو یاد نہیں رہی۔

مرحومہ کو اسی سال ۲۵ ررجب کو بائیں پاؤں میں درم کا عارضہ ہوا تھا۔ چونکہ لگوئی گئی تو ان کے ڈنک پک گئے، چنانچہ اسی تکلیف کی وجہ سے ماہ رمضان کی پہلی رات رحمت الہی کے جوار میں منتقل ہو گئیں۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مرفوع حدیث ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ مَاتَتْ وَذَوُّهَا عَنْهَا
رَاضٍ دَخَلَتْ الْجَنَّةَ»
جو عورت فوت ہوئی اس حال میں کہ اس کا
خاندان اس سے راضی تھا تو وہ جنت میں
داخل ہوگی۔

(رواہ الترمذی)

میں ان سے راضی تھا۔ علاوہ ازیں اپنے جملہ حقوق سے انہیں بری الذمہ بھی کر دیا۔ اور میری نسبت اگر ان سے کچھ لغزشیں ہوتی ہوں تو انہیں بھی معاف کر دیا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا صَلَّتِ الْمَرْأَةُ خَمْسًا وَ
أَحْصَتْ قُرْبَهَا وَأَطَاعَتْ
بَعْلَهَا دَخَلَتْ مِنْ آيَاتِ الْجَنَّةِ
شَاوِثًا»
جب عورت پانچوں نمازیں پڑھے، شکرانہ
کی حفاظت کرے اور اپنے خاندان کی
اطاعت کرے تو جنت کے جس دروازے
سے چاہے داخل ہو جائے۔

(رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

بحمدہ تعالیٰ ان میں یہ سارے اوصاف مجتمع تھے، علاوہ ازیں

نہایت سخی النفس تھیں، صدقات و خیرات خوب دیتی تھیں۔ میری اولاد نے ان کے ترکہ سے نقد یا جنس کا ایک بدمیہ تک نہیں لیا۔ سب ان کی سابقہ اولاد کو دے دیا۔ اسی طرح میں نے بھی اپنا حصہ نہیں لیا۔ اگرچہ ریکسہ کی مرضی یہی تھی کہ میں اور میری اولاد بھی شرعی فرائض کے مطابق اپنا اپنا حصہ لے لیں لیکن میری ہمت قاصر رہی۔ واللہ الحمد!

ان کی وفات کے بعد میں نے ۲۷ سوال ۱۳۰۱ء کو انہیں خواب میں دیکھا کہ میرے حجرہ خواب واقع محل سرکار میں آکر میرے پتنگ پر بیٹھ گئی ہیں۔ میں نے پوچھا مرنے میں بہت تکلیف ہوئی ہوگی؟ کہا:

”دو تین دن کا فاقہ ہوا اور کچھ نہیں“

میں نے پوچھا:

”تو میں کچھ سوال و جواب ہوا؟“

کہا:

”مجھ سے کسی نے کچھ نہیں پوچھا“

میں نے کہا:

”اللہ نے تمہیں بخش دیا؟“

کہا: ”ہاں“

میں نے خیال کیا کہ ان کے کان کے نیچے جو دم ہو گیا تھا۔ وہ منٹک ہو

چلا ہے۔ اور وہ بہت خوش ہیں۔

تَبَّتْ آسَارُهُمْ وَجَمَعْنَا عَقْرَ اللَّهِ لَنَا وَلَهُمَا مَعْنَمٌ وَكُتِبَ وَجَمَعْنَا فِي دَارِ

كِرَامَتِهِمْ وَرَحْمَتِهِمْ - آمین ثمر آمین!



ہم گلستان میں بھی رہتے ہیں سیاباں کی طرح :

میری اس بیوی کی پہلی اولاد جو پہلے شوہر سے تھی، وہ مجھ سے اور میری اولاد سے بلا کسی شرعی وجہ کے ناراض رہتی ہے انہیں اپنی ماں کے نکاح ثانی کی ناراضگی ہے۔ میں نے تو جہاں تک مجھے علم ہے ان سے کوئی برائی نہیں کی، اور نہ ہی انہیں اپنی ماں کے پاس کبھی آندو شد سے منع کیا۔ اگرچہ عدم جنسیت و جرم علم کی بنا پر ان کی مصاحبت میں رنجیت نہیں ہے۔ پھر جب سے بی بی کا انتقال ہو گیا، انہیں مجھ سے اور بھی زیادہ دشت ہو گئی ہے۔ ان کی ناخوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں نے انہیں مناسب جلیلہ پر نہیں پہنچایا۔ گویا یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات میرے اختیار میں تھی، حالانکہ میں اپنی بے اختیار کاحلف اٹھا سکتا ہوں۔ ان کا نسب انصاری بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن میرے حق میں تو مہاجرین ہو گئے ہیں۔ واللہ الحمد علی کل حال۔

مجھے ان امور کے متعلق ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ خصوصاً اس جہت سے اب آئندہ ان سے قرابتِ جدید کی کوئی صورت نکلنے والی نہیں ہے۔ میری اولاد کی قرابتِ اہل سیادت سے ہے۔ اہل سعایت سے نہیں۔

حسن اتفاق دیکھو کہ اس شہر میں اس سال یعنی ۱۳۰۵ھ میں قیام کی مدت ۲۵ برس ہو رہی ہے۔ لیکن برایا در عایا کی مجھ سے عجب طرح کی بیگانگی ہے، کسی کو اپنا دوست نہیں پاتا ہوں، اگرچہ میں کسی کا بدخواہ یا بداندیش نہیں ہوں، لیکن مجھے اس جگہ ہمیشہ،

”خلوت در انجمن و سفر در وطن“

کی کیفیت حاصل رہی، کبھی نوبت :

میرا ذکر و بازگشت

کی نہیں آئی ہے

كَرَأْتِي مُخْرِبًا بَيْنَ بَيْتٍ وَآهْلِهِمَا وَإِنْ كَانَ جِبْرًا فِي بَيْهَا وَبَيْهَا أَهْلِي
وَمَا غَرَبَةُ الْإِنْسَانِ فِي شَقَّةِ النَّوَى وَكَذَّبَهَا وَاللَّهِ فِي عَدَمِ الشَّخْلِ

افتراپروازیاں اور دشنام طرازیوں؛

حاسدوں اور مخالفوں نے زمانہ دراز تک اردو وانگریزی انجارات میں میرے خلاف صدہا افتراباندھ کر مشہور کرائے اور صدہا دشنام لکھوائیں میں نے سکوت و تمکب اختیار کیا اور کسی بات کا جواب نہ دیا یہ دشنام اگر وہد خیسے چارہ نہ بود بجز شفیقین گربائے کسے سگ گزیدہ! ہاسگ نتواں عومض گزیدن اللہ تعالیٰ نے ایک شخص کو صرف اسی وجہ سے بخش دیا تھا کہ لوگ اس پر دروغ بندی کرتے تھے اور وہ اس کذب و افتراء سے پاک تھا۔ بحدہ تعالیٰ میں بھی ان وقائع اور بہتانوں سے جو میرے متعلق لکھوائے گئے ہیں، مثل صبح پاک نفس ہوں، اگر چہ اللہ کا حد سے زیادہ حامی ہوں، لیکن ان طوفانات سے بری ہوں۔ ولشہ الحمد! یہ

گر در حق ما کسے بدی گفت! زین نم ولی خود چہرا خراشیم
من در حق او نکو بگویم! تا ہر دو دروغ گفتہ باشیم
یہ مصیبت حقیقت میں اللہ کا ایک احسان ہے۔ اور یہ اعداء نفس الامر میں اصدقا ہیں۔ ان کا غیبت کرنا، چغلی کھانا، برا بھلا کہنا، اور سخت و سست لکھوانا میرے لیے ان شاء اللہ العزیز، مغفرت کا موجب ہوگا، اور سچی بات یہ

ہے کہ ان لوگوں کی باتیں اگر لباسِ صدق سے آراستہ ہیں، تو اللہ تعالیٰ مجھے انابت اور استغفار کی توفیق بخشے اور میرے قصور معاف فرمائے اور اگر وہ لوگ کاذب اور مغتری ہیں، تو اللہ ان کے گناہوں کو معاف فرمائے۔ میں اپنے اعداء و حساد کو نام بنام پہچانتا ہوں۔ اور ان کے نفاق و بہتان کو خوب جانتا ہوں لیکن ان کے اسماء کی تعیین اس لیے نہیں کرتا کہ اس سے فتنوں کے بھڑکنے کا اندیشہ ہے۔

مصطحت نیست کہ از پردہ برون افتد کار
در نہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

بچوں مصائب میں ایک غمِ خوار کا خط :

ایک جم غفیر نے یہ بھی فکر و تدبیر کی کہ جس طرح ممکن ہو مجھے قید، اخراج، جس دوام یا قتل کی سزا ملے اور معزوفہ اپنی کارستانی و ایذا رسانی سے باز نہیں آئے، اور معلوم ہوتا ہے کہ جب تک میں اس جگہ زندہ اور موجود ہوں باز نہیں آئیں گے :

«أَتَوْضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ»

اس کے باوجود میں ان میں سے کسی کے درپے آزار نہیں ہوں۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ :

«اگر سارا جہان تجھے نفع یا نقصان پہنچانے پر مجتمع ہو جائے تو جب تک اللہ نہ چاہے تجھے کچھ نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا»
مجھے اس ہنگامہ میں اس حدیث کے صدق کا بخوبی تجربہ ہو گیا ہے۔

واللہ الحمد

يَوْمَ الثَّقَلَانِ الْجُنْحُ وَالْإِنْسُ أَجْمَعُونَ ؛ يُرِيدُونَ إِيْلَامًا لَا ضَمِيرَ نَسَلَةٍ
يَكُونُ لَهَا رَبُّ السَّمَوَاتِ نَاصِرًا كَمَا ظَهَرُوا مِنْهَا بِأَذْنِي مَصْرَفَةٍ

اس انقلاب سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ عزت و عظمت و علوت اختیار کرنے کی وجہ سے اعداء، حساد اور انخیار کی رُویت سے محفوظ ہو گیا ہوں۔

در دیدہ بجائے سرمہ سوزن دیدن برق آندہ آتش زدہ خرمن دیدن
در قید فرنگ غل بگردن دیدن یہ زرائع بجائے دوست دشمن دیدن
جب یہ انقلاب ہوا تو ”تحفۃ الہند“ کے مؤلف عافہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک خط لکھا، جس میں تحریر کیا کہ:

”میرے نزدیک آپ کا نفس مطمئنہ ہے، اللہ تم سے راضی ہوا اور تم اللہ سے راضی رہو۔ واللہ حبیبک۔ آپ کا حوصلہ عالی ایسا نہیں ہے کہ اندک زوال حسرت و جاہ و نیائے دوزخ کا، جو کہ اللہ کے نزدیک ایک پریشہ سے بھی حقیر تر ہے۔ آپ کی خاطر کو مقدر کرے۔ حضرت من! کچھ اپنی بھی قدر پہچاننا تو تم لغت جگر زہرا رہو، تم نور چشم مرتضیٰ ہو، تم وارث سید الانبیاء ہو، تم جگر گوشہ رسول مصطفیٰ ہو، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تم مجدد دین ہو، تم محی سنت ہو، تم جامع بدعت ہو۔ وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ“

اگر خطابِ نوابی نہ رہا تو کیا پر واپس، خطاب وارث الانبیاء کافی ہے، اگر امیر الملک والامجاہ نہیں رہے، تو امیر المؤمنین تو ضرور ہو، اگر صدائے سلامی انواب نہ رہی، بلا سے، ندائے ”حی علی الصلوة“ حی علی الفلاح“ تو خدا دا ہے، اگر خدمتِ مفوضہ ربیبہ بھوپال نہ رہی تو نعم نہیں، خدمتِ مفوضہ خدا تعالیٰ و رسول و غیبتِ کبریٰ

ہے۔ اس زوالِ بعض اقسامِ حسمت و بہاہ کو ایسا سمجھو جیسے کوئی مومنے
 عانہ و ناخنِ دست و پا کو قطع کر کے پھینک دیتا ہے۔ اور جانتا ہے
 کہ اس کا رخ بدن کے دور گئے۔ یہ وقت مہر و رضا و تسلیم کا ہے اور لوگو
 مظفر حسین رضی اللہ علیہ گاہ گاہ اس حدیثِ قدسی کو پڑھا کرتے تھے:
 ”تُرِيدُ وَارِيدُ وَمَا يَكُونُ إِلَّا مَا تُرِيدُ فَمَنْ رَضِيَ فَلَهُ الرِّضَا وَمَنْ
 سَخَطَ فَلَهُ السَّخَطُ۔ اور کہا قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
 اللہ آپ کو ان شخصوں میں کرے جو اس آیت کے مصداق ہیں:
 ”رَبَّنَا وَجَدْنَاكَ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّكَ أَوَّابٌ عَظِيمٌ
 اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے کہ تم مصداق ان دو آیت کے ہو ایک:
 ”أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ وَوَجَدَكَ
 عَائِلًا فَأَغْنَىٰ“

دوسری:

”أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۖ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۖ
 أَنْقَضْنَا ظَهْرَكَ ۖ وَرَكَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۖ
 اب انشاء اللہ مصداق اس آیت کے ہو گئے،

۱۰

تو بھی ارادہ کرتا ہے اور میں بھی لیکن ہوتا وہی ہے بلکہ ارادہ ہو، جو تیرے کام پر راضی ہو جائے
 اس کے لئے رضا اور جو ناراض ہو جائے اس کے لیے ناراضگی ہے۔

۱۱ ص: ۲۴

۱۲ الضحیٰ: ۶ تا ۸

۱۳ الم نشرح: ۱ تا ۴

بِنَاقٍ مَعَ الْعَسْرِ لَيْسَ، إِنَّ مَعَ الْعَسْرِ لَيْسَ ۚ

اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ سے وہ کام لیے ہیں کہ کسی اور سے کم لیے ہوئے
گئے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس کے حصول کی تدبیر نہ کیجئے بلکہ اس تدبیر میں تو ہم سب
تمہارے بغیر خواہ لگ رہے ہیں۔ اس واسطے کہ آپ کی عزت و جاہ تمام اہلسنت
بلکہ تمام اہل اسلام کی عزت و جاہ ہے اور ہم کو یہ تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے
اعدا و رוסد کو ہدایت کرے یا خوار و ذلیل فرمائے۔ غرض اس عرض سے یہ ہے کہ
خاطر مبارک کو مطمئن و فارغ رکھ کر بدستور خدمت مفضوئہ خدا و رسولؐ میں مشغول
رہو، اور اگر کبھی کچھ خیال نفس کا متغیر یا تو یہ کہو۔

غلام ہمتِ آنم کہ زیرِ چرخ کبود	زہرِ چرخِ رنگِ تعلق پذیرِ آرزو دست
نصیحتِ کنت یاد گیر و در عمل آر	کہ این حدیثِ زیرِ پیرِ یقیم یاد دست
کہ اے بلند نظر شاہ بازِ سدرہ نشین	نشین تو نہ این کنجِ محنتِ آباد دست
ترازِ لنگرہِ عرشِ مینیزند صغیر	ہدائنت کہ دریں داگر چہ افتاد دست
نعم جہاں مخور و پند من مبراز یاد	کہ این لطیفہ لغز مند ہر و یاد دست

والسلام۔ انتہی۔

میں اس خط کو اس جگہ نقل نہیں کرنا چاہتا تھا، کیونکہ وہ ان اوصاف پر
مشتمل ہے، جن کے ساتھ میں اپنا اتصاف نہیں پاتا۔ صاحبِ خط نے حسنِ ظن سے
جو چاہا لکھ دیا۔ میں تو اس خط کو صرف اس لیے یہاں نقل کر رہا ہوں کہ اس میں
مجھے نصیحت و تسلی لکھی ہے۔

میں اللہ سے یہی چاہتا ہوں کہ مجھے خطِ مذکور کے معنائین کا مصداق بنا
دے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے اس تہلکہ میں ثابت قدم رکھا،
صبر عطا کیا، انقلاب سے رنجیدہ خاطر نہ کیا، بلکہ اس مشغول سے جدا ہو جانا

بہت اچھا ثابت ہوا۔ میں ایک مدت سے اسی خلوت و عزلت اور اسی وحدت و تنہائی کا طالب تھا۔

لہذا الحمد ہر آن چیز کہ خاطر سے خواست ،
آخر آمد ز پس پرودہ نقدر پدید

میں خطابِ نوابی کو رب الارباب کا ایک عتاب سمجھتا ہوں اور امیر الملکی و والا جاہی کو سببِ ہلاکِ یوم الحساب۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ مجھے یہاں تین خطاب ملے، ایک امیرالافتائی، دو ستر معتمد المہامی اور تیسرا یہ خطاب۔ میں ان عطا بات میں سے کسی پر کبھی خوش نہیں ہوا، اور نہ ہی کبھی انظارِ تغافل کیا بلکہ ہمیشہ ان تحریکات اور ترقیات سے نہایت مد و شد کے ساتھ رقیبہ عالیہ سے معذرت چاہتا رہا لیکن میری عرض قبول نہ ہوئی۔

آنچہ نصیب ست بہم میرسد
گر نہ ستانی بستم میرسد

اور اس امر کی شاہد خود رقیبہ عالیہ ہیں کہ ایک بار خود انہوں نے یہ چاہا تھا کہ مجھے صدر کی منظوری سے تاحیات ریاست کا خود مختار کار بنادیں، چنانچہ اس تحریک کی مثل دفتر ریاست میں موجود ہے۔ میں نے بڑی جدوجہد سے انہیں اس خیال سے باز رکھا ورنہ دنیا کا جادو تو ہاروت و ماروت کے سحر سے بھی زیادہ ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص اس زمانہ میں اس امر میں پیچھے رہتا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ حَمْدًا اَکْثَرًا

اب جو اس خطاب و القاب کا ازالہ ہو گیا ہے، اور جو نام میرے باپ نے رکھا تھا یعنی صدیق بن حسن وہ باقی رہ گیا تو یہ بات میرے لیے دنیا و آخرت کے اعتبار سے بڑی مسرت کی ہے۔ سلفِ اسلام ہمیشہ ایسے امور سے متنفّر

رہتے تھے۔ اور ان کاموں میں دین کا نقصان سمجھتے تھے بلکہ وہ تو قید کئے گئے، ملک سے نکالے گئے، مارے پیٹے گئے اور بعض کو قتل بھی کیا گیا۔ لیکن انہوں نے ان مناصب کے قبول کرنے سے انکار ہی کیا۔ یہ کام انہی لوگوں سے بنتا ہے جو یوم الحساب پر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ یہ خطاب والقاب نہ مجھے طلب و تدبیر سے حاصل ہوئے تھے اور نہ ہی سوئی تدبیر سے گئے بلکہ جس کے سبب سے ملے تھے اسی کی وفاداری میں گئے، واللہ المحمدا!

علاوہ ازیں اس زمانہ میں خطاب کی وقعت ہی یہ رہ گئی ہے کہ اکثر نااہلوں کو بصر زرا، آسمانی، شرکتِ محض، فجور، آلات و اسبابِ فسوق کے استعمال کو زنجی آقا یا چالاک اور فریب و دغا بازی سے مل جاتے ہیں۔ یہ باتیں کسی مسلمان سے بھلا کب ہو سکتی ہیں کہ اسے خطاب ملے یا مل کر باقی رہے۔

شعرانی نے ”معنی کبریٰ“ میں لکھا ہے کہ:

مجھے اگر کوئی کنیت، لقب، شیاخت یا سیادت کے بغیر محض میرے نام سے پکارنا ہے تو مجھے تکبر نہیں ہوتا کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ انسان کو اس کے نام سے پکارنا صدقِ محض ہے اور القاب یا کنیتوں وغیرہ میں اکثر کذب و اعلیٰ ہو جاتا ہے، خواہ تاویل بعید سے ہو۔ اور کمتر لوگ اسے قبول کرتے ہیں۔

سلف صالح، صحابہ رض و تابعینؓ بھی اسی طریق پر کار بند تھے کہ صرف نام لے کر ہی ایک دوسرے کو بلا تھے اور جب کسی کو نام لے کر بلا جاتا تو وہ لیک کہتا۔ اور جو شخص ”شمس الدین، نور الدین، اور سراج الدین“ وغیرہ القاب پر خوش ہوتا ہے۔ اسے اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا، اگر اللہ تعالیٰ کے علم میں یہ بات ثابت ہو چکی

ہو کہ وہ جہنم کے کوٹلوں میں سے ایک کو ٹنڈ ہوگا۔ ہم القاب کی حرمت کا فتویٰ نہیں دیتے کیونکہ ان میں کذب غیر محقق ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ شمس الدین، نور الدین، وغیرہ کہنے سے کہنے والے کی مراد یہ ہو کہ وہ اپنی ذات کی حد تک دین کا آفتاب، نور یا قطب ہے۔

اسی طرح دیگر القاب کا معاملہ ہے۔ لیکن یاد رہے کہ یہ بات دوست و احباب اور ہم عمر لوگوں کے متعلق ہے درزاہد کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے اساتذہ اور شیوخ کو سیادت، تغنیم اور تعظیم پر مشتمل القاب سے پکارے جیسا کہ سلف صالح کا معمول تھا۔ امام جلال الدین سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ اسلامی تاریخ میں سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ”عتیق“ کے لقب سے نوازا۔ حافظ ابن حجر نے بھی ذکر فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو ”صدیق“ حضرت عمر کو ”فاروق“ حضرت عثمان کو ”ذوالنورین“ حضرت خالد بن ولید کو ”سیف اللہ“ حضرت حمزہ کو ”اسد اللہ“ اور حضرت جعفر کو ”ذوالجناہین“ کے القاب سے سرفراز فرمایا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین!

میرے لیے تو اب صرف اتنی کسر باقی رہ گئی ہے کہ میرا رب مجھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لقب کی برکت سے صدیقیت کا مصداق بنا کر نارِ جہنم سے آزاد کر دے تاکہ اس مناسبت سے صدیق کے بعد عتیق بھی ہو جاؤں اور دنیا سے رخصت ہوتے وقت ایمان کی حالت میں جاؤں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز!

گہ ناز کند فرشتہ بر پاکِ ماہ
گہ عار کند دیو نہ ناپاکِ ماہ
ایمان جو سلامت بلب گور بریم
احسنت بریں چستی و چالاکی ماہ!

خطاب و القاب کا امتزاع؛

میرے دشمن اور حاسد سالہا سال سے میری خرابی کے درپے تھے۔ مجھ پر حکام وقت کی مخالفت کی تہمت لگائی اور "ہدایۃ المسائل" اور رسالہ "اقتراہ الساعۃ" کے مسائل ہشت گانہ کو اپنے اقتراء کے لیے دلیل و شاہد بنایا اور دوسری تہمت مجھ پر بد نقلی ملک کی لگائی حالانکہ میں فی نفسہ ان دونوں امر سے بری تھا۔ امر اول سے اس طرح کہ مسائل مذکورہ سابقہ کتب فقہ کا محض ترجمہ تھا میری طرف سے کوئی تحریر نہ تھی۔ اور وہ مسائل فقہ و حدیث کی کتب متداولہ مطبوعہ ہند و مصر میں اب تک موجود و مروج ہیں۔ اور امر ثانی سے اس لیے کہ میں نہ مختار ریاست تھا نہ اہل کار ریاست کہ میری طرف ظلم کی نسبت درست ہو، بلکہ فی نفسہ کوئی ظلم موجود ہی نہ تھا۔ اس تہمت سے حاسدوں کا مقصود صرف یہ تھا کہ مجھے امودِ حل و عقد میں مدد دہی اور نگرانی سے جُدا کر دیا جائے۔ چنانچہ ان کا یہ مقصود حاصل ہو گیا و لہذا الحمد!

۱۲ ذی قعدہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۶ اگست ۱۸۸۵ء کو مجھ سے خطاب و القاب کا امتزاع ہو گیا۔ اور میں اس کام سے علیحدہ ہو گیا۔ بلکہ کام تو میں نے پہلے ہی چھوڑ دیا تھا اگرچہ کہینے لوگوں نے مجھے اپنے اقترا سے نہ چھوڑا۔ برکبفہ ۱۳۰۲ھ سے عجب طرح کا ہنگامہ رستخیز میرے اور ریاست عالیہ کے متعلق روز افزوں ہے اور اخبارِ موحتش و آثارِ خوف میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے اور ابھی تک ان ارا جیف، ہوموم، غوم اور کروب سے امن حاصل نہیں ہے۔

ایک افتراء مجھ پر یہ بھی بانڈھا گیا کہ میں اپنے بعض بچوں کا ریٹسہ عالیہ کی اولاد سے رشتہ کرنا چاہتا ہوں حالانکہ میری اولاد قارخ نہیں، بلکہ شاغل ہے اور پھر میں نسب سیادت کی حفاظت کو سب امور پر مقدم رکھتا ہوں دولت کے لیے قربت کرنے سے مجھے سخت عار ہے۔ اس جیلہ سے اکتساب دولت و حکومت کا اندیشہ وہ کرے جو دنیا کو اپنی سعادت سمجھے ع

آنچه فخر تست آن ننگ من ست ۴

ماہ شعبان ۱۳۰۳ھ میں پریشانی و حیرانی کا سخت علیہ غضا، اور بظاہر نجات و امن کی کوئی شکل دیکھنے سننے میں نہ آتی تھی۔ اسی اثناء میں ایک رات صبح جو نماز کے لیے بیدار ہوا تو میری زبان پر خود بخود یہ کلمہ جاری تھا۔

رَا تَعَفَّيْنَاكَ مِنَ الْأَمِينِينَ ۵
نہ ڈر یقیناً تو امن والوں سے ہے ۶

پھر دوسری رات بھی ایسے ہی ہوا، صحیح دم بیدار ہوتے وقت یہ آیت میری زبان پر جاری تھی۔

وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ
الْأَخْسَرِينَ ۷
اور انہوں نے اس کے ساتھ کر کا ارادہ
کیا پس ہم نے ان کو خسارہ اٹھانے والے

کر دیا۔

میں نے یقین کر لیا کہ میرے خیال و گمان کے بغیر اس فرات و تلامذات کا دل و زبان پر جاری ہونا۔ رحمان و رحیم کی طرف سے امن و امان کی بشارت ہے۔ اس دن سے میرے دل میں استقلال اور طمانیت ہے۔ ہر چند کہ اس دوران میں لوگوں نے خوفناک خبریں سنا کر مجھے متزلزل کرنا چاہا۔ لیکن میں یقینِ غیبی پر مستقیم رہا اور ہجوم افکار سے پریشاں خاطر نہ ہوا۔

نہ شادی داد سامانے نہ نعم آورد نقصانے
 بہ پیش ہمت ماہر چہ آمد بود مہمانے
 اور سمجھ لیا کہ مجھ سے کچھ نہیں ہو سکتا، وہ بھی خدا کی طرف سے ایک تلبیہ
 نقل اور یہ بھی اسی کی طرف سے ایک تسلی ہے۔ خوش حالی اور تنگی سب اسی
 ایک ذات پاک کی طرف سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّیْ اللّٰهُ حَسْبِیْ اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰهِ فَوَضَّعْتُ
 اَمْرِیْ اِلَى اللّٰهِ مَا سَاءَ اللّٰهُ وَلا حَوْلَ وَلا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۝

کیا فائدہ فکر بیش و کم سے ہوگا
 ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہوگا
 جو کچھ کہ ہوا، ہوا کم سے تیرے!
 جو کچھ ہوگا، ترے کم سے ہوگا

دردمنت کش دوانہ ہوا؛

میں نے مکل آٹھ ماہ تاج محل سے علیحدہ ہو کر فور محل میں گزارے اور اس
 مدت دراز میں کسی خوش و بیگانہ نے ایک دن بھی قدم رنج نہ فرمایا ہے
 رنگ گل، نغمہ بلبلیں، اثر باد و بہار،
 جب سے ہم قید ہوئے کوئی گلستاں میں نہیں
 عہد جمادی الآخرہ ۱۳۰۳ھ کو میرے اہل بیت نے تنگ آکر کلکتہ کا
 سفر اختیار کیا۔ اور میرے تاج محل میں رہنے کی اجازت حاصل کی ہے

اے صبا سو حنا کا برسیرہ منظر اند!
 کردہ عزم سفر لطفِ خدا یار تو باد!
 پیچ زان یارِ سفر کردہ پیامے داری
 ہمتِ اہلِ نظر قافلہ سالارِ تو باد

الحمد للہ میں نے اس طویلِ تعقب میں اللہ کے سوا کسی سے کوئی شکوہ نہیں کیا، نہ کسی طرح کی اعانت چاہی۔ انسان جب اپنی مصیبت کو اللہ کی طرف پھیلتا ہے اور غیر اللہ کو اس سے مطلع نہیں کرتا تو وہ مصیبت بہت جلد دُور ہو جاتی ہے۔ حالتِ عبودیت بھی اسی کی منقضی ہے کہ عبدِ غیر کے روبرو نہیں بلکہ صرف آقا کے سامنے تضرع کرے۔

تَالُوْا اَتَشْكُوْا اِلَيْهِ مَا لَيْسَ يَخْفَىٰ عَلَيْهِ
 فَكَلْتُمْ رَبِّيَ يَرْضَىٰ ذَلَّ الْعَبِيْدُ اِلَيْهِ

علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ سے میری سرشت میں یہ رکھا ہے کہ ہر شخص خصوصاً کینے آدمیوں کے منت کش ہونے سے گریز کرتا ہوں۔

برائے نعمتِ دنیا کہ خاک برسیراں
 منہ ز منتِ ہر سفلہ بارِ برگردن
 بیکِ دور و زردِ نعمتشِ ز دستِ ولے
 بماندتِ ابدالِ ہر عارِ برگردن

کھانے میں زہر:

ابتداءً عقدِ نکاح کے زمانہ میں مجھے اور ربیکہ کو طعامِ چاشت میں زہر دیا گیا تھا۔ عین تناولِ غذا کی حالت میں مجھے اور انہیں قے اور

دست شروع ہو گئے۔ ایک دو دن تک بالکل بے خبری رہی تاہم سرے
 دن جب تقدیر الہی سے سب مادہ سمیت خارج ہو گیا، تب ہوش آیا یہ
 علاج بھی خزانہ عجیب سے ہوا ہے

در قتل مانکر دمی انتظار تو

کو تاہی کہ بود ز عمر دراز بود

لوگوں نے اس توہم کے دفع کرنے کے لیے باتیں بنائیں اور قاتل کی

طرف سے خیال کو پھیر دیا۔ لیکن حقیقت حال معفی نہ رہی ہے

كَمْ تَمَنَّى رِجَالٌ أَنْ أَمُوتَ وَإِنْ أَمُتَ

كَيْتَلَتْ سَيْبِلٌ كَسْتُمْ فِيهَا بِأَوْحَادٍ

مجھے معلوم ہے کہ کس نے زہر دیا اور کس لیے دلویا۔ لیکن اس کا اظہار

مصلحت کے خلاف ہے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے قاتل سے درگزر کی

تھی۔ اسی طرح مرزا مظہر جانجاناں رحمہ اللہ نے بھی اپنا خون بہا معاف کر

دیا تھا۔ بات درحقیقت یہ ہے کہ ہر شخص اپنے ظرف اور طبیعت کے

مطابق کام کرتا ہے۔ کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ جب قابو پاتے ہیں تو دشمن

سے بھی درگزر کرتے ہیں۔ جس طرح مجددہ تعالیٰ نے کیا اور کچھ وہ

لوگ ہوتے ہیں کہ ذرا سی بھی قدرت ملے تو محسن کشی کو ثواب عظیم

سمجھتے ہیں۔

مَلِكًا نَكَانَ الْعَفْوِمِنَّا سَجِيَّةً

فَلَمَّا مَلِكْتُمْ سَأَلَ بِاللَّيْمِ أَبْطَحُ!

اور فارسی شاعر نے کہا ہے

بقدر وسعت مشرب بہر کس جرعتہ دادند
تو در پیمانہ مے داری و من خون در جگہ دارم

اللہ تعالیٰ نے جو دنیا کو مغفوض و ملعون قرار دیا ہے تو بجا ہے، بیشک دنیا ایسی ہی جگہ ہے۔ دنیا دار ہمیشہ اہل دین کے دشمن ہوتے ہیں۔ نکاحِ ثانی کی عداوت اور امور سلطنت میں میری مدد ہی اس زہر کا باعث تھا۔ جب یہ تم میری کار آمد نہ ہوئی تو پھر اہل نفاق کا افتراء پر دازیوں پر اتفاق ہو گیا اور حکام کو ہمارے خلاف برہم کر کے جو کچھ کیا کیا ہے

اینا مے زماں در پیٹے ہر شور و شر اند
اپنا شتہ نفاق و عین حزر اند
مانند قطار شتر این فرقدہ دوں!
بایکدگر اند در پیٹے یکدگر اند

حالانکہ جب سے میں اس گھر میں آیا ہوں، کبھی اپنے رسوخ، نفاق و حکم اور ترقی منصب کا اندیشہ نہیں کیا۔ میرے اوقات ہی یہ تھے کہ کام کے وقت کچھری میں بیٹھا تھا۔ لیں و نثار کی باقی گھڑیوں کو علم و تالیف کے شغل میں صرف کرتا۔ ہر شخص سے تو اضع سے پیش آیا، ہر کسی کی مداراتِ عرفی بجا لایا۔ ہمیشہ اپنے آپ کو "احد من الناس" ہی جانا۔ کیونکہ اہل تجزیہ نے کہا ہے۔

إِنْ تَلَقَّكَ الْعُرْبَةَ فِي مَشْرِئٍ قَدْ أَجْمَعُوا نِيكَ عَلَى يَغْضِبِهِمْ
فَدَارِهِمْ مَا دُمَّتْ فِي دَارِهِمْ وَأَرْضِهِمْ مَا دُمَّتْ فِي أَرْضِهِمْ

لیکن بات دراصل یہ ہے کہ اس مرزبوم کے لوگ شروع سے اس امر کے

عادی ہیں کہ ان پر رئیس کی طرف سے ہمیشہ قہر، زجر، جرمانہ اور معزولی کی بارش برتی رہے، تب کہیں راہِ راست پر رہتے ہیں سے

اسی سے تو دلِ بیابا ٹھیک رہتا ہے ،
جو تھکے کو بانہہ کے زلفِ سیاہ میں رکھے

رنیہ حال کے عہد سعادت مہد میں ان کے رحم و کرم اور عفو کے سبب عقوبت
معاصی سے تجاوز ہونے لگا۔ کورنمک لوگوں نے اس نعمتِ خدا داد کی کچھ قدر
نہ جانی، ہر کسی کو شر و فساد کا حوصلہ بڑھ گیا۔ احسانِ کریم، شیطانِ رجیم کے لطعیان
کا موجب ہو گیا ہے

نجیبت را چو نعبد کنی و بنوازی ،
بدولت تو گنہ میکند باسبازی
حکمتِ سعدی میں لکھا ہے کہ ،

” رحم آوردن بر بدباں ، ستم ست بر نیماں و عفو کردن از ظالماں
جو رست بردرد ویشاں “

مکوئی با بدباں کردن چنانست
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

اور عربی شاعر نے کہا ہے کہ

وَمَنْ يَصْنَعِ الْمَعْرُوفَ فِي غَيْرِ أَهْلِهِ يَلَاقِي كَمَا لَاقَى مُجِيبُ أَمْرِ عَامِرٍ
فَقَالَ لِي وَبِ الْمَعْرُوفِ هَذَا أَجْرُهُ مِنْ يَجُودُ بِمَعْرُوفٍ عَلَى عَائِدٍ شَاكِرٍ

ان میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے ، جو اپنے آپ کو اپنی علم و دین خیال کرتے
ہیں۔ سلا نکہ وہ دین سے کوسوں دور ہیں اور محض شکم و شرمگاہ کے بندے ، خواہش
کے پجاری ، دینار و درہم کے غلام ، فسق و فجور کے پرستار اور زور و شہرت کے

نہیں ہیں ۔

پرتاک از سبز پوشیدائے خود نگرِ ذمّل دارم ا

لباسِ صالحان و شیشہ سے در بقل دارم

حاصل یہ کہ ان نمک حلال اور حلال خوردوں نے ریٹھ کے ساتھ وہ کیا جو
خارجیوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔ اور مجھ سے اس طرح پیش
آئے جس طرح پزید کاشک جناب حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَرَفِي كُلِّ حَالٍ وَرِجْلِي حَالٍ وَمَعَ كُلِّ حَالٍ س

آشنایان جہاں طرفہ سلو کے کر دند

آبِ خَجِرِ عَوْضِ آبِ فِسْرَاتِمِ دَاوَدِ

حکام کی طرف سے مجھ پر جو الزامات و اعتراضات قائم ہوئے بعض لوگوں

نے ان کا جواب لکھ کر کشفِ غم کیا ہے۔ یہ ماجرا مئے بھوپال، اس کا شاہدِ حال

ہے۔ غرضکہ وہ سب اعتراضات نفس الامریں و ذنوب و آثام نہیں بلکہ بعض

اضغاثِ اسلام ہیں۔ اگرچہ میں نے کتاب ”دم الدینیا“ پڑھی تھی۔ اور تعلبات

جہاں سے بھی آگاہی حاصل تھی۔ لیکن اس معاملہ کے وقوع نے کامل تجربہ

بخش دیا ہے اور وحدت کی کثرت پر اور صلوت کی جلوت پر ترجیح کو ثابت کر

دیا ہے۔ لہذا اب عزمِ محکم ہے کہ دوبارہ اس بلا میں اعتیاری یا اضطرابی طور پر

گرفتار نہ ہونے پاؤں۔ اور حیاتِ مستعار کے جو چند سانس باقی رہ گئے ہیں، اتنا

ہے کہ کشمکشِ زمانہ سے محفوظ رہ کر اشیانہ تنہائی میں بسر ہو جائیں۔

ہلاکِ شیشہ در خونِ نشستہ خویشم

کہ آنِ خورِ نفسِ عذرِ خواہی سنگِ ست



امام شوکانی کی تقلید کی تہمت؛

اہل تقلید نے مجھ پر امام محمد بن علی شوکانی رحمہ اللہ کی تقلید کی تہمت لگائی کہ میں اپنے دین میں ان کا مقلد ہوں۔ اس تہمت میں طرز تماشا یہ ہے کہ جس طرح ائمہ اربعہ، مجتہدین اور دیگر سلف صالحین نے تقلید سے منع کیا ہے، اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ ردِ تقلید میں شوکانی رحمہ نے میدانِ مباحثہ میں جولانی دکھائی ہے اور وہ خود ایک مستقل مجتہد تھے۔ اس کے باوجود ان کی فقہ مذاہب اربعہ اہلسنت کے دائرہ سے خارج نہیں ہے۔ سوائے ایک دو خاص مسائل کے جن کی بنیاد بعض رائے مجرد اور اجتہادنا سدید پر نہیں بلکہ نص صحیح اور دلیل صریح پر ہے۔ پھر ان مسائل میں بھی وہ منفرد نہیں بلکہ سلف میں سے کئی حضرات ان کے قائل ہیں۔ پھر اس نہی کے باوجود میرا یا کسی اور کا ان کی تقلید کرنا چہ معنی؟

میں نے اپنی تالیفات میں کئی مسائل میں ان کی مخالفت بھی کی ہے۔ کیونکہ مجھے ان کی موافقت میں کوئی واضح دلیل نہیں مل سکی۔ اگرچہ یہ بھی میرے مجدد کا قصور ہے، ان کے علم و فضل کا فخر نہیں۔ وہ تو ایک محدث خالص، مفسرِ سحت، تابعِ دلیل، تارکِ قال و قول، قاضی القضاة صنعاء و یمین، نقشبندی طریقہ کے حامل اور مذاہب زیدیر کی تردید کرنے والے تھے۔ انہوں نے اصول و فروع اسلام کو نفوس و براہین صحیحہ پر منطبق کیا ہے۔ راجح و مرجوح کا پتہ دیا ہے۔ اور اپنی رائے کو مدون نہیں کیا مقلد تو رائے کی تقلید کرنے والے کو کہتے ہیں، نہ کہ اسے جو روایت قبول کرنے والا ہو۔ میں نے اپنی کتب میں ان سے دلائل اور روایات صحیحہ کو اسی طرح لیا ہے جس طرح اکثر مقامات پر سابق و لاحق علماء حنفیہ سے اخذ کیا ہے، جو مقام تحقیق و تقویٰ پر فائز تھے۔ یہ ان کی تقلید نہیں بلکہ عین اتباعِ حدیث و آیت

ہے۔ رب کعبہ کی قسم! میں ان کا مقلد مصطلح نہیں ہوں، جس طرح کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، حافظ ابن القیمؒ، اور سید محمد بن اسمعیلؒ وغیرہ کا بھی نہیں ہوں اگرچہ ان کے کلمات و تحقیقات کا ناقص، قابل اور قائل ضرور ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ امت مسلمہ میں سے کسی شخص کا اتباع کسی پر بجز اللہ و رسول اللہ کے واجب نہیں ہے۔ اسی وجہ سے سارے سلف تقلید رجال سے منع کرتے چلے آتے ہیں۔ پھر جیسا جو شخص ائمہ سلف کی تقلید نہیں کرتا۔ وہ ائمہ حلف کی تقلید کیوں کرنے لگا؟ لوگ تقلید اور اقتداء میں فرق نہیں کرتے۔ یہی عدم فرق اس جہالت اور اعتراف من کا منشاء ہے، ورنہ اس طعن کا کوئی جواز نہیں تھا۔

ائمہ کی بے ادبی کا الزام؛

رجا بالغیب فہر پر یہ طوفان بھی باندھا گیا کہ میں خدا نخواستہ ائمہ اربعہ کے حق میں عموماً اور امام اعظم ابوحنیفہؒ کے حق میں خصوصاً بے ادب اور نامہذب ہوں۔ حالانکہ یہ محض افتراء ہے، اس کی تکذیب کے لیے میرا رسالہ جلیب المصطفیٰ ہی کافی ہے۔ اگر میں ایسا ہوتا تو اپنی کتب میں ہرگز کسی حنفی مسئلہ کو ترجیح نہ دیتا، حالانکہ مدسک الختام“ اور شروح تجریدات صحیحین“ وغیرہ میں بہت جگہ میں نے مذہبناک عالی مقام کو راجح لکھا ہے اور دوسرے مذہب کو مذہب مرجوح یا ضعیف یا مردود قرار دیا ہے۔ میں نے تو کسی کتاب میں بھی متقلدین مذہب کے حق میں زبان قلم سے طعن و تشنیع کا کوئی لفظ نہیں نکالا چہ جائے کہ حضرات ائمہ اربعہ کے حق میں کوئی نازیبا کلمہ استعمال کروں۔

سَبَّحْتَكَ هَذَا اِبْنُ تَانٍ عَظِيمٍ !

میرا چاروں ائمہ فقہ، جمیع محدثین، جملہ علماء پاک دین کے حق میں اسی طرح

کا اعتقاد ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم، تابعین، تبع تابعین اور تمام سلف صالحین کے حق میں ہے۔ اگرچہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ نعدا کے نزدیک ان کے تقاضی درجات کیا ہیں؟ میں ان سب کے حق میں بے ادبی کو ستم تاق اور نہ ہر بلاہل جانتا ہوں۔ میں بحمدہ تعالیٰ ان لوگوں میں سے نہیں ہوں کہ دنیا کے کتوں سے ڈر کر تھیہ کروں، اگر ایسا ہوتا تو آج مجھے ان آفتوں کا کیوں سامنا کرنا پڑتا، اور نہ میں ریاکار ہی ہوں، اس لیے کہ ریاکاری تو مال و جاہ اور عزت کے حصول کے لیے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے حوصلہ و ہمت سے بڑھ کر دے رکھا ہے، مجھے تحصیل حاصل سے کیا فائدہ؟ بے شک میں اس وقت تک کسی کی مجرد رائے اور اجتہاد کو نہیں مانتا جب تک کہ اسے دیں سنت کے موافق نہ پاؤں، خواہ اس کا تعلق علم ظاہر سے ہو یا علم باطن سے۔ یہ طریقہ حلت و حرمت کے مسائل میں مطرد ہے۔ اور اصول عقائد میں مستحکم۔ سہے وہ امور جن کا تعلق ان دونوں اقسام میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں۔ وہاں میں معانی آیات و احادیث میں جملہ علماء کا براہ کبار، صلحاء اور ائمہ سلف کے اقوال و احوال پر اعتماد کرتا ہوں۔ خواہ علماء حنفیہ ہوں یا شافعیہ، حنابلہ ہوں یا مالکیہ، علماء صوفیہ ہوں یا مشائخ طریقت۔ عوام بلکہ خواص جملہ کا میرے متعلق یہ گمان کہ میں کسی عالم یا ولی اللہ کے حق میں بے ادب ہوں۔ بالکل گناہ محض ہے۔

لَا تَبْعُ الظَّنَّ اِنَّهُ قَبِيحٌ الظَّنُّ لَا يَغْنِي مِنَ الْعَقَبِ شَيْئًا ۗ

رہی یہ بات کہ ردّ تقلید یا ذمّ متقلدین سے سوء ادب لازم آتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لازم مذہب کسی کے نزدیک بھی عین مذہب نہیں ہے اور اگر ہے تو پھر کوئی فرد بشر بھی اس بلا سے محفوظ نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ردّ تقلید سے تو خود قرآن و حدیث بھرا پڑا ہے۔ اور علماء پر اسکی تبیین واجب ہے علم چھپانے والے کے لیے آگ کی لگام کی وعید آئی ہے، اس کے باوجود میں نے

فعلِ تقلید کی ترویج کی ہے، متعین متقلدین کی نہیں۔ غیبت جب ہوتی ہے کہ خاص کسی شخص کا نام لے کر بُرا کہے۔ یہ کہنے اور لکھنے سے کہ فلاں فعل یا قول حرام۔ بدعت، کفر یا شرک ہے، کوئی قباحت لازم نہیں آتی۔ اسی طرح اس تصریح میں بھی کوئی برائی نہیں کہ تقلید شرعاً ثابت نہیں ہے اور اس کے قائل و فاعل دلیل اور مقصود و تنزیہ کے مخالف ہیں۔ جب تک کسی مخصوص شخص کا نام نہ لیا جائے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ وحدت الوجود کا مشہد کتاب و سنت کے واضح اور صریح نصوص کی بنیاد پر بے شک و شبہ کفر بواح ہے۔ لیکن ہم متعین طور پر اس کے قائل اولیائے کرام کو خواہ وہ مغلوب تھے یا یا اُقول، کافر نہیں کہہ سکتے وَ قَسَّ عَلٰی اٰلِہٖٓذَا۔ بلکہ اگر نظرِ عود سے دیکھا جائے کہ جو لوگ اتباع اور متبعین پر طعن یا سب و شتم کرتے ہیں وہ بڑی خطرناک حالت میں ہیں۔ اس لیے کہ یہ طعن در حقیقت شارع پر پہنچتا ہے۔ گو بعض افراد ان متبعین کے ریاکار یا عطاوار ہی کیوں نہ ہوں۔ اللہ و رسول کے حق میں بے ادبی کفر صریح ہے، اللہ اور رسول کو گالی دینا مرتد اور واجب القتل ہو جاتا ہے۔ بخلاف طعنِ تقلید کے کہ وہ طعنِ ائمہ دین پر نہیں ہوتا، اس لیے کہ وہ تو تقلید کی دعوت نہیں دیتے تھے بلکہ اس سے منع کرتے تھے، اور اتباع کا حکم تو کتاب و سنت اور ائمہ سلف میں بکثرت موجود ہے، اب جو کوئی اس پر طعن کرے گا۔ وہ روافض کے زمرہ میں داخل ہو جائے گا۔ اس لیے کہ یہ شیوہ نامرضیہ اسی فرقہ شیعہ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل سنت و جماعت کو اس آفت سے سلامت رکھا ہے۔ واللہ اعلم!



تہمت و باہت:

عام رواج کے مطابق حج پر مذہب و باہت کی تہمت بھی لگائی گئی، اور اسی تہمت کو جرم عظیم قرار دے کر حکام کے پاس شکایت کی گئی، حالانکہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی سے، جن کی طرف و باہت منسوب ہے۔ کا براہ من کا پیر، ابا عن جد مجھے تلمذ یا ارادت کا تعلق نہیں ہے۔ سنا گیا ہے کہ وہ ایک جنسی المذہب عالم تھے۔ ان کی تالیفات اس ملک میں مروج نہیں ہیں۔ ہاں میں نے ان کی صرف کتاب التوحید دیکھی ہے۔ اس میں آیات اور صحاح ستہ کی احادیث کے سوا اور کچھ نہیں، نہ جہاد و قتال کا ذکر ہے، نہ کسی تین و قال کا۔ توحید کے موعود پر ان آیات و احادیث سے زیادہ آیات و احادیث تو مجھے خود معلوم ہیں۔ پھر ان کی تعقید کے کیا معنی؟

مسئلہ جہاد ایک علیحدہ مسئلہ ہے، اسے کسی کی تعقید و عدم تعقید سے کچھ تعلق نہیں پھر حج جیسا شخص جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی عالم اور امام امت کی تعقید کیوں کرنے لگا؟ ۱۲۳۳ھ میں صاحب نجد کا ہنگامہ رزم و بزم ختم ہو گیا تھا۔

۱۲۳۳ھ میں محمد علی پاشا نے حضرت نواب صاحب کا شاہ ان واقعات کی طرف ہے جب ۱۲۳۳ھ میں محمد علی پاشا والی مصر کے بیٹے ابراہیم پاشا کے ہاتھوں عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز بن محمد سعود کو شکست ہوئی، اور اس طرف اس پہلی سعودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا، جس کی تعمیر میں شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب اور ان کے سابقینوں کا بڑا ہاتھ تھا۔ مصری فوج نے پہلے سعودی پابریخت «درعیہ» کی اینٹ سے اینٹ بجادی، سارا شہر گھود کر چھینک دیا،

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ^۱
 خدا جانے اس آخر زمانہ میں لوگوں کی عقلیں کدھر چلی گئی ہیں، بے لگام
 ہو کر دیوانہ وار منہ سے جو چاہتے ہیں بک ڈالتے ہیں، نہ لفظ سمجھیں نہ معنی۔
 میرے اعتقاد میں علمائے عین مثلاً سید محمد امیرؒ و قاضی شوکانیؒ علم دین
 میں محمد بن عبدالوہابؒ سے صد ہا درجہ فائق تر تھے۔ لہذا جو استفادہ ان کی کتب
 سے ہوا، وہ آپ کی کتاب سے نہ ہو سکا۔
 اور یہی لوگ ہماری نسبت ملک نجد کے زیادہ قریب تھے اور شیخ کے

تمام باغ و نخلستان جڑ سے کاٹ ڈالے، پوڑھے بچے اور کمزور اور بیمار سب یکساں
 عقاب کا شکار ہوئے، گھروں میں آگ لگا دی گئی اور چند روز میں لہلہاتا ہوا باغ جن
 کدھاک بھسم ہو گیا۔ عنوان المجد ص ۲۱۳، تاریخ نجد (الوسی) ص ۲۶-۲۴ بحوالہ محمد
 بن عبدالوہاب ص ۱۰۷، از مولانا مسعود عالم ندوی ام، رخ، اس۔ شعبہ البقرہ: ۱۳۴
 مہ حضرت نواب صاحبؒ نے شیخ کی کتب میں سے صرف دو کتاب التوحید کو ملاحظہ
 فرمایا تھا جیسا کہ قبل ازیں خود صراحت فرما چکے ہیں، اگر آپ شیخ کی دیگر کتب مثلاً (۱)
 کشف الیثبات من التوحید (۲) الاصول الثلاثة و اولہا (۳) شروط الصلوٰۃ و اركانها
 (۴) اربع قواعد (۵) اصول الایمان (۶) کتاب فتن الاسلام (۷) کتاب الکبائر۔ (۸)
 نعیمة المسلمین (۹) ستہ مواضع من السیرة۔

(۱۰) تفسیر الفاتحہ (۱۱) مسائل الجاہلیۃ

(۱۲) تفسیر الشہادۃ (۱۳) تفسیر علی بعض سور القرآن

(۱۴) کتاب السیرۃ لہد (۱۵) الہدی النبوی وغیرہ کو بھی ملاحظہ فرما

لیتے، تو شاید یہ راستے قائم نہ فرماتے۔ م، رخ، اس

معاصر بھی تھے، لیکن انہوں نے آپ کی تقلید اختیار نہیں کی۔ ہم اتنے دوردراز ملک میں رہتے ہوئے، جب کہ ان کے حقائقِ احوال سے واقفیت بھی نہیں، ان کے مذہب اور رائے کے کیونکر مقلد ہو گئے؟ ہاں میں نے ائمہ حدیث کی روایت ہم قبول کرتے ہیں، ان کی فقہ سنت کو فقہ غیر پر ترجیح دیتے ہیں، اور ان کے مدارجِ ایمان کو قوی، راسخ اور صحیح جانتے ہیں۔ صحیح مسلم میں مرفوع روایت ہے کہ:

اَلْاِيْمَانُ اِيْمَانٌ وَ الْحِكْمَةُ اِيْمَانٌ يَمَانِيٌّ
وَ الْفِقْهُ اِيْمَانٌ -
ایمان یمنی ہے، حکمت یمنی ہے، اور
فقہ بھی یمنی ہے۔

جس کے ایمان، فقہ اور حکمت کی شہادت و خبر رسولِ مصدوق و ممبر صادق دین، ہم اسے کس طرح نہ مانیں، ایمان سے مراد منطوقِ قرآن ہے، حکمت سے مراد علم سنت ہے اور فقہ سے مراد فہم حدیث ہے۔ واللہ الحمد۔ واللہ باللہ اگر میں اصطلاحی معنوں میں وہابی ہوتا تو کبھی بھی اسے نہ چھپاتا خواہ مجھ پر مصیبتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ لیکن جب میں خالص محمدی اور صرف سنی ہوں تو مجھے جھوٹ بولنا کب روا ہے!

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَاَرِنَا
اِحْتِسَابًا!

ہفواتِ عوام سے کلیجہ پک گیا ہے، اگر میرا بس ہوتا تو میں انہیں ہرگز آزاد نہ ہونے دیتا۔ وَاللّٰهُ اَلْمَا دِي وَعَلَيْهِ اِعْتِمَادِي

لے امام محمد بن عبدالوہابؒ کی سیرت پر غالباً سب سے بہتر کتاب مولانا مسعود عالم ندویؒ کی "محمد بن عبدالوہابؒ" ایک مظلوم اور بدنام مصلح ہے۔ م، خ، س

غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے:

جب میرے دشمن ہر طرف سے ناکام رہے اور میری کام سے علیحدگی اور خطاب کے امتزاج کے بعد بھی ان کی مراد پوری نہ ہوئی، اس قدر تبدیلی تو انہوں نے کافی نہ سمجھا، اور میری طرف اکتھام حوادث کا کوئی راستہ نہ پایا تو ایک افتراء صریح باندھ کر ہر بار اسے شائع کرنے لگے یعنی محل یا شہر کے اندر جو حرکت و سکون ہو، وہ میری طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اگرچہ میرے فرشتوں کو بھی اس کی خبر نہ ہو۔

غرض جہان سے کیا اسے ننگ مرے ہوتے
غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لیے
زباں جلائی، کئے ہاتھ قطع، ہونٹ سینے
یہ بند و بست ہوئے ہیں مری دعا کے لیے

پھر اس بارہ میں دو فریق ہیں۔

ایک فریق وہ ہے کہ فرضاً اگر میں اس کے روبرو حلف اٹھاؤں یا شاہد عدل لاؤں تو بھی میری عدم مخالفت کو تسلیم نہیں کرے گا۔ حدیث شریف میں فرمایا ہے:

سَلَاتِ الظَّنِّ أَكْذَابُ الْعِدَّةِ ۖ^{لہ}
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ
شَيْئاً ۚ وَهُوَ
گمان یقین کے مقابلہ میں کچھ کام
نہیں آتا۔

اس ظن کی بنیاد محض اس بات پر ہے کہ میں اور رئیسہ ایک جگہ رہتے ہیں

حالانکہ میں پانچ برس سے ایک ہی مکان میں سکونت رکھنے کے باوجود اپنے ہم مسکن سے جدا رہتا ہوں۔ میری اور ان کی ہم نشینی آٹھ پر میں ایک دو ساعت سے زیادہ نہیں ہوتی، اور وہ بھی کھانے پینے وغیرہ کی ضرورت کے موقعہ پر اور میں داخلی و خارجی کسی امر کے متعلق ان سے استفسار نہیں کیا کرتا اور نہ اپنی قدیم عادت کے مطابق انہیں کسی باب میں مشورہ یا رائے ہی دیتا ہوں، نہ وہ مجھ سے کچھ کہتی ہیں، اور نہ ہی انہیں کبھی میری رائے یا صوابدید پسند آئی ہے۔ وہ خود عقلمند نام اور تجربہ کی مالک ہیں۔ لیکن اس کے باوجود لوگوں کو آرام نہیں ہے، جب تک کہ میں ان کی مراد کے مطابق بالکل علیحدہ نہ ہو جاؤں۔ مگر معلوم نہیں کہ علیحدگی کے بعد پھر یہ تہمت کس کے سر پر جائے گی۔ دوسرا فرق اس امر کو بخوبی جانتا ہے کہ فی الواقع وہ میری مطیع اور پابند رائے نہیں ہیں۔ بلکہ میں ان کے ساتھ ہر امر میں مماشاہت کرنے پر مجبور ہوں اور مجھے ان کی مخالفت کی بھی قدرت نہیں ہے۔ اور ان کا وہی حال ہے کہ:

بسلا مے برنجند و بدشنا مے خلعت دہند

اس جگہ بالک ہٹ، تریا ہٹ اور راج ہٹ سب جمع ہیں، اور میں بھی

اپنے عنانے طبعی کا مقہور ہوں سے

در کارِ ما مضائقہ داشت نا خدا کشتی بوج رحمت بطوقان گزارا شتیم

می آداز کشودین در بوئے منته در بستہ بانغ خلد برضواں گزارا شتیم

بیں کبرات و مرات علیحدگی کا خواستگار ہو چکا ہوں اور تہ دل سے یہ چاہتا

ہوں کہ

بشہر خود روم و شہر یار خود باشتم

لیکن فکرِ بلیغ کے باوجود اب تک ہجرت کے اسباب ملتیر نہیں آئے،

سواس کی حفاظت مجھے دنیا دین میں کافی ہے۔

اور یہ فتنہ پرداز لوگ؛

اس فتنہ کا دھواں صرف انخوان الشیاطین ہی کی طرف سے نہیں بلکہ ارکانِ صلاحت اور عمائدِ فسق سب ہی نے اتفاق کر کے یہ باگرد و تارک پر رخ مقرر تک بلند کیا۔

بے خبرے چند زخود بے خبرے
عیب پسندند بر غم ہنرے
دود شوندار بدمانی رسند
باد شوندار بچراغی رسند

اس زلازل و قلاقل میں مجھے اللہ پاک کی صفاتِ جلال و جمال کا بخوبی شہود ہوا گیا اور جو ایمان بالقدر پہلے علم البیقین کے مرتبہ میں تھا وہ اب عین البیقین بن گیا۔ بصیرت بصر پر غالب آگئی، نمک حلائی و کورنکی، دیانت و خیانت، صدق و کذب اور نفاق و اخلاص کا امتحان اور تجربہ کامل بخوبی حاصل ہو گیا۔ عقائد و اعمال کا حال و حال مہر نیمروز اور ماہ نیم ماہ کی طرح واضح ہو گیا، تقیہ و تمذہب کا فرق بھی سمجھ میں آ گیا۔ بندگانِ شکم اور محرمانِ حرم کا تفاوت بھی ثابت ہو گیا۔ الف ب ج ح س س ع ح ق ق ل م م ب ک ی وغیرہ کی خیر خواہیاں آنکھ سے دیکھ لیں، ان میں غالباً وہ لوگ ہیں، جن کی تمام عمر اسی گھر کی نمک خواری میں گزر چکی تھی، پھر نئے خیر سگالوں کا ذکر کیا؟ ایک شخص نے ۱۶ نمبر دوسرے نے دو گنی، تیسرے نے پانچ گنی، چوتھے نے دس گنی، پانچویں نے ۲۵ نمبر، چھٹے نے ۳۰ نمبر، ساتویں نے ۴۵ نمبر نصیحت ادا کی۔ الف ل م اس جنودِ مجتہدہ کے سرگردہ ہیں۔ بار آئیں سنا کرتے تھے اب

جو دیکھا تو اژدہا کو کہیں میں پایا۔ جو دشمنی ابلیس لعین نے آدم علیہ السلام سے کی تھی، اسی طرح کی عداوت اولادِ ابوالحجان نے مجھنا تو ان سے برتی۔ ہمارے سارے ہنر اس جگہ عیب بٹھر گئے، تمام منکرات، معروفات کی طرح سامنے آئے، انجام پر کسی نے غور نہ کیا، اور نہ اب تک ہوش ہے کہ کیا ہو رہا ہے، بلکہ کمال دور اندیشی و دانشمندی کے دعویٰ کے باوجود کسی نے اپنا کچھ نفع و نقصان نہ پہچانا۔ یہ صرف مقطعات و اعداد و مختصرات اسرارِ مخفی ہیں، جن کا اظہار کرنا ممکن نہیں ہے۔

باہر بد و نیک راز نتوانم گفت
کو تاہ سخنم دراز نتوانم گفت
حالے دارم کہ شرح نتوانم داد
راز سے دارم کہ باز نتوانم گفت!

حضرت حذیفہؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منافقین کے متعلق علم حاصل ہوتا تھا۔ مگر انہیں اس کے اظہار کی اجازت نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ کو بنو امیہ کے مفسدین کے حالات کا علم تھا۔ لیکن قتل کے خوف سے خاموش تھے۔ مجھے بھی وہ اسرار معلوم ہیں۔ جن کو سوائے میرے اور ایک نفسِ آمارہ بالسوء کے کوئی دوسرا نہیں جانتا۔ لیکن میں اس کے افشار میں مصلحت نہیں دیکھتا کہ اس قدر کہتا ہوں:

ما کہ رو کہ نیافت

بھلا یہ بھی کہیں ممکن ہے کہ بدی کا انجام یہاں یا وہاں بد نہ ہو؟

وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا
يَرَهُ
اور جو شخص ایک ذرے کے برابر برائی کرتا ہے اس کو دیکھ لے گا۔

بغاوت و کفر ایسی چیز ہے کہ کرنے والے پر ہی پٹ کر آتی ہے۔

وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۗ

کم ظرف آدمیوں کا یہ حال دیکھا کہ ذرا سی نمائش پر جامہ سے باہر ہو جاتے ہیں۔ ہر طرف اظہارِ شادمانی کر کے بالا خوانی پر اتر آتے ہیں۔ ہر کہ و بہ کے سامنے اترانے لگتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس طرف تو ان امور پر بھی کچھ مسترت حاصل نہ ہوئی جو بابہ المہرت تھے۔ خدا کرے کہ ہمیں دنیا کے کسی کام پر مسترت نہ ہو۔ بڑی مسترت یہ ہے کہ ہم اللہ کے سچے بندے، پکے ایماندار، اہل عقائد و نظام بنے رہیں۔ وہ ہم پر پناہ فرمائیں، طریقِ عدل پر ہمارے ساتھ معاملہ نہ فرمائے۔

قُلْ يَفْضِلُ اللَّهُ فَرِيدَ خَيْرَاتِهِ قَبْلَ بَلَاغِكَ فَلْيَعْرِضُوا ۗ

خوشی ان لقوں لچوں کو زیادہ ہوتی ہے جو فقط اسی دنیا نے خطہ کے جینے کو حیات اور اسی جگہ دل کی خواہشیں پوری کرنے کو سعادت جانتے ہیں۔ اور سنا سونے، کھانے، پینے اور لہو و لعب کے کوئی فکرِ عقبی نہیں رکھتے۔

گر آدمی نرا ہنر با لیتے +

قول تو بلینغ و معتبر با لیتے!

بز خوردن و خواب چوں نداری کاے

گوشی تو ازین دراز تر با لیتے!

مجھے ان اظہارِ رات کی بابت بہت کچھ لحاظ تھا۔ لیکن جب کوئی مفرغہ

دیکھا تو بحکم،

”مَا بَأْسَ آقْوَامٍ يَفْعَلُونَ كَذًا ۗ

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے جو ایسے کام

کرتے ہیں؟“

وَكَذًا ۗ

عیبیتِ حرام سے اجتناب کے پیش نظر بطورِ معائنہ سے تعین کیا

گیا ہے

زیادہ حافظہ میں ہمہ آخِر بہرہ نیست
ہم قصہ عجیب و حدیثِ غریب ہست
اور عربی شاعر نے کیا ہے

سُكُوْتُ وَمَا سَكُوْا لِيْمَتِيْ عَادَةٌ
وَلٰكِنْ تَفِيْضُ الْكَأْسِ عِنْدَ امْتِلَآءِهَا

اس کے باوجود ابھی تک بہت سے محقق امور پر وہ راز میں ہیں، جن کے بیان کرنے میں قیامت ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

انکارِ ولایت کا الزام :

بعض لوگوں کو یہ گمان ہے کہ میں اولیاء اللہ تعالیٰ کا معتقد نہیں ہوں، حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ ولایتِ خدا کا وجود کتاب و سنت دونوں سے ثابت ہے۔ اور وقوعِ کرامات پر بھی قرآن و حدیث دلیل ہیں۔ پھر انکار کے کیا معنی؟ بلکہ میرے کتابِ نماز میں کتبِ تفسیر و حدیث کے بعد سب سے زیادہ کتبِ علمِ تصوف اور طبقاتِ اولیاء کی ہیں۔ مثلاً ”رسالہ کشمیری مع شرح“ ”احیاء العلوم“ عربی و اردو مع ملخصِ احیاء، ”عوارف“، ”تعرّف“، ”طبقاتِ کبریٰ“، ”شعرانی رح“، ”اخیار الاخیار“، ”مدارج السالکین“ اور ”قطر النوری“ وغیرہ میں نے ان کتابوں سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا ہے، بلکہ اس باب میں میری اپنی تالیفات بھی موجود ہیں۔ مثلاً ”ریاض المرآض“ مکارمِ اخلاق ترجمہ ”ریاض الصالحین“، ”خیرۃ الخیرۃ“ وغیرہ۔

ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ میں اس علم میں بھی کتاب و سنت کا پابند ہوں اور اس حال و حال کا معتقد اور قائل نہیں ہوں، جو نفس کتاب یا دین سنت کے خلاف ہو، اور نہ ان رسوم مشائخ کو جائز جانتا ہوں۔ جو کسی بُرہان پر مبنی نہیں ہیں کیونکہ جس طرح تقلید فروع احکام میں بے اصل ہے، اسی طرح کشفوفات و رسوم میں بھی بے سند ہے۔ صوفیہ صافیہ میں سے کوئی شخص کسی خاص مذہب کا مقلد نہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے:

”النَّصْرِيُّ لَا مَذْهَبَ لَهُ“
 صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا

”اجاء العلوم“ اور ”فتوحات مکیہ“ کو دیکھو کہ ان میں تقلید اختیار کرنے سے کس قدر تنذیر اور اتباع اختیار کرنے میں کس قدر تحریض ہے۔ سید الطائفہ حضرت جنید نے جو یہ فرمایا ہے تو کوئی مبالغہ نہیں کیا۔

”كَذَرْنَا هَذَا مُقْتَدًا بِالْكِتَابِ وَرِثَةِ النَّبِيِّ وَالسُّنَّةِ“
 ہمارا یہ طریقہ کتاب و سنت کے ساتھ مقید ہے

سارے خلف و سلف مشائخ اسی قول و حال پر گزرے ہیں۔ بلکہ اکثر صوفیاء عظام میں ظاہری اشرب تھے۔ جیسے ابن عربیؒ وغیرہ اور بعض جو کسی مذہب کی طرف منسوب تھے تو وہ بھی بطریق تسبیح تھے، بطور تحقیق نہیں جیسے جلیؒ حنبلی کہلاتے تھے ہتاکہ عامۃ الناس کے اعتراض سے محفوظ رہیں جو کہ جامد علی التقلید ہوتے ہیں۔ جنید پر جب حقائقِ توحید کے بیان کی بابت اعتراض اور مواخذہ ہونے لگا تو وہ مستتر بفقہ ہو گئے، اور سفیان ثوریؒ کے مقلد ہو کر فقیہ مشہور ہو گئے۔

تصوف و سلوک سے مراد مرتبہ احسان میں استقامت ہے نہ کہ کرامات اور کشفوفات و رسوم کا اظہار کہ یہ نہ اصل مقصود ہیں، اور نہ وسائل مقصود، بلکہ

مجاہدات اور ریاضات کے ثمرات ہیں۔ کسی کو یہ ثمرہ اس جگہ حاصل ہوتا ہے، اور
 راسخین فی العلم والعمل کو اس جگہ ظاہر ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم
 سے کرامات کا صدور بہت کم ہوتا تھا۔ اور اولیائے خلف سے بہت زیادہ ظاہر
 ہوا حالانکہ کوئی ولی، صحابی کے ادنیٰ مرتبہ کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اس مسئلہ پر
 ساری امت کا رجحان ہے اگر "اولیاء الرحمن" اور اولیاء الشیاطین کے فرق کو
 سمجھنا ہو تو کتاب الفرقان کا مطالعہ کرو، اگر تصوف صافی ملاحظہ کرنا ہو تو.....
 "طرح السالکین" دیکھو، اگر سلوک سستی منظور ہو تو "ریاض المتزامن" کفایت
 کرتی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت دی گئی، لیکن
 اولیائے کرام کا انجام ہمیں معلوم نہیں وہ صرف خدا کو معلوم ہے کہ کس کا نامہ
 اچھا ہوا اور کس کا اچھا نہ ہوا۔ اپنا کشف اپنے حق میں یا کسی دوسرے کا کشف
 اپنے حق میں محل خطا و صواب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کسی کے حق میں ہم جرم کے
 ساتھ حسنِ خاتمہ اور عجبِ جنت کے متعلق نہیں کہہ سکتے اگرچہ ہر مسلمان صادق کے
 حق میں مغفرت کی امید رکھتے ہیں۔ پھر اولیاء کا کیا ذکر کہ وہ تو صفوة الصفوة،
 خیرۃ الخیرۃ اور خیرۃ النخبة ہیں: جَعَلْنَا اللّٰهَ مِنْهُمْ ذَحْرًا نَّارِيٍّ ذُمَّرَتْ بِهِ
 نَحْتَهُ يَوْمَ تَأْتِي السَّيِّئَاتُ الْمُرْسَلِينَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ!

تالیفات پراعتراضات؛

میری تالیفات پر بعض قارئین نے براہِ حد کچھ ناسد قسم کے اعتراضات
 بھی کیے ہیں۔ لیکن یہ مصیبت بھی درحقیقت احسان ہے۔ حاسد نے مجھ پر
 احسان کیا کہ اپنی ٹیکوں کو میری پرائیوں کی میزان میں ڈال دیا۔ اگر ان کے اعتراضات
 انصاف اور نیتِ صادقہ پر مبنی ہوتے اور مقصود حق اور دین کی حفاظت

ہوتی تو انہیں بہت کچھ اجر حاصل ہوتا۔ لیکن افسوس تو یہ کہ ان کی بنیاد مد علی
شَفَا جَدْرِهَا بِر۔" ہے، اور ان کا تعلق مجرد حقیقتِ جاہلیت اور عصیت و
نفسانیت سے ہے، اس لیے ان اعتراضات کا نفسِ مسائل سے بہت کم تعلق
ہے، اگر مواخذات لاطائل ہیں۔ اس کے باوجود میں جانتا ہوں جس

بیچِ نفسِ بشرِ خالی از حطابنود

اگر یہ بات نہ ہو تو پھر خالق و مخلوق کے کلام میں کیا فرق رہ جائے

مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ

خدا کرے غلطی کچھ میرے سخن میں رہے

مثل مشہور ہے کہ:

«الْفَاضِلُ مَنْ عُدَّتْ سَقَطَاتُهُ

وَأُخِرَّتْ مُلْتَقَطَاتُهُ

سعدیؒ نے کہا ہے کہ:

”متکلم راتا کسے عیب نہ گیرد سخنش صلاح نہ پذیرد“

مشوغرہ بر حسنِ گفتارِ خویش

بتحسینِ نادان و پندارِ خویش

الغرض اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ میں کسی کلام میں خطا نہ کروں، تو اسے

بشر نہیں سمجھنا چاہیے۔ اہلِ تجربہ نے کہا ہے:

کونسا تیز رفتار گھوڑا ہے جو گردن اٹھا کر کھنے

أَيُّ جَوَادٍ وَإِنْ عَنَّ مَا يَكْبُرُ

کے باوجود کبھی منہ کے بل نہ گرتا ہوا اور کونسی

دَآئِي عَضْبٍ مَهْدٍ لَا يَكَلُّ وَلَا

تیز ہندی تلوار ہے جو کبھی کند نہ ہوتی ہوا اور کبھی

يَلْبُورُ

کھٹنے میں نالام نہ ہوتی ہو

مقریبی نے کتاب "المواعظ والاقتبارة" میں غزیرہ کو رکھ کر اپنی پریشانی کا حال یوں بیان کیا ہے:

خصوصاً جب کہ دل افکار میں مشغول ہے، عزم امود کے التواء اور مشکل ہونے کی وجہ سے پریشان ہے، ذہن اس پر فتن زمانے کے حوادث کی وجہ سے مضطرب ہے اور دل آلام و مصائب کے پے در پے نزول کی وجہ سے بیمار ہے۔

وَفِي مِحْلٍ يَوْمٍ بِالْكَرْبَةِ يَلْقَانِي
وَإِنْ رَأَى لِي يَوْمًا تَكَدَّرَ فِي الثَّانِي

اے اللہ! مغفرت فرما! یہ قضا پر تنگدلی اور مسفرد پر بے سببی نہیں ہے بلکہ یہ تو بیمار کا کراہنا اور سینہ کے مریض کا تھوکتا ہے۔ وہ (مریض) درد اور درد کراہنے کے اظہار سے آرام پاتا ہے، اور جب وہ کھن کر کھوہ و شکایت اور گریہ و زاری کا اظہار کرتا ہے تو اسے اپنے بوجھ میں تدرے تخفیف محسوس ہوتی ہے۔

رَأَوْ مِنْ كِتَابِ الْحَبِ فِي كِبْدِي مَقْلًا
إِذَا عَدَّ رُؤْيِي أَوْ جَعَلْتُ لَهُمْ عَدْرًا

"لَا يَسِينَا وَالْعَاطِرُ بِالْأَفْكَارِ
مَشْغُولٌ وَالْعَزْمُ لِتَوَاجِ الْأُمُورِ
وَكَعْسَرِهَا فَأَتَرَ كَحُلُولِ وَالذَّهْنُ
مِنْ حُطُوبٍ هَذَا الزَّمَنِ الْقَطُوبِ
كَلِيلٌ وَالْقَلْبُ لِتَوَالِي الْيَحْنِ
وَتَوَالِي الْإِلْحَيْنِ عَيْلٍ"۔

يُعَايِدُنِي دَهْرِي كَأَنِّي عَدْوَةٌ
فَإِنْ رُمْتُ شَيْئًا جَاءَنِي مِنْهُ ضِدَّةٌ
پھر لکھا ہے:

"اللَّهُمَّ عَفِّرْ مَا هَذَا مِنَ التَّأَلُّمِ
بِالْقَضَاءِ وَلَا التَّفَجُّرِ بِالْمَقْدُورِ
بَلْ أَنْتَ سَقِيمٌ وَنَفْتَةٌ مُصْدَرَةٌ
يَسْتَدْوِحُ إِنْ أَبْدَى التَّوَجُّعُ وَ
الْأَيْنِ وَيَجِدُ خِفًّا مِنْ ثِقَلِهِ إِذَا
بَاحَ بِالشَّكْوَى وَالْحَيْنِ"۔

۴

۵

وَلَوْ نَظَرُوا بَيْنَ الْجَوَانِحِ وَالْحَشَا
وَلَوْ جَدُّوا مَا قَدَّ كَفَيْتُ مِنَ الْمَهْوَى

۱۳۰۱ء سے مسلسل بعینہ یہی حال میرا بھی ہو رہا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ كُلِّ مَسْأَلٍ!

هَ أَصَاعُونِي قَاتِي قَاتِي أَصَاعُوا

لِيَوْمِ كَرِهْتُمْ لِي وَسَدَادِ تَغْيِيرِ!

آدم پر سر مطلب اب میں اہل انصاف کی خدمت میں یہی بات کہتا ہوں کہ میری تالیف ہو یا کسی اور عالم کی، خواہ قدیم ہو یا جدید، ہر مسلمان ایماندار تقویٰ شعار کو اس کی بابت کلمہ مشہورہ ”خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَّرَا“ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ غلطی، خطا، اختلاف، تناقض اور تعارض اور ان جیسے دوسرے عیوب سے صرف اللہ ورسول کا کلام ہی محفوظ ہے اور کسی کو یہ بات میسر نہیں:

رَكَو كَمَا نَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوْ جَدُّ ذَا
هُوَ تَاوَهُ اس میں بہت اختلاف پاتے

یہ بات کہ میری تالیف ہر خطا و نقصان یا سہو و نسیان سے محفوظ ہے، ایک خیال غمنق اور تعین معتدل ہے۔ ہاں جاہل بے شعور یہ کرتا ہے، کہ جب کوئی شخص کسی کی تالیف پر اعتراض اور اس کی تردید کرتا ہے، گو وہ درجہ علم و فضل میں اس معترض علیہ سے کم ہو مگر وہ جاہل یوں گماں کر لیتا ہے کہ وہ تالیف ناقص و ناقابلِ قبول ہے حالانکہ یہ بات بالکل خلافِ عقل ہے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ دو چار مقامات میں خطا و سہو سے، اس تالیف کے سارے فضائل بے اعتبار ٹھہر جائیں، بلکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ کم علم لوگ زیادہ علم والوں پر معترض ہوتے ہیں اور اعتراض مضمّن عدم فہم، نفلتِ عبور یا تحصیلِ شہرت کے لیے ہوتا ہے۔ غفلت مند وہ ہے جو تصنیف کو میزان میں رکھ کر پرکھے، عمدہ تحقیقاتِ علوم کو قبول کرے

اور اقوالِ ضعیفہ کو ترک کر دے، یا ان کی اصلاح فرمائے، اور نسخہ خطا کو صحیح کرے، مؤلف زندہ ہو تو اسے مطلع کرے، اور جلد بازی سے بغیر کچھ بوجھے اعتراض نہ کر دے۔ ہم نے دیکھا کہ بعض لوگوں نے بعض تالیفات پر اعتراض کئے لیکن وہ سب انہی پر منتقل ہوتے تھے، اور بعض ایسے دعوے پیش کیے، جن میں وہ خود مدعا علیہ بن گئے۔

ایک شخص نے کہا کہ مباہلہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھا۔ لیکن تنبیح کے وقت عدم خصوصیت واضح ہو گئی یا جیسے دعوے کہ سیوطیؒ، ابن حجر عسقلانیؒ کے شاگرد نہیں تھے، حالانکہ خود سیوطیؒ اپنی کتاب ”تدریب الراوی“ میں اپنے آپ کو ان کا شاگرد لکھا ہے اور اسی طرح شترانیؒ نے بھی ”منن کبریٰ“ میں انہیں حافظ ابن حجرؒ کا شاگرد لکھا ہے۔ وقرن علی ہذا میری تالیفات پر بھی اسی قسم کے اعتراضات ہوئے، جو کہ میزان میں صحیح ثابت نہ ہوئے، البتہ بعض وہ اعتراض ضرور قرین قیاس تھے، جن کی بنیاد سہو القلم، کاتب، ناقل، طابع یا مطابقت یا خذ پرتقی، ان میں سے بھی بعض غیر قرین قیاس تھے، یہر حال جو اعتراض براہِ اخلاص ہو، وہ بلاشک لائق قبول ہوتا ہے، اور جس کی بنیاد آب و مراب پر ہو یا خیال و خواب پر محدود منافست و تخاسد پر، اشداس میں برکت نہیں دیتا۔ اور اس کتاب و مؤلف کتاب کو نظر اعتبار سے ساقط نہیں کرتا۔ کسی مؤلف کی یہ تمنا کہ لوگ ہماری تالیف کو قبولیت بخشیں، ہم کو بلا عالم سمجھ کر تواضع سے پیش آئیں اور ہمارے سامنے کسی دوسرے اہل علم کی رفعت و وقعت باقی نہ رہے، عین ریا، عجب، کبر، حسد، اور خفہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا!

میں تمام جہان کے علماء سے یہ چاہتا ہوں کہ وہ میری کسی کتاب کی کوئی بات اس صورت میں ہرگز قبول نہ کریں۔ جب کہ وہ کتاب و سنت اور علمائے سلف

اور ائمہ ملت کی تحقیقات کے خلاف ہو بلکہ،

کہ کالائے بد بریشِ خاوند یا

سجیدہ کر پھینک دیں۔ مجھے اس امر کا کچھ حلال دامن گیر نہ ہوگا۔ اس لیے کہ میں نہ تو معصوم ہوں اور نہ مجھے اپنے غلطی سے محفوظ ہونے کا دعویٰ ہے۔ بلکہ کثیر التالیف شخص سمونسیان کا لازماً شکار ہو جایا کرتا ہے۔

اہل بیت کا ظاہری برتاؤ:

میرے اہل بیت کا مجھ سے ظاہری برتاؤ ایسا تھا جس سے سب نے یہ جانا کہ گویا میں ہی اس جگہ صاحبِ حل و عقد ہوں، اور باطن میں مجھے کسی بات کا اختیار نہ دیا۔ اور اسی وجہ سے میں آلام و مصائب کا تختہِ مشق بنا رہا ہمارے دوست کی ہم پر یہ مہربانی ہے ہمارے واسطے جو کچھ ہر اک عدو نے کیا

اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو شاید خدا کے حکم سے ان آفتوں کی فوٹ نہ آتی۔ میری یہ تمنا نہیں بنتی کہ میں رسائی حاصل کر کے کوئی ناجائز نفع حاصل کروں۔ اگر اوروں کی طرح عیاذاً باللہ۔ کذب، خیانت اور کفر سے کام لیتا تو آج وہ بھی مجھ سے اس موجودہ حالت کی بہ نسبت زیادہ خوش ہوتیں۔ کیونکہ مستورات کا مزاج دروغ پسند اور قریب در دست ہوتا ہے، چنانچہ لوگوں نے خیانت کی، خیر خواہی کے پردے میں بد خواہی کا کام کیا، اور ہم لڑتے رہ کر خلیفہ عر و برد کر لیا۔ وہ لوگ اب تک زیادہ طمعتِ البہ اور مستحکم عیب ہیں۔ اور جس نے حق بات نا صحیحہ کسی اور سچی دوسری سے پیش آیا وہی دشمنِ عسکری۔

وکان ذلک فی الکتاب مستظہراً

قدر ہم چاہنے والوں کی ترسے دیکھ چکے
خوار پھرتا ہے پُرانا تو پشیمان نیا

لوگوں کی ناراضگی کا اصل سبب؛

لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں فقط اپنا ہی بھلا چاہتا ہوں۔ کسی اور کا خیر طلب نہیں ہوں، حالانکہ اپنی بھلائی کے لیے میں نے کبھی کوئی فکر اور درخواست نہیں کی۔ جس دن سے مجھے اس ریاست سے کچھ تعلق یا تو سل ہوا ہے، جسے سینتیس برس ہو رہے ہیں، اس مدتِ دراز میں میں نے کبھی بھی تنخواہ میں اضافہ کا سوال نہیں کیا نہ ترقی کی درخواست کی، نہ سفارش لایا، نہ اپنے لیے، نہ اولاد کے لیے اور نہ کسی قریبی عزیز کے لیے، مجھے جو کچھ ملا وہ میری کوشش اور کشش کے بغیر ہی ملا۔ میں نے اپنے تمام وقت کو آقا کی رضا جوئی میں صرف کیا اور وہی میرا بڑا جادو تھا۔ امتثال امر میں کبھی کسی تعویض و بیگانہ کی رعایت نہیں کی، اسی وجہ سے میں لوگوں کے خاطر عاظر پروگراں گزرا۔

چوں کوہِ کنشِ محنتِ سخت آمدہ در پیش
ایں بود سزائے دلِ راحت طلبِ ما

مکروہات میں شرکت؛

شرک و کبائر تو نہیں البتہ بہت سے دنیاوی مکروہات اور صغیرہ گناہوں میں اس قرابت کی وجہ سے کہ بہت طبیعت کے ساتھ شریک ہونا پڑا کیونکہ مستورات کے لیے اپنی رسوم کی پابندی مجہد امور سے مقدم ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص ان کے کہیں تماشے میں شریک نہ ہو تو ان پر وہمت گراں گزرتا ہے۔ اور ان کے

نزدیک بڑا خالص وہی ہے جو ان کے ہر کرم فعل کو مدوح قرار دے۔ میں اگر محض ملازم یا ہم زنبہ زوج ہونا تو ان افعال کو کبھی بھی نہ اٹھاتا۔ لیکن ناگہاں ایسے جاں میں پھنس گیا کہ اس سے رہائی میرے اختیار میں نہ رہی۔

ذٰلِكَ تَقْبَلُ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْلُوْلَه

کیونکہ اس کی نگہ ناز سے جینا ہوگا

زہر دے اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہوگا!

چین دینے نہیں وہ داغ کسی طرح مجھے!

میں جو مڑتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جینا ہوگا!

لیکن میں اب پانچ برس سے سجدہ تھالے کل امور داخلہ و خارجہ سے علیحدہ

ہوں۔ واللہ الحمد والمغتنہ!

دنیا میں معیار؛

میں نے امانت، دیانت، عفت اور صدق کو اپنا اوڑھنا۔ پھوننا بنا لیا جیسا کہ ہر مومن، دیندار اور مسلم پر ہیزگار پر واجب ہے۔ جس طرح میرا یہ فہم اہل بیت کونا گوار محسوس ہوا۔ اسی طرح جملہ رعایا پر بھی نہایت گراں گزرا۔ اگر میں حوام کار، مسکار، دغا باز، چالاک، سفاک، خائن، خود غرض اور بندہ دنیا ہوتا تو سب کے نزدیک مقبول اور ہر دلعزیز ہوتا۔ کیونکہ میں یہ دیکھتا ہوں کہ جو انخوان و ارکان ان مذکورہ اوصاف کے ساتھ متصف ہیں، وہ مجھ سے زیادہ عزیز اور کامیاب ہیں۔ اور ان کا جو پاس خاطر ہے وہ میرا نہیں، اور جو قدر ان کی ہے وہ میری نہیں۔ لیکن میں اس مشکل کو بھی خدا کا ایک احسان سمجھ کر اس کا شکر ادا کرتا ہوں، اور جانتا ہوں کہ وقفہ زندگی بہت کم ہے۔ آنکھ بند ہوتے ہی ہر کسی کو

اپنے کام کے انجام کا آغاز معلوم ہو جاتا ہے۔
 بوقت صبح شود، ہچو روز معلومت
 کہ باکہ باختر عشق در شب دہ بجور

تجاہلِ عارفانہ :

میرے دشمن اور حاسد جو میرے حال و حال کی حقیقت سے واقف ہیں۔ یا
 تجاہلِ عارفانہ کرتے ہیں، انہوں نے سب کو پھوڑ کر صرف مجھے اپنے عداوت اور
 حسد کے تیروں کا نشانہ بنا رکھا ہے۔ شہر و دیار میں جو حوادث روزگار اور نقلیات
 میں دنہار ہوتے ہیں، وہ سب رجا بالغیب میری ہی طرف منسوب کئے جاتے ہیں
 حالانکہ میں طبعاً تمام دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوں۔ اور میری اس عادت کو وہ لوگ
 بھی غالباً جانتے ہیں۔ اور میری آزادگی سریرت اور بے پروائی خاطر کو بھی بخوبی
 پہچانتے ہیں۔

ہمت نگر کہ ہر ورقِ دفترِ اُمید
 صد پارہ کردہ ایم و بخونناہ شستہ ایم

اللہ تعالیٰ نے اس جگہ سب کے دلوں سے صدقِ دلِ راستی کے نور کو چھین
 لیا ہے۔ آلا ماشاء اللہ تعالیٰ! اور جس قدر حسد اور کینہ کا یہاں پور چاہے شاید
 ہی کسی دوسرے شہر میں ہو اور یہاں کے لوگوں کو علم اور دین سے جو نفرت
 ہے کسی اور جگہ معلوم نہیں ہوتی۔ اگر چہ اس آخری زمانہ میں کوئی قصبہ یا شہر قیامت
 کی ان علامات وغیرہ سے محفوظ نہیں رہا۔

علیحدگی کے باوجود مصائب کا ہجوم؛

میں بلا قصد و نیت، شادی اور اولاد کی وجہ سے یہاں کا متوطن ہو گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ جرم کے بغیر کوئی شخص مجرم نہیں ٹھہرتا۔ اگر ریاست سے میرا تعلق ختم ہو جائے گا۔ تو میں مجبور و رعیت بن کر یہاں رہ سکتا ہوں۔ لہذا اپنے گھر میں گوشہ گزیں رہوں گا۔ جس طرح کہ عام لوگ رہتے ہیں۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ علیحدگی کے باوجود مصیبتوں اور آزمائشوں کے تیروں کا ہدف بنایا جاؤں گا۔ اور بغیر جرم کے عام لوگوں کی یہ نسبت زیادہ مجرم اور عاصی قرار دیا جاؤں گا۔ اب جو اس بلا میں پھنس گیا ہوں اور نقل مکانی کرنا چاہتا ہوں تو کوئی درست تدبیر سمجھ میں نہیں آتی ہے چارونا چار تقدیر پر صبر کر رہا ہوں، اور اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مجھے جملہ شرور سے محفوظ رکھے گا۔ حتیٰ کہ میری دلی تمنا برائے اور مجھے ہجرت کی توفیق مل جائے۔

ماگز شنیم ز بھوپال تو دلشاد نشیں
نقل برد مزن و خار بد یوار منہ

یہ نہیں ہو سکتا؛

میں نے یہاں کے سخت لوگوں سے بڑی ظاہر و باطنی تکلیف اٹھائی ہے اور مجھ لاء کی طرف سے انہیں کوئی آزار نہیں پہنچا، جس کسی امر کو انہوں نے میری طرف سے سمجھا ہے۔ میں نفس الامر میں اس سے بری ہوں اور اس بات پر مباہلہ کرنے کو بھی تیار ہوں۔

دشمنی فکرِ کسان دوستی اندیشہٴ ما

عیبِ شغلِ دگران ست و ہنرِ ہلیشہٴ ما

کیونکہ یہ کارروائی میرے ساتھ محض حسد کی وجہ سے کی گئی ہے، وہ مجھ سے خود اس بات کے طالب تھے کہ میں ان کے سب کام ہمیشہ ان کے منشا کے مطابق کرتا رہوں۔ لیکن میں اس معاملہ میں قاصر تھا۔ کیونکہ میں نہ رئیس تھا اور نہ رئیس کی طرف سے مختار۔ علاوہ انہیں اگر مجبور بے اعتبار نہ بھی ہوتا تب بھی مجھ سے یہ امر ممکن نہ تھا کہ کسی شخص کی خاطر، خواہ وہ میرا محنتِ جگر یا عزیزِ کرم گستر ہی کیوں نہ ہو، کوئی ایسا امر بجالاؤں جو آقا یا عقل و دین کی مرضی کے خلاف ہو، بپہر ضِ محال اگر میری سابقہ حالت پھر لوٹ آئے تو بھی میں اپنی روشِ قدیم سے منحرف نہیں ہو سکتا۔

احسانِ فراموش :

قدیم مسلمانوں کے علاوہ اس فتنہ کو برپا کرنے میں ان لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ جنہیں میں نے ذلت کے گڑھے سے نکال کر اوجِ عزت پر پہنچایا تھا اور معمر، کار گزار، شریف القوم، اور صاحبِ علم و ہنر سمجھے کہ اس جگہ خدمات پر مامور کیا تھا، جن کو اب کسی جگہ کوئی جگہ نہیں ملتی ہے، ان سے ان ہمدردیوں کے مقابلہ میں یہ دشمنیاں ظاہر ہوئیں۔

وَذٰلِكَ اَمْرٌ مِّنْ اَمْرِ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ خَبِيرٌ عَالِمٌ

انجامِ کاریہ لوگ بھی کامیاب نہ ہوئے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اکثر سے انتقام

لیا ہے

دریں چمن کہ بہار و خزاں ہم آنخوش ست ۴
زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست!

ذکر و فکرِ دنیا سے نفرت؛

مجھے قدیمًا و جدیدًا اہلِ روزگار کے استخبار و اخبار سے کلی نفرت ہے اور احوالِ اہلِ دنیا کے شغل، اوتہ و تہ کار سے مکمل بُعد ہے۔ اس کے باوجود جسے پانا ہوں وہ مجھے اسی ذکر و فکرِ دنیا میں مشغول کرنا چاہتا ہے۔ اور اپنی روش و راہ کی طرف کھینچتا ہے، جس سے میں تہ و دل سے بھاگتا ہوں، نہ کوئی علم کا پھر چاہے نہ دین کی گفتگو ہے، نہ آخرت کی یاد ہے، نہ موت و برزخ کا ذکر۔ ہر صاحب و مصاحب کی ساری ہمت یہ ہے کہ مجھے نقصان پہنچائے۔ اور اپنا دنیاوی نفع حاصل کرے۔ میں ان لوگوں سے طبعی طور پر گریز کرتا ہوں۔ لیکن یہ میرے تعاقب سے باز نہیں آتے۔ ایک دو یا تین چار ہوں تب بھی عبر آئے، مشکل تو یہ ہے کہ ان بہائم و دواب کا ایک طویلہ ہو کیا ہے۔

سکیم از دستِ بیدادِ کہ نالم!

بکشت ما گزارِ لشکرِ افتاد دست

یہاں اختلاط زیادہ برآشنائی کی رسم ہے اور میرا یہ حال ہے کہ مار گزید

از ریسماں می ترسد عی

منتِ نا آمدن از آمدن افزوں بود

عَاذًا اَنَا اللّٰهُ تَعَالٰی مِنْ عِنَايَاتِهِمْ وَحَا نَنَا بِمَنِّيْهِ عَنِ كَفَضْلِكَ تَهْمُوْ

ریاست کی خدمت؛

جب میں صرف ملازم تھا، مجھے ریاست کے اندرونی یا بیرونی کاروبار سے کچھ سروکار نہ تھا۔ اپنی خدمتِ مفوضہ کا بجالانا اور آتنا کی باز پرس سے بچے رہنا ہی نصب العین تھا۔ الحمد للہ کہ میں نے اس فوکری چاکری میں فراہم مناصب کی ادائیگی میں کبھی چشم پوشی نہیں کی، نہ اوروں کی طرح کام سے جان چرائی اور نہ غیر حاضری اختیار کی بلکہ سخت محنت و مشقت کے ساتھ پندرہ سال تک کام کرتا رہا۔

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو

کہ شبِ نعم کوئی کس طور بسر کرتا ہے

پھر جب اُس حالت سے اس حالت کو پہنچا اور اسے انجام کے اعتبار

سے پہلی حالت سے بہتر سمجھتا ہوں، اگرچہ پرستارانِ دنیا کی نظر میں یہ بھی ایک بڑا اوج ہے تو منعم حقیقی و مجازی کے تشکر یہ کی ادائیگی میں محنت، خیر سگالی، خیر اندیشی اور خیر طلبی کا کوئی دقیقہ اپنی قدرت کی حد تک فرو گذاشت نہ کیا۔ میں شب و روز آسیاد چکی کی طرح گردشِ محن و غم میں رہا۔ خصوصاً اس جہت سے کہ آقا نے امارت کے کاروبار کا تمام بوجھ ظاہری طور پر میرے سر اور کندھے پر ڈال دیا تھا۔ مگر باطنی اعتبار سے سب امور اپنے ہی قبضہ اختیار میں رکھے تھے۔ یہ وہ بار تھا جس کا کوئی شمار نہیں، میری یہ کیفیت ہوئی ہے

بارِ جہاں بردلِ آں ناز نہیں؛

سینہ چنبنِ نازک و بارِ چنبن

میں نے کمال جدوجہد کے ساتھ ریاست کے کندھے کو قرض کے بارگراں سے سبکبار کیا، خزانہ کو خزانہ عامرہ بنا دیا۔ یہ کس کے لیے؟ انہی اولاد و احفادِ آقا کے لیے۔ اسی طرح سڑکوں کی درستی، مساجد و مدارس کی تعمیر، مکانات کا انتظام، محکموں کا نظم و نسق، ٹیکسوں سے آزادی، سالانہ محاصل کے بقایا کی معافی، فقراء کی مراعات، اہل خدمت کی ماہانہ تنخواہوں میں اضافہ، رفاہ عامہ کے امور کی تجدید، فرائضِ صلوٰۃ و صوم کے مدارج کی تکمیل، انفاذِ رعایا و بریایا کی افزائش، مستحق و غیر مستحق لوگوں میں مال کی تقسیم اور بہت سے دیگر امور میں سعی وافر ظاہر کی، اور آقا کی اولاد و احفاد کے ساتھ مواصات میں خصوصاً اور پادساری انخوان میں عموماً اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ ارکان و اہل کارانِ ریاست کو ان کی لغزشوں اور عطیلیوں کے باوجود تازیانہ زبرد تو بیخ اور سترائے جو مانہ وغیرہ کی فجزیرات سے مسلسل محفوظ رکھا۔

مقدور بھروقت کو سعی میں بسر کیا، کسی کی سعایت میں نہیں۔ اور دل کو ہر خیالی باطل اور فکرِ لا طائل سے بچایا۔ اپنی نسبت کبھی یہ تصور نہیں کیا کہ ”من کبیتم“ بلکہ ”من آئم کر من دائم“ کو ہمیشہ ملحوظ نظر رکھا۔ ہمیشہ اخلاق اور مروّت سے کام لیا۔ دشمن سے بھی انتقام کا قصد نہ کیا۔ ہاں ایک امر میں مجھے بلاشبہ ناکامی رہی کہ جس کسی سے آقا کا دل آشفّہ یا افسردہ تھا۔ اور اس کے موجبات کاظم بھی آقا ہی کو ہے، میں نے ماوشما کے پاس خاطر کی عرض سے محسن سے معارضتہ نہیں کیا۔ اور یہی ایک امر میری طرف سے اکثر اشتخاص کے خاطر پر ہر گراں گزرا، اور انہوں نے دیدہ و دانستہ آقا سے تو قطع نظر کیا، اور مجھ بے بال و پر کو شکار سمجھ کر میرے لیے دام کید بچھا یا اور یہ نہ سمجھا کہ سہ

چرخ کو کب یہ سلیقہ بے ستم گاری میں !

کوئی محبوب ہے اس پردہ زنگاری میں

اور میں اس شعر کا مصداق ہو گیا سے

کار زلفِ نست مشک افشانی آتا عاشقان

مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

میرے خیال میں آقا نے بھی کسی گروہ پر ستم گری نہیں کی، بلکہ جس قدر غیظ و غضب ان کے دل میں ہو گا یا اب ہے یا جتنا قصور خطا اور کاغذیاتی اعانت ہے، ان کو حداً، تعزیراً، سیاستاً یا ریاستاً ان کے قصور اور گناہوں کی مقدار کے مطابق کیفرِ کردار تک نہ پہنچایا۔ یہ بات آقا کی خوشامد کے لیے نہیں ہے۔ کیونکہ میں طبعی طور پر آسمانی سے خالی ہوں اور حق گوئی سے مالی، مجھے اظہار حق میں کسی کی خوشی و ناخوشی سے غرض نہیں ہوتی۔ اگر میں دیگر دنیا دار لوگوں کی طرح ہوتا تو اس کتاب میں آقا کے شکوہ و شکایت کے متعلق کوئی حرف و حکایت نہ لکھتا۔ لیکن میں نے جو کلام جس جگہ مناسب سمجھا بلا تکلف خامہ صدق نگار کے حوالہ کر دیا۔ الغرض جس جاں نشانی و جان کا ہی اور بے آرامی سے آقا کی نیک نامی اور اپنے حسنِ خاتمہ کی اُمید سے پندرہ برس بسر کئے تھے۔ وہ ساری محنت یا ران زمانہ کی دراندازی اور واقعہ طلبی کی بنا پر دست بردو بنا ہو گئی۔ بیکایک جہاں کے حالات و دگرگوں نظر آئے، دین پرستی و دنیا داری کا سارا کارخانہ تہ و بالا ہو گیا، تا تو ان بیٹیوں کی نظر لگ گئی، بہت زیادہ لوگ بگڑ گئے اور بہت تھوڑے سن گئے۔ یہ اس کے برعکس سے

دل سے خوں بکف آورد ولی دیدہ برینخت

اللہ اللہ کہ تلف کرد کہ اندر نخست بود!

مالی پوزیشن کا غلط اندازہ :

یہاں کے حاسدوں اور دشمنوں نے میری مالی پوزیشن کو رجحاناً بالغیب مقدار موجود سے زیادہ خیال کیا۔ اور خیال کو خیال کے برابر مشہور کر دیا۔ حالانکہ میں نے اس جگہ جتنا کمایا اس کا اکثر حصہ اسی جگہ عمارت اور دیگر ضروریات میں وقتاً فوقتاً صرف کر دیا۔ سوائے جاگیر کے اور کوئی آمدنی بھی نہیں ہے، اور نہ مجھ پر آکا کی طرف سے بارانِ عطا برستا ہے، اور نہ میں اپنے لیے مال جمع کرنے کا عادی ہوں۔

دولتِ دنیا کہ تمنا کند

باکہ وفا کرد کہ با ما کند!

ہاں امن کا خواہاں ہوں اگر اللہ تعالیٰ نے لطف فرما کر مجھے اس جگہ امن بخشا تو میں اسی حالتِ راہنہ پر عزت پذیر ہوں گا۔ اور اگر تقدیر الہی میں کچھ اور ہے تو میں بہر حال راضی بالقضاء ہوں۔

رَضِينَا قِسْمَةَ الْعَبْتَارِ فِدَا لَنَا عِلْمٌ دَلَّ الْجُهَالِ مَسَال

فِيَانِ الْمَسَالِ يَقْنَى عَنْ قَرِيبٍ وَإِنَّ الْعِلْمَ يَبْقَى لَا يَخَالُ

اس شہر پر آشوب و ہنگامہ جاں کو ب میں میرے مال کی ایک کثیر مقدار حالتِ ضیاع میں ہے، جس کا انداز چار لاکھ کے قریب ہے۔ یک نیم بابت وہاں اور دو نیم بابت، مکانات، یہ تو اندیشہ مال کا ہے، رہا خوفِ جان سو وہ علیحدہ سوہانِ روح ہو رہا ہے۔

دماغش نشگفتنا خونِ عاشقِ رانمی ریزد

انارِ خندہ ادا جلالِ آباد می آید!

غرض (عزت) تو مدت سے دست بردا ہلِ غرض ہو چکی ہے، فقط

ایک ایمان باقی رہ گیا ہے، وہ ان شاء اللہ فنا پذیر نہ ہوگا۔ ہاں اگر وہ بھی جان و مال اور آبرو کی طرح زبرد و غم کے ہاتھ میں ہوتا تو یہ حاسد ہرگز اسے بھی نہ چھوڑتے بلکہ تاراج کرتے، مگر وہ تو کسی بشر کے قبضہ و قدرت میں نہیں ہے، اس لیے ان کے شر سے محفوظ ہے۔ حفظ اللہ وسلم۔

اس شہر کے لوگ؛

میرے زمانہ آفت نشانہ میں علاقے آخرت روئے زمین سے بالکل مفقود ہو گئے ہیں۔ اِنَّا نَاتِي اَزْهَسَ نَنَقْصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا۔^{۱۵}
اب جو لوگ اپنے آپ کو اہل علم کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں، یہ سب عشاقِ دنیا ہیں ان کا شغل تھمیلِ کتاب کے بجائے، استحصالی مال و خطاب ہے۔ یہ خود لوگوں کو برا بیختہ کرتے ہیں کہ وہ؛

اَنَاسٌ عَلٰی دِيْنٍ مُّسَلُوْرٍ كِهْلُوْرٍ؟

کے مصداق ہو جائیں۔ رات دن فنونِ جہالت میں مشغول رہتے ہیں، خواص نے عوام کا شیوہ اختیار کر لیا ہے۔ اود عوام تو پیلے ہی کالانعام ہیں۔ منجیات و معروفات نقش و نگارِ طاقِ نسباں ہو گئے ہیں، مہلکات و مفکرات، حسنات قرار پائے ہیں۔ قیامت کی چھوٹی علامتوں کا ایک مدتِ دلاز سے ظہور ہو چکا ہے۔ اب چودھویں صدی کے آغاز میں ہر طرف سے قیامت کی بڑی علامتوں کا ظہور ہو رہا ہے۔ حدیثِ ابنِ عمرؓ میں مرقوماً آیا ہے؛

اِنَّمَا النَّاسُ كَالْاِبِلِ السَّابِغَةِ
رُكَّ سُرَادِثُوْنَ كِ طَرِحِ هِمْ، جِنِّ هِمْ تَمِيَكِ
اَلَا تَكَادُ تَجِدُ نَمَلًا رَا حِلَةً؟
سبھی سواری کے قابل نہ پائے۔

(متفق علیہ)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ تو بہت ہیں لیکن اچھے کم سے
 آنچہ پر جنتیم و کم دیدیم و بسیارست و نیست +
 نیست جز انسان دریں عالم کہ بسیارست و نیست!
 حدیث مرد اس سلمیٰ میں فرمایا ہے:

يَذْهَبُ الصَّالِحُونَ اِلَّا ذَلَّ فَالذَّلُّ
 رَبِيحٌ حَقَالَةٌ كَعَفَالَةِ الشَّعِيرِ اَوْ
 التَّمْرِ لَا يَبَالِيَهُمُ اللَّهُ بِآلَةٍ ۚ
 نیک لوگ ایک ایک کر کے چلے جائیں گے اور
 جوگی بھوسی یا کھجور کے پھلکے کی طرح کے
 لوگ (نکسے اور ناکارہ) رہ جائیں گے۔ جن کی
 اللہ کو کوئی پروا نہ ہوگی۔ (رواہ البخاری)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ اس وقت تک قیامت قائم نہ
 ہوگی جب تک کہ:
 يَبْرُثُ دُنْيَاكُمْ شِرَارُكُمْ ۚ
 شریر لوگ تمہاری دنیا کے وارث نہ ہو
 (رواہ الترمذی) جائیں۔

انہی سے مروی دوسری مرفوع حدیث کے الفاظ یہ ہیں:
 لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّىٰ يَكُونَ اَسْعَدَ
 النَّاسِ بِآلَتِهِمْ اَلْكَمُّ بِنُكْعٍ ۚ
 اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ
 لیمیم بن لیمیم دنیوی طور پر سب سے زیادہ سعادتمند
 نہ ہو جائے۔

(رواہ الترمذی والبیہقی فی دلائل النبوة)

نکع بن نکیع سے لیمیم بن لیمیم مراد ہے یہ وہ نہیں جس کی اصل معلوم نہ
 ہو۔ اور اس کا خلق اچھا نہ ہو، اس زمانہ میں اس قسم کے لوگ رہ گئے ہیں، یہ
 زمانہ اہل اسلام کے صبر کرنے کا ہے اگرچہ یہ صبر سخت تلخ ہے۔ حدیث انس رضی
 اللہ عنہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگوں پر ایک ایسا دور آئے گا کہ دین پر صبر کرنے والا ان میں ایسے ہوگا جیسے آگ کے شرارے کو پکڑنے والا!

يَا أَيُّهَا النَّاسُ زَمَانٌ الصَّابِرُونَ فِيهِمْ عَلَى دِينِهِمْ كَالْقَائِمِينَ عَلَى الْجَبْرِ -
(رواه الترمذی)

اور فرمایا:

جب تمہارے کام تمہاری عورتوں کے ہاتھ میں ہوں تو پھر شکم زمین تمہارے لیے پشت زمین سے بہتر ہے۔

إِذَا كَانَ أُمُورُكُمْ إِلَى نِسَائِكُمْ كَبَطْنِ الْأَرْضِ حَيْثُ لَكُمْ مِنْ ظَهْرِهَا -

(رواه الترمذی)

یعنی ایسے جینے سے منا بہتر ہے۔ ہمیں اس حدیث کا شہود اس وقت بخوبی ہو رہا ہے۔ كَسَأَلَ اللَّهُ الْعَايَةَ!

درس کی بندش:

میں مغرب اور عشاء کے درمیان اپنے بڑے لڑکے کو سنت، فقہ سنت اور تفسیر کی کتابیں پڑھایا کرتا تھا۔ اس درس میں دو چار اہل علم بھی شریک مذاکرہ رہتے تھے۔ در انداز لوگوں نے اسے امر غیر واقع پر محمول کر کے فرمت یہاں تک پہنچائی کہ چاروں ناچار اس درس و مذاکرہ سے دست بردار ہونا پڑا۔ اور میں اس حدیث کے مصداق ہو گیا کہ:

عَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعْ أَمْرَ الْعَوَامِ ۗ لَ
عوام کے معاملہ کو چھوڑ کر اپنے نفس کی
بخیر مانو۔

اب پانچ سال کی مدت سے درس بند ہے۔ انا للہ! ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے امن پیدا فرمادے تو کچھ عجب نہیں کہ مجھے اس کا رخیر

کی پھر سے توفیق نصیب ہو جائے :

لے
كَلَّ اللَّهُ يُحَدِّثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا

اب ضعف و پیری کے سبب تصنیف و تالیف کتب کی بھی قوت باقی نہیں رہی اگرچہ اس مدت میں شغل تصنیف بدستور باقی رہا اور میں اپنی عادت و جبلت سے قاصر نہ ہوا۔ اس سے پیشتر میرا زمانہ منظر جمال تھا، اب وقت میرے حق میں منظر جلال ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی كُلِّ حَالٍ۔

زمانہ دشمن ہنرمنداں مستہ و اہل زمانہ صد چنداں الغرض سے

بہر کجا کہ نغمے ہست میہاں من ست

خدیل عشقم و لختِ جگرِ سخاں من ست

مکن بایں خنکی اے رقیبِ عوی عشق!

کہ ایں تپے ست کہ غصو علی سخاں من ست

کہ گفتمے ست کہ تنہا و یکسہ منظر

کہ غمِ رفیقِ من و درد مہربانِ من ست

تعویذ گنڈا کرنے والوں کی بلغار :

انقلاب کا ہنگامہ سن کر اہل حوائم نے آگھیرا۔ عام لوگوں کے ذہن میں یہ

بات جمی ہوئی ہے کہ امرار و رؤسارِ عملیات کے معتقد ہوتے ہیں۔ حالانکہ پہلی

بات یہ ہے کہ میں امیر نہیں ہوں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ علم سے فقیر بھی نہیں

ہوں کہ اہل شرک و بدعت کے دامِ تزویر میں گرفتار ہو جاؤں۔ میں تو اپنے اعتقاد

کے مطابق کسی شخص کا معتقد نہیں ہوں۔ خصوصاً ان نقرار و مشائخ کا تو

بالکل نہیں جو جہالت کے اس دور میں دکا عماری کرتے ہیں۔ مجھے ان کی

حرکات بے برکات پر تعجب ہے کہ یہ اپنی جہالت، نجاست اور شرک و بدعت میں کس موحد کو پھانسننا چاہتے ہیں۔ ان احمقوں نے اتنا بھی خیال نہ کیا کہ میں تو مشہور باہل حدیث ہوں اور "تقویۃ الایمان" اور رسائلِ توحید کا پابند ہوں۔ میرے سامنے کسی رمال، جفارا، مستجم اور عزیمت خواں کی اتنی قدر بھی نہیں، جتنی انسان کی نظر میں جانوروں کی ہوتی ہے۔ کیونکہ موحد تو ہر بلا و رزا اور مصیبت و عاقبت میں اللہ ہی کو پکارتا ہے۔ جان جائے، مال جائے، آبرو جائے مگر ایمان نہ جائے کچھ ہوگا اللہ و رسولؐ کے طریقہ سے انحراف نہ ہو

من نخواستہم کہ ترک فعل یار و جام سے!

زاہدان معذور داریدم کہ ابن ہم مذہب است

اور عربی شاعر نے کہا ہے

مَذَاهِبُ شَيْئِي لِمُتَحَبِّينَ فِي الْعَوَى

وَلِي مَذَاهِبٌ وَحْدًا عَيْشٌ بِهِ وَوَحْدِي

ہاں وہ لوگ جو عقل و دین کے اعتبار سے ناقص ہیں، وہ جلدان کے پھندے میں حصولِ مدعا اور دفعِ بلا کی امید سے پھنس جاتے ہیں، یا عوام کا لانعام جنہیں دین و ایمان سے کچھ حصہ نہیں ملا۔ وہ اپنا مال ان حرام خوروں اور دغا بازوں کو کھلاتے اور دیتے ہیں۔ اور جو شخص پاک دین والا، صاحبِ توحید ہے، وہ اپنے تشہ و توحید، اور مستی حسن عقائد میں ان اکالین بطلان کی کچھ پروا نہیں کرتا ہے

سرم بدینا و عقیبی فرو نمی آید

تبارک اللہ ازین فتنہ ہا کہ در سیراست

در اندرونِ من خسته دل ندانم کیست
 که من خموشم و او در فغان و در غوغاست!
 ازاں بدیرِ معانم عزیزِ صید ازند
 کہ آتشے کہ نیر، همیشه در دلِ ما ست

اللہ تعالیٰ مجھے اسی توحید و سنت پر زندہ رکھے اور مارے اور افواج
 شرک و بدعت سے بچائے کیونکہ میں توحید کے طفیل مارے جہاں کے علوم و
 معارف سے بے نیاز ہوں۔

زباد شاہ و گدا فارغ - بحمد اللہ
 گدائے خاک در دوست پادشاہ من ست!
 مگر یہ تیغ اجل خیمہ بر کنم شاید
 رسیدن از در دولت نہ رسم و راہ من ست

اور اگر بالفرض حصولِ دعا اور دفعِ کرب و بلا کے لیے عزائم و ادعیہ کا
 بجالانا ضروری ہے تو آیاتِ کتاب اللہ اور اذکار و ادعیہ ماثورہ ہی کافی ہیں۔
 وہ کون سی دینی و دنیاوی آفت و مصیبت ہے جس کا علمی علاج شرع شریف
 میں نہیں ہے، اور وہ کون سی حاجت و مطلب اور دعا ہے جس کے لیے ہمیں
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ذکر یا دعا تعلیم نہیں فرمائی ہے
 باغِ مراچہ حاجتِ سر و صورتِ بہت
 شمشادِ خانہ پرورِ ما از کہ کمتر ست

ختمِ قرآن مجید، ختمِ حصن حصین، ختمِ بخاری شریف، اذکار و دفعِ کرب
 اور ادعیہ و اذکارِ استقام و مرضِ مجرب ہیں۔ اور ان کے استعمال کا طریقہ اہلِ علم
 ولایت نے بیان کر دیا ہے۔ میں نے بھی اس باب میں ایک مختصر سا رسالہ

”کتاب الدار والدواء“ نامی لکھا ہے، جو سارے جہان کے عرائم و رقی و اعمال کا بدل ہو سکتا ہے۔ قصوں کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منصوص اور مشائخ و علماء کے مجربات پر مشتمل ہے۔ وَ لَقَدْ نَحْنُ بِهَا
دنیا دار اللہ تعالیٰ کو تو بھول جاتے ہیں۔ اور اس کے اسماء و حسنیٰ کے ساتھ استمداد و استعانت نہیں کرتے اور نہ اس آیت کو یاد رکھتے ہیں،
اَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ و طلب کو میرا در نماز کے ساتھ۔

مگر زید و عمرو کے ساتھ دپرداختہ عرائم اور غیر معتبر مشائخ کی تزیینات پر جبک پڑتے ہیں۔ ان کو ہرگز فراموش نہیں کرتے۔ اس لیے نہ ان کی وہ مصیبت دور ہوتی ہے اور نہ ایمان سلامت رہتا ہے۔

يَكُلُّ شَيْءٌ اِذَا كَارَ فَتُخَدَعُ
وَلَكِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذَرْبًا مِمَّنْ يَبْغُونَ

اور یہ خواب سنانے والے ؟

ایک جماعت نے وقتاً فوقتاً میرے پاس آکر اپنے خواب بیان کرنا شروع کر دیئے۔ یعنی ان کا مقصود یہ تھا کہ مجھے خوش کریں اور اپنی خیر خواہی و اخلاص ثابت کریں۔ کسی نے کہا آج ہم نے یہ دیکھا ہے۔ دوسرے نے کہا ہم نے وہ دیکھا ہے تبیرے نے کہا مجھے یہ نظر آیا اور چوتھے نے کہا تم پھر اسی اوج موج پر پہنچاؤ گے۔

ہر کسے در خلق خود شہیدار من

واندردن من بخت اسرار من

ان لوگوں نے یہ نہ سمجھا کہ اگرچہ خواب ممکن الحصول ہے۔ لیکن خواب

مومن صالح کا سچا ہوتا ہے، اس شخص کا نہیں جو تحصیل دنیا کے لیے خواب بناتا ہے۔ یہ لوگ غالباً شیطان کے مسخوین کے شکار ہیں کہ اس ذریعہ سے رسائی پیدا کر کے دوسرے کو دھوکا میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔ مستورات ایسی باتوں میں آکر خوش ہو جاتی ہیں۔

آدمی فرہ شود از راہِ گوشش
اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم و فہم عطا کیا ہے، وہ ایسے خوابوں کو
"اضغاثِ احلام" سمجھتے ہیں، نہ خوش ہوتے ہیں اور نہ خالی بدلیتے ہیں۔
جو غلامِ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم
نہ شہم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

منافقوں کا ایک گروہ:

جس طرح جاہل اہل عینیت نے، ہجوم کیا۔ اور اہل مال بالباطل کے ارادہ سے خطوطِ ریل اور دیگر اعمال وغیرہ میری طلب کے بغیر بلکہ ممانعت کے باوجود لکھ لکھ کر بھیجے، اسی طرح ایک جماعت نے درستی معاملہ کے لیے کارگزاری اور خیر سگالی کا منافقانہ طور پر اظہار شروع کر دیا تاکہ مال خود بردہ کر لیں۔ اور انہوں نے مجھے مدد ہا طرح کے منالطے دیئے۔ کیونکہ جب ایک آسودہ سال شخص کا حال خراب ہوتا ہے تو بہت سے خانہ خراب لوگ پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور واقعہ طلب لوگ رات دن اسی نانک جھانک میں رہتے ہیں کہ وساٹھ بن کر عداوت کی بنیاد کو مضبوط کریں۔ فریقین کو مصالحت سے دور رکھیں اور اس طرفی سے جتنا رزق حرام ملے اسے نوش جان کریں۔ اور سادہ لوح لوگ صہمتِ بد، کوزنک مساجین حرام خور، خدام اور نابکار اعزہ کی وجہ سے ان کے انواع و اقسام کے فساد کو

میں صلاح سمجھ کر ان کے انجار و انجھار کے پابند ہو جاتے ہیں:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۝

لیکن دانش مند اور عاقبت اندیش ان کے دامِ مکرو فریب میں نہیں آتے:

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَكْتُمُ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝

اللہ تعالیٰ کو جب کسی گھر کا ویران کرنا منظور ہوتا ہے، تو وہ گھر والوں کی عقل سلب کر لیتا ہے، ان پر حکمت کے دروازوں کو مسدود کر دیتا ہے، پھر ان سے وہی افعال و حرکات صادر ہوتے ہیں، جو بربادی و تباہ کاری کا موجب ہوتے ہیں: **رَبِّنَا كَيْفَ كَفَرُوا الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝**

ہوں کیوں نہ منحرف رہ درہم صواب سے
ٹیرھا لگا ہے قلمِ سر نوشت کو

اولاد کا معاملہ :

میری اولاد اگر چہ اپنا نئے نیاں کی بر نسبت غربت و عدمِ فساد کے ساتھ متصف ہے۔ لیکن انہیں علم و عمل اور تدبیرِ معاش کے ان مراتب سے بھی کچھ حصہ نہیں ملا جو انسان کو دنیا میں شرعاً، عرفاً اور عقلاً درکار ہوتے ہیں۔ اور نہ کسی طرح کی قدرت رکھتے ہیں کہ میرے ساتھ موافقت و رفاقت اور اعانت کر سکیں۔ میں اس حالتِ راہنہ میں بالکل تنہا ہوں اور جب تک زندہ ہوں، ان کی ضروریات کا بندوبست رکھتا ہوں۔ معلوم نہیں میرے بعد کیسے گزر بسر کریں گے۔ اس لیے کہ اس زمانہ میں دستور یہ ہے کہ لوگ جس کو معمولی سا بھی مرزہ الحال پاتے ہیں، ہزار حیلہ، نفاق اور تدبیر سے اس کے دوست بن کر بہت جلد اسے مفلس اور تھی دست بنا دیتے ہیں۔ اور وہ شخص اسراف و تبذیر کا انجام نہیں سوچتا۔ اور جب خدا نخواستہ

۳۳۱
۳۳۲
۳۳۳
۳۳۴
۳۳۵
۳۳۶
۳۳۷
۳۳۸
۳۳۹
۳۴۰
۳۴۱
۳۴۲
۳۴۳
۳۴۴
۳۴۵
۳۴۶
۳۴۷
۳۴۸
۳۴۹
۳۵۰
۳۵۱
۳۵۲
۳۵۳
۳۵۴
۳۵۵
۳۵۶
۳۵۷
۳۵۸
۳۵۹
۳۶۰
۳۶۱
۳۶۲
۳۶۳
۳۶۴
۳۶۵
۳۶۶
۳۶۷
۳۶۸
۳۶۹
۳۷۰
۳۷۱
۳۷۲
۳۷۳
۳۷۴
۳۷۵
۳۷۶
۳۷۷
۳۷۸
۳۷۹
۳۸۰
۳۸۱
۳۸۲
۳۸۳
۳۸۴
۳۸۵
۳۸۶
۳۸۷
۳۸۸
۳۸۹
۳۹۰
۳۹۱
۳۹۲
۳۹۳
۳۹۴
۳۹۵
۳۹۶
۳۹۷
۳۹۸
۳۹۹
۴۰۰

زمانہ کے حوادث اور آفات سر پہ آتے ہیں۔ اس وقت نام ہو کر آباؤ اجداد کی نصیحت کو یاد کرتا ہے۔ لیکن جب مال تباہ ہو جائے اور وقت ہاتھ نکل جائے تو ندامت کا کیا فائدہ ہے

صد حیف کہ ما پیرِ نود سالہ نبودیم
روزے کہ رسیدیم یا یام جوانی

یہ وہ وقت ہے کہ دین و آبرو کی حفاظت کے لیے اولاد کا نہ ہونا، اولاد کے ہونے سے بہتر ہے۔ لیکن مجبوری یہ ہے کہ انسان کے لیے تقدیر کے ساتھ جنگ کرنا اور کامیاب ہونا ممکن نہیں اور جو اولاد ناز و نعمت میں پرورش پاتی ہے، اسے عواقبِ امور کا کچھ تجربہ نہیں ہوتا۔ اور وہ معاملہ فہمی، کارگزاری اور مردم شناسی سے بہت دور ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے:

أَوْ مَنْ يُكْشِرُ فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي
النِّصَامِ كَقَبْرٍ سَمِينٍ ۝ لہ
کیا وہ جو زیور میں پردہ پوش پائے اور جھگڑے
میں بات واضح نہ کر سکے۔ اس کو خدا کی بیٹی
کہتے ہو!

پھر خدا نخواستہ ایسے ناعمین اور متنعین کو ذرا سی بھی تکلیف پہنچے تو اسے
پھاڑ برابر جانتے ہیں۔ اور استقلال چھوڑ کر مضطرب الحال ہو جاتے ہیں۔ اور
ہر شخص کو ظالم کہنے لگتے ہیں۔

ناز پروردہ چو نازبِ ستم عشقِ نداشت
یارِ رانام جفا پیشہ و بدکیش نہاد

مجھے اپنی اولاد میں سے دستر اور فرزندِ صغیر سے زیادہ محبت ہے کہ یہ
کسی قدر میری رضا جوئی میں رہتے ہیں۔ یہ بات ان کے لیے دونوں جہانوں
میں مفید ہے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا مندی و

ناراضگی والد کی رضامندی و ناراضگی میں ہے۔ اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے،

أَبَشْكُرِي وَوَالِدَيْكَ إِلَى
المَكِيدِ ۝ ۱۷

میرا شکوہ ادا کر ادا ہے والدین کا بھی۔ میری
طرف ہی پلٹتا ہے۔

پس یعقوب نے کہا تھا:

”كَلِمَاتٌ آتَتْهَا مِنَ الْأُمِّ حَتَّىٰ يَأْتِيَ
بِئِي أَبِي ۝ ۱۷

پس میں اس سرزمین سے ہرگز نہیں جاؤں گا
جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے۔

اوپر ترقی ہو جو حدیث صحیح مسلم کی نص کی روشنی میں تمام تابعین سے افضل
ہیں، اپنی والدہ کی خدمت کی وجہ سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے۔ سنت صحیحہ کی نص کے
مطابق ماں باپ مسلمان اولاد کے لیے جنت ہیں یا جہنم ۱۷

لیکن اس زمانہ میں لوگوں نے اس کے بالکل عکس کو عین سعادت سمجھ لیا ہے:
”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ ۝“

ہجرت کا خیال:

طلبِ رزق نے مجھے میرے وطنِ قدیم سے جدا کیا۔

فَا مَشَوْا فِي مَنَاكِبِهَا وَكَلَّمُوا بَنِي
بَنِي قَلْبِهَا وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رِزْقٍ عِنْدَ اللَّهِ

پس چلو پھرو تم اس (زمین) کی راہوں میں اور
اس خدا کے رزق میں سے کھاؤ؛

لے لقمان: ۱۴: ۱۷ یوسف: ۸۰: ۱۷ یعنی اولاد ماں باپ کی خدمت کے باعث یا تو جنت حاصل
کرتی ہے یا ان کی نافرمانی کے باعث جہنم رسید ہوتی ہے۔ ۱۷: ۱۵

لیکن مجبوری یہ ہے کہ انسان کو اپنی بود و باش میں کچھ اختیار نہیں ہے۔ اب داندہ کی قید (زنجیر) لوہے کی قید (زنجیر) سے بھی زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ اس شہر میں میری پاشکستگی کی بھی وجہ ہے۔ اس پودھوں صدی میں جملہ اہل دین کے لیے ایک یہ بھی آزمائش ہے کہ ان کے لیے عرب و عجم میں کوئی پراسن جائے ہجرت نہیں۔ ہجرت تو اسی لیے ہوتی ہے کہ اگر انسان اپنے ملک اور گھر میں اپنے دین کے شعائر علی الاعلان بجا نہ لاسکے تو کسی ایسے اسلامی ملک میں جا رہے جہاں بلا روک ٹوک اپنے دین پر قائم دائم رہ سکے۔ اور اس کا برملا اظہار کر سکے۔ اگ ہجرت میں یہ صفت نہ ہو بلکہ دوسری جگہ یہاں کی نسبت بھی زیادہ فتنہ و فساد پیش آئے تو اپنی جان یا اسلام پر رونے کے سوا اور کیا چارہ ہے۔

سیرا در ہوس آباد تمنا کر دیم
منزل یاس زہر را گہزر نزدیک ست

نہایت مجبوری و معذوری سے یہ قصد کیا تھا کہ اپنے قدیم شہر قنوج ہی میں طرح تو طن ڈال لی جائے۔ لیکن جب نعرہ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۵ھ کو عزیزی میر علی حسن خان نے اسے ملاحظہ کر کے ناپسند کیا تو چار و ناچار وہاں کے خیال کو دل سے دور کیا۔

وَمَا تَشَاؤُنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝

حاسدوں کی طرف سے کچھ اور تہمتیں؛

حاسدوں اور دشمنوں نے کبھی وضاحتِ نسب کی تہمت لگائی، کبھی اختیارِ حرفہ کی اور کبھی سابقہ فقر و مسکنت کی۔ لیکن میں سجدہ تعالیٰ ان سب عیوب سے پاک ہوں۔ اس لیے کہ میرے نسب میں بارہ ائمہ اہل بیت میں سے آٹھ

تو متصل آتے ہیں۔ اور وہ سب ساری امت کے پیشوا تھے۔ پھر مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے لے کر آٹھ دس پشت تک ولایت و علم کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر بعض آباؤ اجداد کے پاس بے پناہ ثروت و دولت تھی۔ میرے باپ کے زمانہ سے پھر علم کا شغل غالب آیا۔ چنانچہ اس امامت، ولایت، امارت اور علم کے سوا میرے خاندان میں کسی نے کوئی حرفہ اختیار نہیں کیا۔ اگرچہ میرا اعتقاد ہے کہ حرفہ سب سے افضل کمائی اور رزقِ حلال و طیب ہے۔ اکثر انبیاء، صلحاء اور علماء امت صاحبِ حرفہ گزرے ہیں۔ اور وہ اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے اور کتبِ عقائد میں لکھا ہے کہ:

”ہاتھ کی کمائی مستحب ہے اور اس کا منکر بدعتی ہے“

لیکن اس جگہ اعدائے ناممود کے عار کو دفع کرنا مقصود نہیں بلکہ امرواق کا اظہار مقصود ہے۔ فقر مجہر پر تیمی کی وجہ سے طاری ہوا تھا۔

”اَمْ كُنْتُمْ يَحِيْدًا يَتِيْمًا فَاذْيُوْا وَّوَحِيْدًا كَضَالًّا فَلَہٰی وَّوَحِيْدًا عَاۤیِلًا

خَاغَنِي لَہ

میں اس حالت میں سجدہ تعالیٰ رسولِ ممت اور صلحائے امت کا ہم صیغہ رہا۔ یہ کوئی عار و نار کی بات نہیں۔ ہماری ہستی آدم علیہ السلام سے لے کر اس دم تک ایک مشقتِ خاک ہے۔ آدم علیہ السلام عصیان کے سبب کمالِ فقر و مسکنت کے ساتھ جنت سے نکلے تھے۔ یہاں تک کہ بدن کے کپڑے بھی نہ رہے، وہ بھی اتر گئے۔ ستر کو پتوں سے چھپایا تھا۔ یہی حال ہماری ماں حوا کا تھا۔ اسی طرح سارے انبیاء و دروس نے بھی فقر کو اختیار کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعونِ لعین سے بھاگ کر چاہِ مدین پر آئے تو بالکل بھوکے، پیاسے اور محتاج تھے، انھوں نے فرمایا تھا:

الحی: ۱۰۲

رَبِّ إِيَّانَا أَنْزَلَتْ إِلَيْنَا مِنْ خَيْرٍ
فَقِيْرٍ ۝ ۱۷

یارب! میری طرف تو جو بھی بھلائی نازل کرے
میں اس کی طرف محتاج ہوں۔

اور ہمارے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمایا کرتے تھے،
اللَّهُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ آلِ مُحَمَّدٍ
اسے اللہ! آلِ محمد کے رزق کو قوت
قُوْتًا ۝ ۱۷ بنا دے؛

قوت مفدارِ کفاف کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی درست نہیں کہ
ہر فقیر خدا کا مقوت اور ہر غنی اس کا محبوب ہونا ہے بلکہ جسے اللہ دوست
رکھتا ہے اسے دنیا سے اس طرح بچاتا ہے، جیسے ہم بیمار کو کھانے پینے
سے بچاتے ہیں۔ (رواہ ابوسعید مرفوعاً)

بلکہ دنیا تو اہل اسلام و صلاح کی نسبت اہل کفر و فسق کو زیادہ ملتی ہے یہ
حالت لائقِ حقارت نہیں بلکہ قابلِ فخر ہے۔ اور حدیثِ عارث بن وہب میں
مرفوعاً آیا ہے؛

أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الْجَنَّةِ كُلِّ
ضَبْعَيْنِ مُسْتَضْعَفٍ كَوَأْسَمَوْ
عَلَى اللَّهِ لَا بَرَّةَ إِلَّا أُخْبِرُكُمْ
بِأَهْلِ النَّارِ كُلِّ عَقَلٍ جَوَّازٍ
مُسْتَكْبِرٍ ۝

کیا میں تمہیں خبر نہ دوں کہ اہل جنت کون ہیں!
ہر کمزور جو لوگوں میں کمزور سمجھا جاتا ہو۔ اگر اللہ
پر قسم اٹھائے تو وہ اسے پورا کرے۔ کیا
میں تمہیں آگ والوں کی خبر نہ دوں کہ وہ
کون ہیں! ہر سخت خور، اکھڑا اور شکبر!

(رواہ البخاری و مسلم)

اور حضرت ابوہریرہ رضی سے مرفوع روایت ہے؛

إِنَّهُ كَيَّا تِي الرَّجُلِ الْعَظِيمِ السَّمِيْنِ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يَزِيْرُ عِنْدَ اللَّهِ
قیامت کے دن ایک بہت بڑا اور موٹا
آدمی آئے گا۔ جس کا اللہ کے ہاں مچھر

کیا تھا۔ اس بات سے سارے اہل وطن واپس دکن واقف ہیں اور اب جو ٹیپو پر
 بسطِ رزق ہوا ہے تو یہ میری سعی و کوشش سے نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے
 فضل سے ہوا ہے۔ : جر میں حلال و حرام کی تمیز کے بغیر اکٹھا کیا ہے اور نہ میں
 اس فکر میں کبھی رہا کہ مال کو ہر طرح جمع کروں خواہ طاعت سے طے یا معصیت
 سے۔ میرے حاسدوں نے اپنی تمام فکر طلب مال میں ضائع کی اور حصولِ دولت
 و حکومت کے لیے کوئی گناہ نہ چھوڑا۔
 لَکِن قَدَّرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ۔



خاتمہ

اس مجالہ نافعہ میں جس قدر مہن و محن کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے معلوم کرنے سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ مہن کثیر ہیں اور مہن قلیل۔ اور اللہ تعالیٰ کی سنت اسی طرح جاری ہے کہ اس کی رحمت کو اس کے غضب پر سبقت و غلبہ حاصل ہے۔ مہن پر شکر بجالانا واجب ہے۔ لیکن کسے طاقت ہے کہ وہ کما حقہ شکر ادا کر سکے۔ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ

مہن بھی فی نفسہ اجود ثواب سے خالی نہیں۔ گو ہم اپنے تصورِ فہم سے ان معانی کا ادراک نہ کر سکیں جو مہن کے تطورات میں مخفی ہوتے ہیں۔ ہمیں مہن پر بھی صبر و شکر کرنا لازم ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَىٰ كُلِّ حَالٍ۔

اگر اللہ تعالیٰ اپنے ناچیز بندے سے خوش ہو جائے تو پھر سارے مہن عین مہن ہیں۔ اور اگر خدا نخواستہ ناراض ہو جائے تو اس دارِ فانی کے سارے مہن و نعم آخرت کے لیے فتن و نغم ہیں۔ اعتبار حسنِ خاتمہ و سوءِ خاتمہ کا ہے، ابتداء امر کا نہیں۔ لیکن خاتمہ، فاتحہ کے موافق ہوا کرتا ہے۔ اس لیے بعض اہل حق نے کہا ہے کہ سب لوگ انجام کار سے ڈرتے ہیں لیکن میں آغاز امر سے، اس لیے کہ یہ معلوم نہیں ہے کہ ازل میں قلم تقدیر نے کیا لکھا ہے، اگر خاتمہِ حسنی لکھا ہے تو زہے سعادت، ورنہ یہاں کی ساری طامعہ ضائع ہے۔ سخی اہل حقیقت، ساکا کیا کرتا ہے لیکن فضا و قدر غالب آتی ہے تو سنئے دتہ اہل ناکا سا سا کر کے موٹا ہے اور کوئی آدمی اہل ناکا سا سا کر

نوشتہ انزلِ سبقت کرتا ہے تو مرتے وقت بہشت والوں کا سلام کرتا ہے۔ اور بخش دیا جاتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس فریقِ ثانی میں سے کرے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنَّ الْعَبْدَ لَيَعْمَلُ عَمَلًا أَهْلُ النَّارِ
وَرَأَتْهَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَيَعْمَلُ
عَمَلًا أَهْلُ الْجَنَّةِ وَرَأَتْهُ مِنْ أَهْلِ
النَّارِ وَرَأَتْهَا الْأَعْمَالُ بِالْغَوَايِمِ.

اُدھی جنمیدوں کے سے کام کرتا ہے، حالانکہ
وہ جنتی ہوتا ہے اور بعض دفعہ جنتیوں کے
سے کام کرتا ہے، حالانکہ وہ جنتی ہوتا ہے
احمال کا انحصار خاتموں پر ہے؛

(متفق علیہ)

اس حدیث میں توجہ دلائی گئی ہے کہ ہمیشہ طاعتِ الہی کے کام کرنے چاہئیں اور معاصی سے بچتے رہنا چاہیئے۔ نیز عجب و فرح سے روکا گیا ہے۔ کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ انجام کیا ہونے والا ہے۔

حکمِ مستوری و مستی ہمہ بر خاتمتِ ست
کس ندانست کہ آخر بیچہ حالتِ گزرد

سید نے حاشیہ مشکوٰۃ میں کہا ہے:

وفيه انذلا يجوز الشهادة لاحد
بالجنة ولا بالنار.

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے لیے جنتی یا جہنمی ہونے کا حتمی فیصلہ کر دینا جائز نہیں!

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مرفوع روایت کے الفاظ یہ ہیں:

قَوْلُ اللَّهِ الَّذِي لَا إِلَهَ غَيْرُهُ إِنَّ أَحَدَكُمْ
لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّىٰ مَسَا
يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذَرَاةً فَتَسْتَوِي
عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ

اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں تم
میں ایک شخص جنتیوں جیسے کام کرتا رہتا ہے
حتیٰ کہ اس کے ہمد جنت کے درمیان ایک
باتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے اور کتابِ (تقدیر)

قِيَدَ خَلْقَهَا وَإِنَّ أَحَدًا كَرِهَ لِعَمَلٍ
يَعْمَلُ أَهْلَ النَّارِ حَتَّىٰ مَا يَكُونُ
بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلَّا ذِرَاعٌ مِّمَّسِقٌ عَلَيْهِ
الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ
قِيَدَ خَلْقَهَا۔

سبقت کرمان ہے اور وہ کوئی جہنمیوں کا کام کر کے داخل ہو جاتا ہے۔ اور تم میں سے ایک جہنمیوں کے سے کام کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ ایک ہاتھ کا ناصطرح جاتا ہے اور کتا سبقت کر جاتی ہے۔ اور وہ جنتیوں کا کام (متفق علیہ) کہ کے جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

یہ حدیث اس بات پر حجت ہے کہ جس بات کے ساتھ "کتاب محفوظ" سابق ہو چکی ہے، اس میں کچھ فرق نہیں پڑتا، اور جب تک موت عمل خیر اور ایمان صاف پر نہ آئے، ظاہر اعمال کا کچھ اعتبار نہیں۔ اس حدیث میں جس طرح صلحاء کے لیے زجر ہے۔ اسی طرح نافرمانوں کے لیے اس میں بشارت ہے۔ اس میں رجا و خوف اور مسئلہ قضا و قدر سب کچھ کا بیان ہے۔ اس حدیث سے زیادہ خوفناک حدیث ابن عمرو ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ کے ہاتھ میں دو کتابیں تھیں۔ فرمایا:

”تم جانتے ہو کہ یہ دونوں کتابیں کیا ہیں؟“

ہم نے کہا کہ:

”ہم تو نہیں جانتے؟“

آپ نے جو کتاب دلائیں ہاتھ میں تھیں اس کے متعلق فرمایا:

هَذَا كِتَابٌ تَوَنَّنَتْ عَلَيْهِ النَّبِيُّ فَيَسِّرُ
أَسْمَاءُ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَسْهَأُ أَهْلَ النَّارِ
وَقَبَّاهُمْ ثُمَّ أَجْمَلَ عَلَىٰ أَعْرَافِهِمْ فَلَا
يُرَادُ فِيهِمْ وَلَا يُنْقَصُ مِنْهُمْ أَبَدًا

”یہ اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں اپنی جنت کے نام ان کے آبار اور قبائش کے نام ہیں اور پھر ان کو سہل بنا دیا اور ان کا بیان ہے۔ پس اب کبھی بھی ان میں کمی بیشی نہ ہوگی۔“

پھر جو کتاب بائیں ہاتھ میں تھی، اس کے متعلق فرمایا:

هَذَا كِتَابٌ مِّنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ فَيَسِرُ
 اَسْمَاءُ اَهْلِ النَّارِ وَاَسْمَاءُ اَبَائِهِمْ
 وَقَبَائِلِهِمْ ثُمَّ اُجْمِلُ عَلَىٰ اٰخِرِهِمْ كَلِمًا
 يُّرَادُ فِيْهِمْ وَلَا يَنْقُصُ مِنْهُمْ اَبَدًا
 یہ اللہ کی طرف سے ایک کتاب ہے جس میں ہر
 دوزخ کے نام، ان کے آباء اور قبائل کے نام
 ہیں۔ پھر آخر میں ان کا بالاجمال بیان ہے جس
 کو کبھی بھی ان میں کمی بیشی نہ ہوگی۔

آخر میں صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سن کر عرض کی کہ جب جنتی و جہنمی مقرر ہو چکے اور ان
 میں کمی بیشی بھی نہ ہوگی تو پھر عمل کرنا کس لیے ہے۔ اس سے گویا فراغت مل گئی؟
 آپ نے فرمایا:

سَدِّدُوا وَقَارِبُوا قُرَانَ صَاحِبِ الْجَنَّةِ
 يُخْتَمُ لَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَاِنْ عَمِلَ
 اَنَّى عَمِلَ قُرَانَ صَاحِبِ النَّارِ يُخْتَمُ لَهُ
 بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ وَاِنْ عَمِلَ اَنَّى عَمِلَ -
 سیدھے راہ حق پر چلتے رہو، جنتی کا خاتمہ
 عمل جنت پر اور دوزخی کا خاتمہ عمل دوزخ
 پر ہوتا ہے۔ خواہ وہ کوئی کام کریں۔

پھر ہاتھ سے اشارہ کہہ کے ان دونوں کتابوں کو پھینک دیا اور فرمایا:

قَدْ عَزَّ رَبُّكُمْ مِنَ الْعِبَادِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ
 وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ
 تمہارا رب بندوں سے تارخ ہو چکا ہے
 ایک فریق جنت میں اور ایک فریق جہنم میں
 جائے گا۔ (رواہ الترمذی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ كُتِبَ
 مَقْعَدُهُ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُهُ مِنَ الْجَنَّةِ
 كَمَا هُمْ اِنْتِظَرُ
 قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ اَفَلَا تَنْتَكِلُ عَلٰى
 كِتَابِنَا وَتَدْعُمُ الْعَمَلُ قَالَ اَعْمَلُوا
 تم میں سے ہر ایک کی جہنم یا جنت کی جگہ کو لکھ
 دیا گیا ہے۔ صحابہ نے کہا اے اللہ کے رسول!
 کیا ہم اپنے نوشتہ پر اعتماد کر کے عمل کو چھوڑ
 نہ دیں؟ آپ نے فرمایا عمل کرو کیونکہ ہر آدمی

تَكَفُرًا مَّيْسَرًا لِّمَا خَلِقَ لَهُ أَتَمَّ مَنْ كَانَ مِنَ
 مِنْ أَهْلِ السَّعَادَةِ نَسِيئًا يَمْعَلُ بِأَمْرِهِ
 وَأَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ أَهْلِ الشَّقَاوَةِ
 فَسَيِّئًا يَمْعَلُ الشَّقَاوَةَ ثُمَّ كَرَّأً
 فَأَمَّا مَنْ أَعْطِيَ وَاقْفَى وَصَدَّقَ بِالْحَسَنِ
 فَسَيِّئًا لِلْيُسْرَى وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ
 وَاسْتَعْفَى وَكَذَّابٌ بِالْحَسَنِ فَسَيِّئًا
 لِلْيُسْرَى لَهُ

کو دوسی عمل کے لیے توفیق ملے گا جس کے لیے
 اسے پیدا کیا گیا ہے اور اس سعادت میں سے ہے تو
 عمل سعادت کی توفیق اور اگر اہل شقاوت میں
 سے ہے تو عمل شقاوت کی توفیق دی جائے گی۔
 پھر آپ نے ان آیات کی تلاوت فرمائی پس جس
 نے درودِ خدا میں مال دیا اور پرہیزگاری کی اور
 نیک بات کی تصدیق کی پس ہم اسکو آسانی (کی راہ)
 کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پڑائی
 کی اور نیک بات کو جھٹلایا پس ہم اسکو تنگی (کی راہ) کی
 توفیق دیں گے۔

(متفق علیہ)

معلوم ہوا کہ نفس اعمال کو نجات و ہلاکت میں کچھ دخل نہیں ہے۔ لیکن اعمال

انجام کی علامت ضرور ہیں و

«إِنْ خَيْرًا فَخَيْرًا وَإِلَّا شَرًّا أَكْثَرًا»

یہ حدیث جس طرح ڈرنے والی ہے اسی طرح خوشخبری دینے والی بھی ہے

ہمیں چاہیے کہ اپنی حالتِ حسنیٰ پر بے خوف نہ ہوں اور کثرتِ معاصی سے مایوس

نہ ہوں۔ ہمیں حکم ہے کہ طاعات پر مواظبت کریں اور گناہوں سے بچیں۔ لہذا

ہم پر ہر دم اس امر کی بجا آوری میں لگے رہنا اور ہر دم اللہ تعالیٰ سے جنت کا

سوال کرتے رہنا اور جہنم سے پناہ مانگتے رہنا واجب ہے۔ مقدر میں جو کچھ لکھا گیا

ہے اور ضرور ہوگا۔ ہماری طلب سے نہ جنت ملے اور نہ جہنم سے بچ سکیں۔

اے اللہ! اگر تو نے میرا نام اشتقیار کے زمرہ میں لکھا ہے تو میں تجھ سے سوال

کرتا ہوں کہ میرا نام ہلاک ہونے والوں کے دیوان سے خارج فرما کر دیوانِ سعادت

۱۰۲۵
 ۳۱

میں لکھ دے۔ یا یہ! تیرا یہ بندہ اب حالتِ اسلام میں بوڑھا ہو گیا ہے، قابِلِ رحم و کرم ہے، تجھ سے منظرِ مانگتا ہے، اس بڑھاپے کی شرم تیرے ہاتھ میں ہے۔

رسیت کہ مالکانی تحریر
 آزاد کنندہ بندہ پیر
 إِنَّ الْمَلُوكَ إِذَا شَبَّتْ عِبِيدَهُمْ
 فِي رِقْلِهِمْ أَعْتَقُوهُمْ حَتَّىٰ أَنْزَلَهُ
 وَأَنْتَ يَا سَيِّدِي أَوْلَىٰ بِدَاكِرْمَا
 قَدْ شَبَّتَ فِي الرِّقِّ فَاَعْتَقِنِي اللَّهُ

مجھے اس بات کا بڑا ڈر ہے کہ اپنی کتابِ سابق (فوشستہ تقدیر) کا علم نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابو عبد اللہ رضی نامی تھے۔ لوگ ان کے پاس عیادت کو آئے تو وہ رو رہے تھے۔ پوچھا گیا کہ تم روتے کیوں ہو؟ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے یہ بات نہیں کہی تھی کہ

تَخَذَنَّ مِنْ شَارِبِكَ نَفْسًا أَحَدَةً حَتَّىٰ
 تَلْقَانِي ۚ
 اپنی سو نچھوں کو کٹواؤ اور پھر اس پر میری ملاقات تک قائم رہنا۔

انہوں نے کہا ہاں حضورؐ نے یہ فرمایا تھا۔ لیکن میں نے آپ کو یہ بھی ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

إِنَّ اللَّهَ قَبَضَ بِمِيتَتِهِمْ قَبْضَةً وَأَخْرَىٰ
 بِالنَّيِّبِ الْأَخْرَىٰ وَقَالَ هَذِهِ لِهِنَّ ۚ وَ
 هَذِهِ لِهِنَّ ۚ وَكَأَبَانِي ۚ

(رواہ احمد)

اس بات کی کوئی پروا نہیں۔ اللہ میں نہیں جانتا کہ میں کس مسطحی میں ہوں۔ یعنی جنت والوں کی مسطحی میں ہوں یا کہ جہنم والوں کی مسطحی میں؟

جب صحابہ کو یہ خوف تھا اور وہ بشارتِ نبوی کے باوجود اس قدر لرزناؤ و ترساؤ تھے۔ تو مجھے تو خواب یا بیداری میں کسی طرف سے بشارت بھی نہیں ملی اور

اگر ملتی بھی تو کب لائقِ اطمینان بنتی جب تک کہ دنیا میں کامل ایمان پر خاتمہ نہ ہو۔
مالک بن دینارؒ سے ایک شخص نے کہا کہ:
”میں نے تمہیں جنت میں خواب دیکھا“
فرمانے لگے کہ:

”کیا شیطان کو میرے اور تیرے سوا کوئی اور نہ ملا جس سے وہ
سخر اپن کرنا؟“

یہی مثال میری ہے بلکہ میں نے غلط کہا۔ اس لیے کہ مالکؒ نے انکار ازراہ
تواضع کیا تھا اور کیا عجب کہ صاحبِ خواب سچا ہو۔ بلکہ یہی بات یقینی ہے کیونکہ
از خود خواب بنانا گناہِ کبیرہ ہے اور اس وقت کے لوگ اہلِ تقویٰ ہوتے تھے۔
لیکن میرا حال و حال و فعال اس کے خلاف ہے کہ یہ سب اہلِ نار اور منکرینِ یوم
الحساب کے سے اعمال ہیں۔ اور میرے بارے میں تو کسی نے بھی کوئی خوابِ صادق
نہیں دیکھا۔ اور اگر دیکھا بھی ہوتا تو میں اسے دیکھنے والے کے حال پر معمول کرتا۔ واللہ!
باللہ! اگر اللہ نے یاس و کفر نہ فرمایا ہوتا تو میں بالکل مایوس ہو چکا تھا۔ کیونکہ عمل کچھ
نہیں اور مغفرت کی امید بلکہ یقین ہے۔ اس سے زیادہ اور کیا غور و دھوکا ہو گا کہ
گناہ تو اتنے ہیں کہ زمین سے آسمان تک اور شرق سے غرب تک میرے معاصی سے
بھر جائے، طاعت کو دیکھو تو بجز زبان سے کلمہ کہنے کے کسی فعل کی قول سے تصدیق
نہیں ہوتی۔ یہ اگر نفاق جلی نہیں تو پھر کیا ہے؟ اللہ ہی رحم فرمائے، مرنے سے پہلے
عمل خیر کی توفیق بخشنے اور کتابِ سابق میں اگر نجات لکھی گئی ہے تو کچھ ٹھکانا ہے۔
ورنہ اپنے حال نے تو بالکل ناامید کر رکھا ہے۔ اب جو عمر فانی پنجاہ سال سے

لے سابق میں یہی واقعہ بشرحاتی کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

متجاوز ہو رہی ہے تو ہر دم ایمان کا خوف لگا ہوا ہے، ہمارے سلف چالیس سال کے بعد اشغال دنیا سے کنارہ کش ہو جاتے تھے، اور ہماری شامتِ اعمال کو دیکھو کہ ابھی تک نرک و تجرید کی توفیق نہیں پائی۔

دمِ اخیر ہے اسے داعِ توبہ کہ توبہ

کہ رو سیاہ ابھی اختیار باقی ہے

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ مِنْ ذُنُوبِي كُلِّهَا عَلِمْتُهَا أَوْ كُنْتُ أَعْلَمُهَا
إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ۔

مجھے اس رسالہ کے لکھنے کی ضرورت تو نہ تھی۔ لیکن جب میں نے علامہ شمرانیؒ کی کتاب ”مننِ کبریٰ“ کو دیکھا کہ اس میں انہوں نے اپنے منن اور قدسے منن لکھے ہیں تو مجھے خیال آیا کہ میں بھی اپنے کچھ منن و منن لکھوں اور اس بہانہ سے اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس کا کچھ اظہار کروں، اگرچہ نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احسانات و انعامات مجھ پر بے حساب ہیں۔ اگر ساری عمر ایک سجدہ میں گزار جائے تو ایک نعمت کا شکر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔ پھر منن و احسانات بے پایاں کس طرح ضبط و بیان میں آسکتے ہیں۔

رَبِّ آوِزْ عَنِّي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَتِي وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ۝

خصوصاً میرے جیسا انسان جس کے گناہ بہت ہوں وہ اگر اللہ تعالیٰ کا کچھ ڈر رکھتا ہو تو نہایت شرم کی وجہ سے اس کی زبان رب تعالیٰ کے سامنے جاری نہیں ہو سکتی۔

أَحِبِّ مَنَاجَاةَ الْحَبِيبِ يَا ذُجَيْهَ
وَالَكِنَّ لِسَانَ الْمُنْذِرِينَ كَكَلِيلِ

میں چاہتا تھا کہ اس رسالہ میں کلام کو ذرا طول دوں اور دل کھول کر اللہ سے دعائیں مانگوں۔ لیکن اپنے قلب و قالب کے معاصی پر نظر کی وجہ سے دعا مانگتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ اور ترکِ دعا میں اس بات کا خوف ہے کہ اللہ کی تدبیر سے بے خوف رہنے والوں میں میرا شمار نہ ہو جائے۔ اس لیے چاروں اچار سوال اور دعا کرنا ہی راجح نظر آیا ہے

میں سرگشتہ کجا دمی و مے خانہ کجا

نواہشِ مغفرتِ دوست گنہگارم کرد

اللہ نے اپنی رحمت سے اہل کفر و شرک کی ایک بہت بڑی تعداد کو توبہ نصیب کر کے ان کی مغفرت فرمائی۔ میں اگر عاصی ہوں اور میرا عصیان حدِ شرک و کفر تک بھی پہنچا ہوں (فَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ عَصَبِ اللّٰهِ) تو بھی میں اپنے الٰہ العالمین، رب السموات والارضین سے ناامید نہیں ہوں۔ بلکہ بھی دعا کرتا ہوں کہ مجھے موت سے پہلے صدقِ دل سے توبہ و انابت کی توفیق مرحمت فرمائے اور میرا خاتمہ اسلام ایمان اور احسان پر فرمائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَيْكَ يَعْزِيزُ!

ہاں وہ اور لوگ تھے یا ہیں جن کو اس نے مرتبہٴ فوز بخشا ہے۔ میں اسی کو غنیمتِ کبریٰ جانتا ہوں کہ:

مَنْ كَلَّمَ الْمُؤْمِنَ إِلَّا وَآتَمَّ مَسْلُومًا

کے مصداق ہو جاؤں۔ رفیع درجیات کجا، حصولِ معارف و مقامات کجا ہے

عَلَى آتَمِّ رَاضٍ بِأَتْ أَحْمَلُ الْهَوَى

وَآخِاصٍ مِنْهُ لَا عَلَيَّ وَلَا لِيَا

ساعتِ کبریٰ کی شرطوں کے طلوع نے یہ حال کر رکھا ہے کہ اگر صبح کو ایمان ہوتا ہے تو شام کو کفر، شام کو ایمان ہوتا ہے تو صبح کفر۔ حضرت ابوہریرہ

سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بَادِرُوا بِالْأَعْمَالِ فَنَكُنَّا كَقِطْعِ الْكَبْكَبِ
 ان فتنوں سے پہلے پہلے (نیک) اعمال کرو
 الْمَظْلَمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَ
 بوشبِ سبیاہ کے ٹکڑوں کی طرح ہوں گے
 يُسْعَى كَانِرًا وَيَسْبَى مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ
 کہ آدمی صبح مومن ہے تو شام کو کافر، شام کو
 مُؤْمِنًا وَيُصْبِحُ كَافِرًا وَيُغْرَضُ مِنَ
 مومن ہے تو صبح کافر، اپنے دین کو دنیا کے
 الدُّنْيَا -
 حقیر سے سامان کے عوض بیچ دے گا۔

(رواہ مسلم)

فتنوں کے ایسے طوفان میں کہ ہر طرف شیطانی لشکروں کا غلبہ ہے، اللہ کے سوا کوئی نہیں سچا سکتا۔ یہ تو وہ وقت ہے کہ اگر کسی مسلمان کا ایماننداری اور تقویٰ شعاری کا ارادہ ہو تو اس کا کوئی مددگار نہیں بلکہ سب اس کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ اعوان و انصار کا یہ خذلان و فقدان، ایمان و اسلام کی مزید تباہی کا باعث ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَحْفَظْنَا!

میں اپنا یا اپنی اولاد کا کچھ بھی بھلا نہیں کر سکتا۔ جس طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرتا ہوا کہتا ہوں:

”اَفْوِضْ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ“

اسی طرح اس بیبرانہ سالی میں کہ پیغام مرگ و مہدم چلا آ رہا ہے، اپنی اولاد و احفاد کو بھی خالق و رزاق کے سپرد کرتا ہوں۔ اگر رحمن کے مطیع رہیں گے تو دونوں جہان میں بہتری و بھلائی پائیں گے،

”وَهُوَ يَتَوَكَّلُ الصَّالِحِينَ“

اگر خدا نخواستہ نافرمان و ناسلک سے ہوں گے تو وہی سال ہو گا جو سارے

ہا لکین کا ہونا ہے:

«وَلَكِنَّ كَفَرَ تَعْمَانًا عَدَايِي لَشَدِيدًا ۝»

ہر انسان کا رزق زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر ہے:

«وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۝»

جب اس پر انہیں یقین کامل ہوگا تو وہ اللہ کے سوا کسی سے کچھ سوال نہ کریں گے۔ اور دنیا کے لیے ذلت کے تحمل نہیں ہوں گے۔ بلکہ غنا کی بجائے عورت دو قار کے ساتھ فقر کو اختیار کریں گے اور اہل دہل دریاست کے قرب و قرابت سے ایسے بھاگیں گے جیسے کوئی غضبناک شیر سے بھاگتا ہے۔ صاحب اولاد، امیر یا غریب بیوہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی اجتناب کریں گے۔ کیونکہ اس زمانہ فاسد و عصر کا سد میں اس کے مفاسد حساب سے باہر ہیں۔ اور نکاح کو عذاب الیم اور عقاب وائم میں جینا مڑنا پڑتا ہے۔

داہم تر از گنج مقصود نشان

گرمانر سیدیم تو باری برسی

اگر ایسا نہ کریں گے تو وہ جانیں اور ان کا کام جانے، مجھ سے جو بنا اور اللہ نے بنایا، راحت دنیا اور فضیلت عقیلی کے اسباب ان کے لیے جمع کر دیئے ہیں۔ بشرطیکہ اسراف نہ کریں اور قبیل پر قناعت کریں، دنیا و اہل دنیا کو دیکھیں اور پوچھ سچیں، اور آخرت پر اسے ترجیح نہ دیں:

«الْأَمْثَالُ خَادِمَةٌ وَدَائِمَةٌ ۝»

دنیا فضائل سے نہیں بلکہ وسائل سے ملتی ہے، اور محتاج آدمی سب کی نظر میں حقیر و ذلیل ہوتا ہے گو کتنا ہی فضل و کمال کیوں نہ رکھتا ہو۔

نَصَاحَةُ سَعْيَانَ وَخَطَأُ ابْنِ مَقْلَةٍ
وَحِكْمَةُ لَقْمَانَ وَرَهْدُ بَنِي آدَمَ
إِذَا اجْتَمَعَتْ فِي الْمَرْءِ وَالْمَرْءُ مَقْلَسٌ
فَلَيْسَ لَهُ قَدْرٌ عَلَى وَرَثَتِهِمْ

عَدَّصْتُ عَلَى الْخَبَائِنِ نَحْوَ الْمَبْرُودِ
وَدُعُوياً ابْنَ سَيْدِيْنَ وَحَطَّابِ بْنِ مَقْلَبَةٍ
وَكُتْبًا حَسَنًا لِلْغَيْلِ بْنِ أَحْمَدَ
وَتَوْحِيدًا جَهْمَانَ وَنِقْمَةَ مُحَمَّدًا
يَعْنَةُ لَحْمِ بْنِ الْقَرِيظِ بْنِ مَعْبَدٍ
سَوِي دِرْهَمًا نَاوَلْتُهُ كَانَ فِي يَدِ

اہل اللہ کبھی غنا کو اختیار کرتے بھی ہیں تو اس لیے کہ اللہ کے دشمنوں کی نظروں میں معزز و مکرم رہیں اور کسی کے محتاج نہ ہوں، حبت مال و جاہ کے لیے اختیار نہیں کرتے۔ اس زمانہ میں صاحب عیال سے تو ہرگز فقر بردھبر نہیں ہو سکتا بلکہ بحکم:

«كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَكُونَ كُفْرًا»

ایمان و ایقان کے زوال کی نوبت آجاتی ہے۔ اس لیے ہر عاقل کے لیے لازمی ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بچ کر میانہ روی اختیار کر لے۔

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ
كَوْنًا!

طلبِ معاش میں اجمال و اجابہ ہے، جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ دنیا میں با ابر و رہنما ہے اور آخرت میں بھی ان شارا اللہ منافقہ و حساب سے بری ہو جائے گا۔ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا، اب طولِ تقریر کا نہیں بلکہ مختصم تحریر کا وقت ہے۔ میری دعا اس جگہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ:

«اللَّهُمَّ احْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الْأُمُورِ كُلِّهَا وَاجْعَلْنَا مِنْ خَيْرِ
الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْآخِرَةِ؟»

اور دوسری دعا یہ ہے:

«رَبِّ أَنْتَ رَبِّي فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ كَوْنِي مُسْلِمًا وَ

وَالْحَقِيقِي يَا صَاحِبِ حَيْثُ ؟ ۱۷

یہ دعائیں اس لیے کہ مجھے معلوم ہے کہ حسن عاقبت، نعمت عاقبت اور وفات علی الاسلام سے بڑھ کر دنیا و دین کی کوئی نعمت نہیں:

۱۷ كَمَنْ رُحِزَمَ مِنَ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۱۷

یہ رسالہ ذوالحجہ ۱۳۹۲ھ کے آخر میں نیم روز کے قریب تشنت پال و

تفرق خیال میں ایک عشرہ میں ختم ہوا۔ تاریخ ختم بمادہ سالم یہ آیت شریف ہے:

۱۸ قَرَأْنُ تَعْدُوْا زِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُخْصَمُوْهَا ۱۸

۱۸ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ خَيْرَ عَمْرِيْ اٰخِرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَاٰخِرًا !



۳۱۷

حصہ دوم



اضافات و ملحقات

مرتبہ

حافظ صلاح الدین یوسف



ذوقِ مطالعہ

ترجمہ اقتباس از سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند
تالیف والاچاہ نواب صدیق حسن خاں

(صفحات ۶۲ تا ۶۶)

فصل ششم؛

یہ فصل ان کتب کی فہرست کے سلسلے میں ہے جن میں سے کچھ کتابیں ان سطور کے راقم نے اپنے لیے منتخب کر لی تھیں اور باقی تمام مدرسہ ریاست بھوبال میں داخل کر دی گئیں۔

امام الزرکشیؒ نے اپنی کتاب "الاصطلاح علی ابن الصلاح" میں لکھا ہے کہ "الفہرست" اس پر زبر اس کے ساتھ تائے تانیث لگا کر ہا پر وقف صحیح ہے۔ جیسا کہ ابن جنی نے تشقیف اللسان میں کہا ہے۔ فہرست۔ س ساکن اور تا اصل۔ اس کا لغوی معنی ہے جملہ اعداد (یعنی پورا شمار) یہ لفظ فارسی ہے اور عوام میں کتابوں کی فہرست کے لیے مستعمل ہے۔ الفہرست شمار (گفتی) کے لیے اسم ہے الفہرست مصدر ہے (یعنی شمار

کرنا فرست لکھنا)

میں نے یہ جو کہا ہے وہ میں نے شیخ الاسلام و مفتی الانام سلیمان بن عبدالرحمن مقبول الابدل رحمہ اللہ تعالیٰ کا لکھا ہوا پایا ہے۔ اور صراح کے ضمیمہ میں ہے کہ الفہرس۔ زیر کے ساتھ۔ ایسی کتاب جس میں بہت سی کتابوں کی (تفصیل) جمع کی جائے۔ یہ فرست کا معرب ہے۔ اور ایسا ہی القاموس میں ہے۔

یہ تمام کتابیں اور رسالے جو اس فصل میں لکھے گئے ہیں۔ ان تمام کتابوں میں سے ہیں جو میری دسترس میں تھے۔ اور وہ عقلیات و حکمتِ اوائل کی کتابیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کا علم ہے۔ میں نے ایک طویل عرصہ سے الگ کر دی تھیں۔ کیونکہ

و الصباح یغنی عن المصباح؟

طلوع صبح چراغ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

جز شرعہ سنت نرود جانب جنت

زائر کجگار اٹے برواہل جہاں را

(زائر اللہ آبادی)

ان تینوں زبانوں کی کتابوں میں سے علم تفسیر و حدیث و فقہ سنت مطرہ اور وہ سب جو آلات و معدلات کی قسم سے ہیں۔ میرے نزدیک سب سے بڑھ کر پسندیدہ ہیں۔ اور ان کی حفاظت و نگرانی میں پورا پورا اہتمام کرتا ہوں۔ کیونکہ

زائر ازاں بگوش کشد کایں حدیث دین

اے سیدِ رسول گہر کاں لعلِ نست!

ناترا اس لیے ان کو عمدہ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اسے مستید المرسلین
یہ دین کی باتیں تیرے لعل و جواہر کی کان کے موقی ہیں۔
نیز عربی، فارسی، ادب کی کتابیں اور بعض عربی، عجمی شاعری کے
دیوان اس لیے باقی رکھے گئے ہیں کہ وہ میرے نزدیک چھوٹے لوگوں کی
تعلیم کے لیے ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں کیونکہ ایک طویل عرصہ پہلے ہی
ان سے اپنا شوق پورا کر چکا ہوں۔ اور اب ان کی حاجت باقی نہیں رہی۔
جو اردو ریختہ کی بہت سی کتابیں ہیں۔ وہ زیادہ تر وہی کتابوں کے تراجم جو
عورتوں کی تدریس اور ان کی تہذیب عقائد و اعمال کے لیے رکھی گئی ہیں
اس کے سوا کوئی بات نہیں۔

مَا لَنَا الْأَعْمَالُ بِالنِّبَاتِ وَأَنَا لَيْلِي الْأُمْرِي مَنَا كَوْنِي؟

ان میں سے بہت ہی کم وہ کتابیں ہوں گی جو بعض اصحاب و اکابر کے
تذکار کے لیے محفوظ رکھی گئی ہیں۔ مزید برآں اس میں ایسی کوئی بات نہیں
جو ہمارے مقصود کے مخالف ہو بلکہ اس کا وجود میرے نزدیک عدم جیسا
ہے اور اس کا عدم وجود کی طرح۔ اور یہ تمام چھوٹی بڑی کتابیں جن کا ذکر زبان
قلم پر آیا اور ان کا نام بھی لیا گیا ہے اور اس مقالے کی تحریر کے وقت
میرے کتاب خانہ میں رونق افروز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سب
میرے مطالعہ میں آچکی ہیں۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَسْأَلُكَ اَنْ تَجْعَلَ لِيْ
كُلَّ نَفْسٍ مِّنْ عَمَلٍ مِّنْ عَمَلٍ اَوْ لِقَاءٍ مِّنْ لِقَاءٍ اَوْ لِقَاءٍ مِّنْ لِقَاءٍ اَوْ لِقَاءٍ مِّنْ لِقَاءٍ
ان کا ضبط شمار سے باہر ہے۔

ایسی کوئی کتاب نہیں جو تالیف ہوئی یا طبع ہوئی یا عرب و عجم کے
شہروں میں دستیاب ہوئی اور میرے مطالعہ میں نہ آئی ہو۔ اگرچہ میں اسے

اپنے پاس نہ رکھ سکا ہوں گا۔ چونکہ کسی چیز کا علم اس سے لاعلمی سے بہتر ہے۔ اگرچہ علم کا پسندیدہ حصہ صحائف دین کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔ اس لیے ابھی علم حدیث و تفسیر اور ان سے متعلقہ کتابوں کی آمد آمد ہے۔ اور ائمہ سلف کی تالیفات کی جستجو باقی ہے۔ ان کی خرید میں زبرد کثیر صرف کرنا پڑتا ہے۔ اور ایسی ایسی (چیزیں) تخلیق ہو رہی ہیں۔ جن کا تمہیں علم نہیں ہے۔

حدیث است جنس گراں مایہ زائر
تواں شد خریدار بانقد جانش

سفر کلکتہ:

اور اس مقالہ کی تالیف کے دوران اتفاق سے سات ذیقعدہ ۱۲۹۲ھ کو کلکتہ کا سفر پیش آ گیا۔ اس ماہ کی سولہ تاریخ کو وہاں پہنچا۔ اور ایک مہینہ وہاں ٹھہرا۔ مدرسہ عالیہ اور ولیم فورٹ سٹی (سوسائٹی) اور قدیم و جدید چھاپہ خانے اس امید پر بلا حفظ کئے کہ شاید وہی کتب میں سے کچھ کتابیں حاصل ہو سکیں گی۔ اس شہر کے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات بھی کی۔ خصوصاً ان لوگوں سے جن کو اہل علم کہا جاتا ہے۔ مگر ان میں سے کسی سے بھی علم اور دینداری کی بونہیں آئی۔ دنیا اور اس کا مال حاصل کرنے میں انہماک کے سوا کوئی اور چیز ان مالداروں اور تہی دستوں میں نظر نہ آئی۔

فَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى ذٰهَابِ الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ رَحِيْبُ الْاَفْذَلِ وَطَوَّلِ الْاَمَلِ۔

بہر حال بڑی تنگ و دوک کے بعد سن ۱۲۹۲ھ کا ایک ستمبر

صنعا کے پرانے خط میں، اور کتاب الاعلام الاعلام بفضائل بیت اللہ الحرام اور دو تین دوسری کتابیں ادب و لغت وغیرہ کی بیروت اور جرمنی وغیرہ کی چھپی ہوئی بعض اہل علم و فصیلت کے ہاں سے ملیں۔

ابن ہنم غنیمت است کہ عمرت دراز باد

اس شہر اور اہل شہر کا ملاحظہ بہت عبرت آموز رہا۔ نیز ان لوگوں کی وضع قطع حسرت کا باعث بنی۔ اس شہر کے تمام باشندے یعنی دو ہند اہل قلم، عمدیدار، تجارت پیشہ، مسجدوں کے صالحین، مقامات مقدسہ کے حاجی، مدارس کے علماء، دفاتر کے حکام، سرکاری ملازمین، عام خلقت در عایا، ماں کے حصول میں لگے ہوئے ہیں، خواہ وہ جیلے بہانے سے ہو، خواہ اصرار سے، خواہ ترک حیا سے ہو، خواہ غیر واقع حاجت نمائی سے ان کو اس کے حلال و حرام کی کوئی فکر نہیں۔ ماقبت کی باز پرس سے غافل ہیں۔ دولت حاصل کرنے میں پوری طرح ہشیار و چالاک، دین و ملت سے بے پروا، برطانیہ کے معززین کی تقریبات میں شوق سے شرکت کرنا، عورتوں مردوں کا اختلاط، محض اسلام کے نام پر قناعت، حکام کی سیرت کی نقای وغیرہ وغیرہ مہالایلام ملة الاسلام ان کا شعار ہو چکا ہے۔

سوائے اس کے جسے اللہ نے محفوظ رکھا۔

ان کا ظاہری حال اس بات کا شاہد ہے کہ غھوڑے ہی عرصہ میں دین کا نام اور لفظ بھی ان کے لیے ننگ و عار کا باعث ہو گا، اور وہ اسلام کی غلامی کا پٹہ مکدم اپنی گردن سے اتار چھینکیں گے۔ یہ لمبی لمبی چار دیواریاں، یہ مکانات کی آرائش، بزمین کی تحسین اور زمانے کی رنگارنگی اور دیگر نشانیاں قیامت کے آثار و علامات ہی کسی جاسکتی ہیں،

کیونکہ یہ تمام لوگوں اور بڑے آدمیوں کا مقصد حیات اور ہر چھوٹے بڑے انسان کی ضروریات بن گئی ہیں۔ ہاں سے
ہم اندر زمین بتو این است!
کہ تو طفلی و خانہ رنگین است!

بنارس

جب کلکتہ سے واپسی سفر میں شہر بنارس پر گزر ہوا تو اس بنا پر کہ یہ شہر بت پرستوں کی قدیم عبادت گاہوں کا شہر ہے۔ یہاں بڑے بڑے عجائب دیکھنے میں آئے، ان سب میں سے ایک یہ ہے کہ ہم ایک دن شہر کی جامع مسجد دیکھنے کو سوار ہوئے۔ یہ مسجد اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ایک بت خانے کو توڑ کر تعمیر کی گئی تھی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ صحن مسجد کبوتروں اور دیگر پرندوں کی بیڑوں سے اس طرح بھر رہا ہے جیسے انگریزی پولیس کے بم بڑے ہوں۔ محراب مسجد کے قریب جہاں امام کے کھڑا ہونے کی جگہ ہے ایک پتھر پر یہ جملات لکھ کر آرائش کر رکھی ہے:

در سلطنت شاہ عالم بادشاہ بامداد امیر الملک عماد الدولہ

گورنر جنرل مسٹر ہشنگ صاحب بہادر جلالت جنگ سندھ

یک ہزار و یک صد و نوادو بہشت (۱۱۹۸) ہجری نصیر الدولہ

علی ابراہیم خاں بہادر حاکم شہر بنارس ترمیم نمود

سبحان اللہ۔ اس سے پہلے ایسی مقدس جگہوں اور عبادت کے

مقامات پر آیات قرآنی و احادیث ربانی لکھی جاتی تھیں۔ اب ان کی جگہ مسٹر ہشنگ صاحب بہادر اور اس قسم کی عبارتیں مسجدوں کے طاقوں پر

سجائی جا رہی ہیں، تاکہ نمازیوں کے قیام و سجد کے قریب قبلہ کی بجائے
یہ چیزیں سامنے رہیں۔

مدفلیک علی الاسلام من کان بائینا۔
(جس کو رونا ہے وہ اسلام پر رو لے۔)

کانپور:

بنارس کے بعد کانپور میں آئے۔ یہاں بھی مسجد جدید جامع اور مدرسہ
فیض عام انجمن اسلام کو دیکھا۔ شہر کے بعض دوستوں سے ملاقات کی یہاں
کے لوگ معزز تجارت پیشہ ہیں۔ جو دوسرے مقامات کی نسبت غنیمت
ہیں کہ حفظِ اسلام کی ہمت رکھتے ہیں، اور محوِ طراہت دینیات کے لکھاب
کرتے ہیں۔ یہاں اپنی پسند کے مطابق کتابیں نہ مل سکیں۔ اگرچہ مطبع نظامی
سے عربی، فارسی کی کتابیں مدرسۃ العلوم ریاست بھوپال کے لیے کافی
مقدار میں حاصل کیں۔ سنن دارمی کے اوراق بھی ملاحظہ کئے جو ریاست
دام اقبالہا کی اعانت سے طبع ہو رہی ہے۔

سنن نسائی جو صنعا کے نسخہ کے مطابق ہے اور بہت صحیح ہے
اس کی طباعت کی بھی اجازت دی گئی۔ وہاں سے روانہ ہو کر جہلی پور پہنچے
یہاں کوئی قابل ذکر مدرسہ اور کوئی نامور عالم موجود نہیں ہے۔ دو تین دن
شہر کی سیر کی اور پھر گیارہ محرم ۱۲۹۳ھ (مارچ ۱۸۷۶ء) مترجم کو بھوپال
کے لیے رخت سفر باندھا۔ اور (یہاں پہنچ کر) سفر کی تکالیف سے نجات
پائی۔ یہ تمام مسافرت دو ماہ چار دن کی تھی جو ریل پر تمام ہوئی۔

بھوپال کی ثقافتی حیثیت:

الحمد للہ تعالیٰ کہ آج بھوپال ملک ہندوستان میں خطہ اسلام ہے اور اہل ایمان کا مسکن اور اہل توحید کا ما من ہے۔ یہاں دین و ملت کے اتنے شعائر، مساجد و مدارس کی اتنی عمارتیں، مذاکرہ علوم شرعیہ اور اشاعتِ سننِ نبویہ کا ایسا سلسلہ، اہل اسلام کی وضع و ہیئت کا ایسا نمونہ ہے جو کسی دوسری جگہ موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شہر کو اور اس کے باشندوں کو تمام آفات سے بچائے رکھے۔ اور تمام بُرے انجاموں اور مصائب سے محفوظ فرمائے۔ اس شہر پر صفا میں اتنی دینی کتابیں، شرعِ مبین کے اتنے صحائف، اسلامی علوم کے اتنے دیوان اور علومِ شرعیہ و نبویہ کے اتنے ذخیرے موجود ہیں کہ ہندوستان بھر کے دوسرے شہروں میں سے کسی ایک میں شاید ہی موجود ہوں۔ حالانکہ وہاں بھی اہل علم اور اہل ثروت لوگ موجود ہوں گے۔ بَلَدًا طَيِّبَةً ذَرَبٌ عَنُورٌ۔

اور یہ تمام برکات اس مملکت کی والیہ عالیہ کی ہمت کا نتیجہ ہیں۔

بارک اللہ فیہا دلہا وعلیہا۔

اور جیسا کہ حاکم اسلام کا وجود یا جو رعایا کے درمیان یوں ہے جیسے جسم کے اندر دل ہوتا ہے۔ جب دل صحیح ہو تو تمام جسم صحیح ہوتا ہے اور دل خراب ہو تو تمام جسم بھی خراب ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس ریئسہ کربمہ کی توفیقِ خیر میں بلندی عطا فرمائے۔ اور اس کی باقیاتِ صالحات کو عرطویں مرحمت فرمائے۔ نیز مساجد و مدارس اور علمائے مملکت پر اپنی عنایات نازل فرمائے۔ اللہم آمین

نایاب کتابوں کے بارے میں حفاظت اور احتیاط کی تلقین

وہ تمام کتابیں جن کی فہرست آگے دی جا رہی ہے ہمیں بحمدہ تعالیٰ طلبائے علوم و فنون اور علمائے متبعین کو عاریتہ دینے میں کوئی سبب نہیں ہے، مگر اس طرح کسی شخص کے کوئی کتاب دوسرے علاقے میں لے جانے سے اس کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ لاحق ہوتا ہے۔ جیسا کہ کتاب لے جا کر واپس نہ دینے والے دست زیادہ ہیں جبکہ واپس کرنے والے بہت کم ہیں۔ ناچار احتیاط کا تقاضا ہے کہ یہ لعین دین کا سلسلہ سوائے اپنے اقربا اور شہر والوں کے بیرونی شہروں کے لوگوں کے ساتھ نہ رکھا جائے تاکہ دور دراز کے سفروں سے نہ ہوں اور خیانت کرنے والوں کی دستبرد واقع نہ ہو۔ اور یہ مخصوص طریقہ ائمہ متقدمین کی تالیفات کے لیے ہے جو کہ اس پر آشوب دور میں نایاب ہیں، ورنہ میری اپنی تالیفات جو اکثر اللہ تعالیٰ کی توفیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے طبع ہو کر عرب و عجم میں پہنچ گئی ہیں۔ اور مفت تقسیم کی گئی ہیں۔ ان تقسیم شدہ کتب و رسائل کی تعداد جو اہل علم اور طالبانِ حق کو دی گئیں۔ تاریخ حال تک پانچ ہزار نسخہ تک پہنچتی ہے۔ واللہ الحمد۔

تدریس و تالیف کا جو شغل ہے اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ اس سے ہمارا مقصود سوائے احکامِ سنت کے اجبار، بدعت و فتن کی تردید، احکامِ اسلام جو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہیں۔ اور ان میں لوگوں کی رائے اور قیل و قال کو دخل نہیں۔ ان کی اشاعت کے سوا اور کوئی

چیز نہیں۔ جیسے کہ تقلید کی بدعت اور دین میں دوسری نئی باتیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ تمام عالم میں چھائی ہوئی ہیں۔ مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک تمام جہان میں عام ہو چکی ہیں۔ ہزاروں سے کوئی ایک یا بہت زیادہ لوگوں میں سے بہت کم لوگ آپ پائیں گے جو سنتِ مطہرہ کی دریافت میں توجہ کرے گا اور خطا و صواب کا حساب لے گا۔

کوئی شاپہاز چاہیے جو اس وقت سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ وہ کسی طعنہ سے نہ ڈرے اور علمائے سوو کے فریب میں نہ آئے۔ غرضیکہ اس جمع و تفریق سے مراد اس ذمہ داری اور اس جواب دہی سے برادرت ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔ نیز اپنے بعد آنے والوں کی تعلیم و اصلاح مقصود ہے نہ کہ علم و فضل کا اظہار اور جاہ و ثروت کا حصول اور لوگوں کے مذہب کی حمایت اور فتنہ و فتنہ کا تعصب اور اسی قسم کی دیگر خواہشات جو کہ اکثر علمائے وقت کا مقصود ہے۔ سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ بچائے۔ جیسے دوسرے لوگوں کی غواہی ہوتی ہے کہ انہیں جاہ و ریاست اور ناموری حاصل ہو مگر باوجود کوشش کے انہیں یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ اس بندہ حقیر خادم کتاب و سنت کو اللہ تعالیٰ کے فضل عظیم اور لطف عظیم سے یہ چیزیں حاصل ہیں۔ اور میرے حوصلے سے زیادہ ٹھہر پر اس کی عطائیں ہیں۔ مگر دل میں لوگوں کی طرح ایسی ہوس ہرگز نہیں ہے۔ اور اس کے سانچے یا کاری، خوشامد، جھگڑا یا بحث میری فطرت میں شامل نہیں ہے۔

بیزمانہ جو کہ قیامتِ عظمیٰ اور ساعتِ کبریٰ کے بالکل قریب ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ختم ہو چکا ہے۔ اور یہ دور عہدِ فترت

اور عصرِ جاہلیتِ اُولیٰ کے ساتھ چلا ہے۔ کسی ایک شخص کو بھی عرب و عجم بھر میں اس سلسلے میں کچھ کہنے کی ہمت باقی نہیں رہی۔ سوائے اس کے کہ ہاتھ سے تو کسی برائی کو دور کرنے کا یا رانہیں فقط زبان ہی سے یہ فرض ادا کیا جائے۔ اور تالیف کئے پیرائے میں دور و نزدیک کے علاقوں کے لوگوں کو شرع کی تبلیغ کی جائے اور ہاتھ کی اطاعت (خدمت) اس کے سوا کوئی اور نہیں۔ لہذا شرع و عقل کی مصلحت تالیف ہی میں ہے ممکن ہے کہ کسی وقت کسی صاحبِ دل خدا پرست کی نظر ان تالیفات پر پڑے، اور وہ مقدور بھر اس سے نائدہ حاصل کر لے۔

حدیث شریف میں ہے جس کسی نے تم میں سے کوئی برائی دیکھی تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو اپنے ہاتھ سے دور کر دے، اگر نہ کر سکے تو زبان سے (اس کی ممانعت کرے) اس سے بھی ممکن نہ ہو تو دل سے (برا جانے) اور یہ ایمان کی کمزور ترین حالت ہے۔

ظاہر ہے کہ ہاتھ سے برائی دور کرنا سوائے حکومت کے ممکن نہیں اور اہل علم کا کام اس برائی کو زبان سے دور کرنا ہے۔ اور ہر مسلمان کا کام دل سے اسے برا جانتا ہے۔ ان تینوں اقسام امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے ہر ایک مسلمان کا ہٹ جانا اس کے ایمان کے فقدان کی دلیل ہے۔
نعوذ باللہ منہ۔

الحمد للہ کہ اس ناتواں کو ان تینوں اقسام پر قدرت عطا کی گئی ہے یعنی یہ علاقہ کہ میرا مسکن ہے اور یہاں کے امور و احکام ظاہر بینوں کی نظر میں مجھے تفویض کئے گئے ہیں۔ اور (وہ سمجھتے ہیں) کہ میں خود ان کی درستی کے لیے کسی سمجھتی کا خواہاں نہیں ہوں۔ درباری معاملات

کے واقف لوگ جانتے ہیں کہ اس ریاست کی رعایا اور عوام کے عمل کی صورت اس سے پہلے کیسی تھی۔ اور اب کیسی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق پڑ گیا ہے۔ دُور دراز کے شہروں کے لیے کتابوں کی تالیف و اشاعت سے تفسیر منکر کا فرض ادا کر رہا ہوں۔ لوگوں کے طور طریق اور حکام و قضا کے خلاف اسلام احکام کے اجرا سے دل میں زبردست غم و غصہ پیدا ہوتا ہے۔ اور میں ہرگز کفر و فسق اور عوام کی بدعات سے راضی نہیں ہوں بلکہ دل سخت اضطراب میں رہتا ہے۔

نعم مجورٹی سنت کشم تا چند اے زائر
زاہم آتشے در دفتر اغیار بائیستے

الحمد للہ کہ باوجود علم و دولت کے سرمایہ کے ہم کو اپنے معاصرین سے کوئی کڈ نہیں ہے۔ ان میں سے ہم نے کبھی کسی کا تعاقب نہیں کیا اگرچہ اس کے تمام مسائل بھی موجود ہیں۔ نیز ہمیں ان لوگوں کی تالیفات کو دیکھنے کی بھی فرصت نہیں جو کتاب و سنت کے علوم سے بے علم اور جاہل ہیں۔ مگر اپنے آپ کو فرید و ہر اور وجید عصر کے بیٹے ہیں۔ جن کے قول و فعل میں کوئی مطابقت نہیں۔ ان کی تمام تر مساعی اسی امر پر مرکوز ہیں کہ عوام الناس اور اُمراء میں جاہ و منصب حاصل کیا جائے، اپنے ہم عصروں پر برتری حاصل کی جائے اور سنت خیر الانام کی بنیادوں کو ٹھکانا دیا جائے۔ مگر الحمد للہ ہمیں ایسی کوئی خواہش نہیں ہے

آمد اندیشہ دنیا بطلب گاری دل نہ

گفتم آں شیفتہ بے سرو پا حاضر نیست

اللہ کا شکر ہے کہ یہ بندہ عاجز اپنے احوال کے غلبہ سے اس قسم

کی تہمت و شرمناکی سے متبر ہے۔ اور اس طائفہ میں سے کسی ایک کے ساتھ بھی مخاطب نہیں ہوتا۔ مگر ایسا شخص جو اپنی کج طبیعت کے تقاضوں کے پیش نظر اپنی کتابوں میں سے کسی ایک کے ذریعے اپنا مقصد حاصل نہ کر سکا ہو وہ اُلجھ پڑتا ہے۔ اور اہل بدعت کے انداز میں اہل سنت سے لڑتا جھگڑتا ہے۔ اس کے باوجود اس کی طرف بھی ہم توجہ نہیں کرتے اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی ذرا سی تحریک پر اپنے مقام سے ہٹ جانا اور جاہلوں کی بات سے پریشان ہونا اور انتقام لینے پر آمادہ ہو جانا علماء آخرت کا خاصہ نہیں ہے۔

چیں برجیں ز جہنیش ہر خس نمی زند

دریا دلاں جو موجِ گہر آرمیدہ اند

ء آتَلُّهُ الذِّئْبُ بِلَا سِوَا الْاِنْبِيَاءِ هَلُمَّ اَلْمَغْلُ قَالَا مَمْلُ۔

سلف صالحین کو بھی عموماً ایسے لوگوں سے نجات حاصل نہیں رہی۔ پس ان صالحین کے اختلاف کے لیے بھی اس پر طع کی آنکھ جمانا ایک فستول کام سے زیادہ نہیں۔ اپنی بڑائی کے لیے لڑائی جھگڑے کا طریقہ اور نام نہاد مناظرہ دین کو خراب کرنے والوں کا شیوہ ہے۔ علمائے راستین کا نہیں۔ کسی بات کے برحق ظاہر ہو جانے کے بعد بھی اپنی بات پر بلا وجہ لڑے رہتا حق گزینی اور آخرت بینی کے خلاف ہے۔ معلوم نہیں کہ ان زنگارنگ کتابوں سے جو علم تو حید و فقہ و اصول و تفسیر و حدیث وغیرہ کے سلسلے میں لکھی گئی ہیں اور عربی علم کے علاقوں میں اللہ کی توفیق و نصرت سے قبول کی گئی ہیں۔ کسی ایک عالم دین نے بھی اختلاف کیا ہو اور عوام کا لانعام جو لوگوں کی پیروی

کرتے ہیں۔ اگر بعض مسائل مثلاً استواء وغیرہ میں مذہبِ سلف کی بجائے مذہبِ حلف پر تعصب اور اپنی لمبی چوڑی دلیلوں سے اپنا چہرہ اپنے نامہ اعمال کی طرح سیاہ کر لیا ہے۔ تو ان جیسوں کا جواب دانشمند لوگوں کے ذمہ نہیں ہے۔ کَذَاتُ سَيِّدٍ لَطْمَتِيْ -

خدا پرستانِ حق آگاہ کی ایک جماعت نے اس عاجز کی تحریک و اشارہ کے بغیر ان ترافات اور لغویات پر توجہ کی ہے۔ یہاں تک کہ جھوٹے کو اس کے گھرتک پہنچایا ہے۔

وَدَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ -

مومنین کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔

ان مدعیانِ علم اور اس زمانے کے مؤلفین و معاصرین کی اپنی کتابوں میں تدلیس و تحریف اور سرقہ بازی اس قدر موجود ہے کہ ضبطِ تحریر میں نہیں آسکتی۔ مگر نبضِ قلم کی پہچان رکھنے والے اور سخن کے مزاج شناس پر یہ بات مخفی نہیں رہ سکتی ہے۔

ما اهل حدیثیم و غارنا شناسیم!

صد شکر کہ در مذہبِ ما حمیلہ دفن نیست

والی اللہ المشتکی ثم الی اللہ المشتکی -

اس کے بعد اپنی پسندیدہ کتب کی فہرست تحریر فرمائی ہے۔

(منترجم)



نوٹ

ہمارے کرم فرما مولانا ابوبکیلی امام خاں صاحب زادت الطاف نے فرمائش کی ہے کہ نواب صدیق حسن صاحب، مولانا شاہ مین الحق صاحب اور مولانا نعمت علی صاحب کے جو کچھ حالات معلوم ہوں، خواہ براہ راست ان کا علم ہو یا ثقہ رواۃ سے معلوم ہوئے ہوں، ان کو قلمبند کرو، ممدوح نے ایک چھوٹی سی کاپی بھی اپنے منتظم ہاتھوں سے بنا کر عنایت فرمائی ہے۔ مجھے بحیثیت فرقے کے "اہل حدیث" سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ سچ پوچھنے تو اب میں اس مقام پر کھڑا ہوں جہاں بحیثیت فرقہ کسی فرقے سے بھی دل چسپی نہیں رہتی، اب مجھے صرف اسلام سے دل چسپی ہے یا انسانیت سے۔

مولانا ابوبکیلی خاں صاحب نوشہروی محقق اہل حدیث ہیں، کسی غیر اہل حدیث کی خوبی کے منکر بھی نہیں، نہ کسی اہل حدیث کے کسی عیب کو ہنر سکتے ہیں۔ اپنے مسلک میں بہت سختی ہیں۔ اور یہ ایک قدرتی بات ہے کہ انہیں علمائے اہل حدیث سے خاص دل چسپی ہے۔

علمائے اہل حدیث کے نام سے ان کی ایک کتاب طبع ہو چکی ہے جن تین بزرگوں کے حالات قلمبند کرنے کی فرمائش کی ہے، وہ بھی اسی

فطری جذبہ کے تحت ہے۔ مجھ سے یہ فرمائش خاص طور پر اس لیے
کی کہ ان تینوں بزرگوں سے مجھے کچھ خاص تعلق ہے جو ان کے قلمبند کردہ
حالات سے معلوم ہو سکے گا۔

یہ قلمبند کردہ حالات کوئی سوانح عمری نہیں محض چند جستہ جستہ واقعات
ہیں، جن کو ایک خاص ترتیب دینے کا کمال مولانا امام خاں صاحب کو
ہمیشہ سے حاصل ہے۔ وباللہ التوفیق،

محمد جعفر شاہ پھلواڑی



مولانا سید محمد جعفر شاہ پھلواری

حرفے ازداستان



نواب صدیق حسن خاں صاحب مہوم

نواب صاحب دراصل سادات قنوج سے تعلق رکھتے ہیں، آپ کے والد ماجد (اولادِ حسن) شیعیت سے تائب ہو کر اہل سنت ہو گئے تھے، واداء (اولادِ علی) کی اولاد ہنوز اطراف حیدرآباد میں ہے۔ اور ان میں بکثرت شیعہ ہیں۔ نواب صاحب شیعیت سے بہت متنفر تھے۔ چنانچہ آپ کے وصایا میں ایک وصیت یہ بھی ہے کہ میری اولاد کا کوئی رشتہ شیعوں میں نہ ہو۔

آپ کی اولاد کا نقشہ یوں ہے۔

نواب صاحب

نواب نور الحسن خاں صاحب نواب علی حسن خاں صاحب نواب صفیہ جہاں بیگم

ثانی الذکر یعنی سید علی حسن خاں صاحب کی اولاد کا نقشہ یہ ہے۔

نواب سید علی حسن خاں صاحب

نواب امیر حسن خاں نواب شمس الحسن خاں نواب فتح حسن خاں نواب صفیہ جہاں بیگم
 اول الذکر یعنی نواب سید امیر حسن خاں میرے ہم زلف بھی ہیں اور سمدھی
 بھی ہیں، یعنی ان کے فرزند اکبر نواب سید افتخار حسن خاں سلمہ اللہ تعالیٰ کا
 میری منجھلی لڑکی کلثوم بیگم سے نکاح ہوا ہے، جس سے ایک لڑکی نگار فاطمہ
 اور ایک لڑکا طارق ہے، سلمہ اللہ تعالیٰ عن جمیع الآفات۔
 نواب صفیہ جہاں بیگم (بنت سید نواب صدیق حسن خاں صاحب)
 کی اولاد کا نقشہ یہ ہے:

صفیہ جہاں بیگم (زوجہ مولوی سید عبدالحی صاحب ممتاز الدولہ)

مجتبیٰ مقتدی

نواب رفعتی خاں مرحوم نواب مصطفیٰ خاں مرحوم نواب منندی خاں مرحوم نواب شرف جہاں بیگم
 مؤخر الذکر یعنی نواب سیدہ اشرف جہاں بیگم سب سے بڑی اولاد ہیں
 ان کی شادی سید عبدالرحمن صاحب سے ہوئی۔ جو خواہر سید احمد مرحوم
 شہید بریلوی کے چشم و چراغ (ڈاکٹر سید عبدالعلی کے عم زاد بھائی) ہیں، ان
 کی انیس اولاد ہیں سے اب تک ہیں۔

۱۔ سلیم
 ۲۔ شمیم
 ۳۔ گوہر جہاں بیگم
 مؤخر الذکر یعنی سیدہ گوہر جہاں بیگم میری زوجہ ہیں، گویا وہ نواب
 سید صدیق حسن خاں صاحب کی پر تو اسی اور سید احمد صاحب بریلوی
 کی خواہر زادی ہیں۔ سید صاحب کی براہ راست اولاد کوئی نہیں۔

گردشِ ایام اور انقلاباتِ زمانہ کا کوئی زندہ نمونہ دیکھنا ہو تو میری
خوشدامن سیدہ اشرف جہاں بیگم کو دیکھ لیجئے۔

نواب سید نور الحسن خاں صاحب (فرزند اکبر نواب صاحب) کی
بیگم صاحبہ نے مجھ سے بیان کیا کہ اشرف سلمہا کی تقریب شادی دیکھنے والوں
کو کبھی بھول نہیں سکتی۔ میں (صفیہ جہاں بیگم) نے ان کو جو چیز دیا تھا اس
میں تیس^۳ سیر سونا اور چھتیس^۳ من چاندی کے برتن اور ظرف تھے۔ اور دس
بڑے صندوقوں میں سونے اور صرف وہ جوڑے تھے، جو کبھی کبھی تقریب میں یا
عید بقرعید میں پہنے جاسکیں، دوسری چیزوں اور سامان کا اندازہ اسی سے
کر لو، کئی گاؤں مسلم اور متعدد گاؤں میں جھٹے تھے۔

مشرقی پنجاب کے انقلاب میں یہ کپور تھلے میں میرے ساتھ تھیں، اور
لاہور میں برابر ساتھ رہیں، اب اپنے لڑکوں کے ساتھ کراچی کے ایک تنگ و
تاریک مکان میں مقیم ہیں۔

”انقلابات ہیں زمانے کے“

یہ ہیں نواب سید صدیق حسن خاں صاحب مرحوم کی حقیقی نواسی جو
والا جاہ کی رحلت کے وقت قریباً نو دس سال کی تھیں۔ نواب صاحب ہر
دوسرے تبصرے دن اپنی بیٹی اور نواسی، نواسوں کو دیکھنے آیا کرتے تھے،
اجازت لے کر داخل ہوتے۔ نواب صاحب اکثر سب بچوں کے ساتھ کھانا
کھایا کرتے تھے۔ بیٹی (نواب صفیہ جہاں بیگم) نواب صاحب کی وفات کے
بعد پانچویں سال میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ نواب صاحب اپنی اولاد میں کسی کی
انتہی دلداری نہ کرتے تھے جتنی ان کی کرتے۔

ہماری خوشدامن نواب صاحب کے متعلق بہت سے واقعات

بیان کرتی ہیں۔

نواب صاحب کی اپنی اور اپنی بہنوں کی اولاد میں ہر ایک کا وظیفہ یوم پیدائش سے مقرر ہو جایا کرتا تھا۔ ہر ایک کے سن شعور کو پہنچنے تک وہ رقم جمع ہوتی رہتی تھی۔ ہر ایک کا حساب کتاب باقاعدہ کاغذات پر رہتا تھا۔ اور ہر سال ہر ایک کی رقم میں سے پابندی سے زکوٰۃ نکالی جاتی تھی، ہر ایک کی تھیلی اور حساب کتاب کا غذا لگ لگ رہتا تھا، اور سب رقم بڑے بڑے مقفل صندوقوں میں بند رہتی تھی، نواب صاحب کے اس طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ مال پر زکوٰۃ واجب ہونے کے قائل تھے نہ کہ اشخاص پر ورنہ نابالغوں کی نہ نکالتے، ہر فرد کے لیے ساٹھ روپے ماہانہ یوم پیدائش سے ملتا تھا۔ ہماری خوشدامن کو ایک سو ساٹھ روپے ماہانہ ملتے تھے، ان کی بڑی بہن کا وظیفہ بھی بعد وفات ان ہی کے نام جاری رہا۔ چنانچہ ہماری خوشدامن کا گھاؤں سمگرہ اسی وظیفہ کی جمع شدہ رقم سے خرید گیا تھا۔

نواب ستید مہدی خاں عرف ابن میاں مرحوم نواب صفیہ جہاں بیگم کی سب سے چھوٹی اولاد ہیں۔

نواب صاحب جب کبھی گاؤں کا دورہ کرتے تو موٹا پاکی پر کرتے تھے اور پاکی میں فلم دوات اور کاغذ اور کتابیں اپنے ساتھ رکھتے تھے، حتی الامکان وقت ضائع نہ ہونے دیتے تھے، دوران سفر بھی مطالعہ کتب کرتے اور ضروری مضامین نوٹ کرتے رہتے، اولاد کی تربیت کے لیے جہاں تعلیم کا انتظام تھا وہاں شہ سواری سکھانے کے لیے بھی معلم رکھتے تھے اس حدیث کے موافق جس میں بچوں کو تیراکی، شہ سواری، اور تیراندازی سکھانے کا حکم دیا گیا ہے۔

مولانا عبدالباری فرنگی عملی کے جانشین مولانا قطب الدین عبدالوہالی فرنگی عملی نے بیان کیا، کہ نواب صاحب کی علم دوستی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ مولانا عیدالحی فرنگی عملی، سے ساری عمر نواب صاحب کا علمی مناظرہ ہفتار بہا، لیکن جب مولانا کی رحلت کی خبر ملی تو نواب صاحب کہنے لگے کہ:

”آج سے ہمارا علم مُردہ ہو گیا“

اسی وقت تمام دفاتر کو بند کرنے کا حکم جاری کر دیا۔ اور تعزیت کے لیے خود فرنگی عملی تشریف لائے۔

نواب صاحب کے پاس ساز و سامان کی کیا کمی ہو سکتی تھی، لیکن بعض افقات وہ اپنے ہاتھ سے بیوند لگا کر کپڑا پہن لیا کرتے تھے۔ بلکہ جوتے بھی اپنے ہاتھوں سے گانٹھ لیا کرتے تھے۔ بیگم صاحبہ (نواب شاہ جہاں بیگم والی بھوپال) ان کاموں پر ٹوکنتیں، تو نواب صاحب بڑی منانیت سے فراتے کہ:

”سنت رسولی ادا کرنے پر خوش ہونا چاہیے نہ کہ ناراضی؟“

نواب صاحب کے چینی کے پیالے اور پیلٹیں میری بیوی کو بھی میری خوشدامن نے جہیز میں دی ہیں۔ جن میں سے بہت سے برتن ٹوٹ گئے۔ بہت سے چھوٹ گئے، یہ برتن نہایت خوبصورت ہیں۔ جن پر عمدہ سنہری کام ہے، اور وسط میں نواب صاحب کی سنہری ہر ہے۔ یہ نقش ایسا پختہ ہے کہ دھونے یا مانجنے سے نہیں چھوٹتا، ایک چھوٹی تشریحی مولانا ابو یوسفی امام خاں صاحب کو بھی بطور ہدیہ میں نے دی تھی، جسے ان کے ہاں سے ایک شفقت مآب اڑالے گئے۔ اب میرے پاس بھی شاید ہی چند رہ گئے ہوں۔

نواب صاحب صرف عالم نہ تھے، بلکہ حکمران بھی تھے۔ اس لیے فوجی بیٹڈ باجے کو جائز سمجھتے تھے۔ آپ کی قبر جھوپال میں ہے اور کمر تک اونچی کر کے محفوظ کر دی گئی ہے۔ کوئی عمارت یا چھت گیری وغیرہ نہیں۔

نواب صاحب اپنی زندگی کے آخری دور میں تمام سامان، روپیہ، جائیداد وغیرہ اپنے ورثاء کے نام کر گئے تھے۔ اس میں ایک حصہ نواب شاہ جہان بیگم کے نام بھی تھا۔ ایک صندوق سونے کی اینٹوں کا بھی تھا۔ (ایک اینٹ چالیس ٹولے کی) اس کے متعلق اپنے بڑے بیٹے نواب نور الحسن خاں کو وصیت کر گئے تھے کہ اسے نہ ہاتھ لگانا، یہ تمہاری سرکار آتاں کا ہے، چنانچہ یہ صندوق مہینوں پڑا رہا، اور نواب شاہ جہان بیگم نے اسے لینا پسند نہ کیا۔ آخر کار انہوں نے کہا کہ:

”میں یہ لے کر اب تم لوگوں کو دیتی ہوں“

اس میں سے اٹھارہ اینٹیں ہماری خوشدامن کے حصہ میں بھی آئی تھیں (اس وقت سونا پچیس روپے تول تھا) یہ چھٹا حصہ تھا۔ اس سونے کا جو نواب صفیہ جہاں بیگم کے حصے میں آیا تھا۔ اور گوبائیوں کو اس کا دگنا دگنا ملا تھا۔

نواب صاحب اکثر نور محل کی مسجد میں جمعہ ادا کرتے تھے۔ کبھی کبھی خود بھی پڑھا یا کرتے تھے۔ تمام بچے بھی ساتھ ہوتے تھے، ہماری خوشدامن بھی کبھی کبھی ساتھ ہوتی تھیں۔ ہماری خوشدامن کہتی ہیں کہ سب لوگ زور سے آئین کہتے تھے۔

نواب سکندر جہاں بیگم والدہ نواب شاہ جہاں بیگم حج سے واپسی میں قنوج آئی تھیں۔ یہیں نواب صاحب کے نکاح کی بنیاد پڑی۔ اس وقت

نواب صاحب میر و بہر کے عہد سے پرفائز تھے، نواب صاحب فریضہ حج قبل از نکاح ہی ادا کر چکے تھے۔

نواب سکندر جہاں بیگم نے نواب شاہ جہاں بیگم کی پہلی شادی امرائو دلہا سے کی تھی۔ یہ فوج کے افسر اعلیٰ تھے۔ شادی سے آٹھ نو سال بعد انتقال کر گئے، پھر نواب سکندر جہاں بیگم کا انتقال ہوا، انہوں نے بیٹی سے کہا کہ اب تم ہی وارثہ تخت و تاج ہو، تم نے ایک شادی میری پسند سے کی تھی، اب دوسری اپنی پسند سے کر لینا۔ نواب صاحب کی بیوی نواب زکیہ بیگم (یعنی ہماری خوشداسن کی نانی) زندہ تھیں۔ اور بھوپال ہی میں رہتی تھیں۔

نواب صاحب جب کاغذات وغیرہ لے کر نواب شاہ جہاں بیگم کی خدمت میں جانے تو ہمیشہ اپنی نظر میں نیچی رکھتے۔ آپ کے تقویٰ کا اثر یہ ہوا کہ ایک سوت کی موجودگی ہی میں نواب شاہ جہاں بیگم نے پیمانہ نکاح دے دیا۔

نواب صاحب کو نواب سکندر جہاں بیگم نے جو جاگیر دی تھی وہ بہت کافی تھی۔ شاہ جہاں بیگم سے عقد ہونے کے بعد اپنی بڑی بیگم (زکیہ جہاں بیگم) سے تعلقات میں سرمُورق پیدا نہیں کیا، اپنی جاگیر سے پانچ سو روپیہ ماہانہ ان کو دیتے تھے، اور پانچ سو روپیہ ماہانہ ہی شاہ جہاں بیگم کو دیتے تھے، عقد ثانی کے وقت نواب نور الحسن خاں صاحب کی عمر پانچ سال کی تھی، اور نواب زکیہ جہاں بیگم کے انتقال کے وقت میری خوشداسن کی عمر چار سال کی تھی۔

نور میاں اور علی میاں کی شادی ایک ساتھ ہوئی تھی، بڑی بیگم نے

چھوٹی بیگم کو دعوتِ شرکت نہیں دی۔ نواب صاحب نے چھوٹی سے پوچھا کہ آپ شادی میں نہیں گئیں؟ انہوں نے کہا مجھے بڑی بیگم نے بلایا ہی نہیں، کفنے لگے واہ! وہ تو آپ ہی کا گھر ہے، آپ کو کون روک سکتا ہے، آپ جانیے! نواب شاہ جہاں بیگم (چھوٹی بیگم) بڑے دل گردے کی تھنیں، انہوں نے اپنی تمام سوتیلی اولاد کو حقیقی اولاد کی طرح رکھا، زکیہ جہاں بیگم کے بعد نور الحسن خاں صاحب کو اپنا فرزند بنا لیا، اور نواب صاحب کے انتقال کے بعد سب کے وظیفے دو گئے کر دیئے۔

نواب صاحب جب زیادہ بیمار پڑے تو آپ کی صاحبزادی نواب صفیہ جہاں بیگم نے ایک معتمد کانے خاں کو کچھ تحفے دے کر حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کی خدمت میں دعائے صحت کے لیے بھیجا، حضرت مولانا نے براہِ راست نواب صاحب کو ایک خط بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ آپ ہرگز نہ گھبرائیں، آپ کے لیے قطعی جنت ہے۔ یہ خط نواب صاحب کو دکھایا نہیں گیا۔ نواب نور الحسن خاں صاحب نے اس خط کو پڑھا تو بجائے افسردہ ہونے کے ہنسے۔ کیونکہ اس خط میں گویا نواب صاحب کے انجامِ بالآخر ہونے کی بشارت تھی۔ نواب نور الحسن خاں صاحب اور نواب علی حسن خاں صاحب دونوں حضرت مولانا کے مرید ہو گئے تھے۔ اول الذکر پر فقر بہت غالب تھا۔!

(منقول از ہفت روزہ "الاعتصام" ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

تنبیہ

اقتباس از کتاب ”قضا را لرب من ذکر علماء النحو و الادب“



بالفعل خاکسار عفا اللہ عنہ نے ایک کتاب دیکھی جس کا نام مد اکتفار القنوع بما ہو مطبوع ہے، اور دین کر نیلیوس فنڈیک (ایڈورڈ کار نیلس فنڈیک - ناقل) کی تالیف ہے۔ مطبع تالیف ہلال واقع مصر قاہرہ میں مطبوع ہوئی ہے۔ اس میں کتب علوم اور ان کے مصنفین کا ذکر ہے۔ بغایت نفیس کتاب ہے گو ایک جام جہاں نما ہے۔ مصنف نے قابل داد کام کیا ہے۔ اس میں شیخنا المرہوم (نواب سید صدیق حسن خاں - ناقل) کی کتب کا بھی ذکر ہے۔ صفحہ ۴۹ میں یوں لکھا ہے :- (اس کے بعد طویل اقتباس عربی زبان میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

• ملکہ بھوپال سے نزوج کے باعث مال و دولت میں (نواب صدیق حسن) نعمتی ہو گئے۔ اس کے بل بوتے پر بڑی بڑی کتابیں جمع کر کے کتب خانہ بنا لیا۔ اور علماء سے کتابیں تالیف کروا کے اپنے نام سے طبع کروائیں۔“



وضاحت

صاحبِ التَّقَاءِ الْقَنُوعِ نے جو شیخنا المرحوم کا یہ ترجمہ لکھا ہے سو اُس بنا پر ہے جس کی اُن کو خبر پہنچی اور خبر صدق و کذب دونوں کی منتق ہوتی ہے۔ چونکہ یہ ایک تاریخی بحث ہے اس لیے ضرور ہوا کہ جو بات واقعی ہے اُس کو واضح و راست گزارش کروں۔ ان کی تحریر میں کئی امور ہیں۔

اول امر؛

یہ ہے کہ اصل اُن کی عوام الناس سے ہے۔ حالانکہ یہ امر واقعی نہیں ہے بلکہ اصل اُن کی انحصار الخواص میں سے ہے اس لیے کہ شیخنا المرحوم کا نسب ظاہر بواسطہ حضرت قطب العالم مخدوم جہانیاں رضی اللہ عنہ کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ اور آپ کا خاندان ساداتِ بخارا ہندوستان وغیرہ ممالک میں ایک معزز خاندان ہے۔ یہ تو نسب ہوا، اور باعتبار جاہِ دنیوی آپ کے جدِ امجد مستید اولاد علی خاں المخاطب بہ انور جنگِ ریاست حیدرآباد دکن میں بجاگیر بلیش قرار و منصبِ معتبر ممتاز تھے۔ آپ کے والد مولانا مستید اولاد حسن صاحب قنوجی رحمہ اللہ تعالیٰ نے باوجود طلبِ والی حیدرآباد کے اپنے والد کا منصب و مال و متاع کینہ ترک کیا۔ اور اپنے وطن میں جاؤں زہد و تقویٰ پر مستقیم رہے۔ اپنے شہر میں یکمال زہد و قناعت عمر بسر

کی سارا شہ آپ کا معتقد تھا۔ باعتبار تقویٰ و تدبیر کے سب کے سردار تھے۔ اس کی پوری تفصیل اور بھوپال میں آنے کا حال اور روزگار و ترقی مناصب کی کیفیت خود شیخنا مرحوم نے اپنی بعض تصانیف میں خوب تحریر فرمائی ہے۔

دوسرا امر:

یہ ہے کہ جب عننا حاصل ہوئی تو علماء کو جمع کیا اور ان کو بھیجا۔ پھر ہر طرف سے قلمی کتابیں خریدیں اور ایک بڑا کتب خانہ جمع کیا اور اپنے پاس رہنے والے علماء کو تالیف کی تکلیف دی۔ پھر ان کی تصانیف لے کر اپنی طرف منسوب کر لیں۔ یہ امر بھی غیر واقع ہے۔ کیونکہ ان کے عننا سے پہلے چند علمائے معمر یہاں ایک مدت سے موجود تھے۔ اور اپنی اپنی خدمتوں پر مقرر تھے۔ جن کو نہ تالیف و تصنیف کا شوق تھا اور نہ چنداں فارسی و عربی لکھنے کی عادت تھی۔ ہاں بفرط شوق نفاٹس کتب زرِ خطیر صرف کر کے یمن و عیرہ سے طلب کیں۔ اور ان سے (علمی) نفع لیا۔ اور اطراف و جوانب سے لوگوں نے کتابیں بھیجیں۔ زمانہ عننا میں دو چار اہل علم بتلاش روزگار یہاں آئے۔ حسبِ لیاقت ان کو جگہ ملی۔ ان میں سے بعض نے معاصرین کے اعترافوں کے جواب بھی لکھے۔ لیکن شیخنا مرحوم نے ہرگز ان کو تکلیف نہیں دی کہ اپنی کتابیں ان سے تالیف کر کے اپنی طرف منسوب کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو سرعتِ تحریر عطا فرمائی تھی، وہ شاید اس وقت میں کسی کو ہو، عربی و فارسی خوش محاورہ قلم برداشتہ بلا تکلف لکھتے تھے۔ ان کا مسودہ مثل مبیضہ ہوتا تھا۔ اللہ پاک نے

ان کے دنت میں بہت برکت رکھی تھی۔ ذرا سے وقت میں کام بہت ہو جاتا تھا۔ بالالتزام تالیف کا وقت صبح کی نماز کے بعد سے نو بجے تک تھا۔ اور اگر دنیاوی کاروبار سے فرصت پائی تو اور اوقات میں بھی لکھتے تھے۔
درتہ خیر!

تیسرا امر:

یہ ہے کہ ایسی قدیم کتابیں اختیار کرتے تھے جن کے ایک نسخے کے سوا اور نسخے نہیں ہوتے تھے۔ اور ان کا عنوان متغیر کرتے۔ اور ان کے نام بدل کر اور نام رکھتے، اور اول صفحہ پر اپنا نام مع القاب فخر کے لکھتے یہ امر بھی خلاف واقع ہے۔ اس لیے کہ ان کی تالیفات کئی قسم کی ہیں جن کی تفصیل یوں ہے:-

- ۱- ایک قسم تو یہ ہے کہ کسی کتاب کی شرح لکھی، جیسے عون النبای شرح تجرید بخاری و سراج دہاج شرح تلخیص مسلم و انتقاد ریح جمع شرح اعتقاد صحیح و بنیۃ الرائد شرح عقائد، یہ سب کتابیں شرح حدیث وغیرہ سے تلخیص کر کے لکھی ہیں۔ جس طرح کہ علماء متقدمین و متاخرین کا طریقہ ہے۔ جس کتاب سے نقل کیا اس کا نام لکھ دیا۔
- ۲- دوسری قسم یہ ہے کہ کسی متقدم کی کتاب کی تلخیص کی ہے۔ جیسے حصول المامول ارشاد الفحول کی تلخیص ہے۔ اور مثیر ساکن الفرام الی روضات دار السلام حافظ ابن قیمؒ کی کتاب حادی الارواح کی تلخیص ہے۔ اور فتح البیان تفسیر فتح القدر یا ما شوکانیؒ کی تلخیص ہے۔ لیکن یہ محض تلخیص نہیں ہے بلکہ اور کتب نفا سیر سے اس

میں بہت اضافہ کیا گیا ہے۔ گویا خود مستقل کتاب ہے۔ پس جس کتاب کی تلخیص کی۔ اس کتاب کا نام مع نام مصنف دیا جا چاہیے لکھ دیا ہے۔

۳۔ تیسری قسم یہ ہے کہ کسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً عربی سے فارسی یا اردو میں۔ جیسے ترجمہ بلوغ المرام فارسی میں یا ترجمہ در پرہیزہ اردو میں جس کا نام فتح المغیث ہے۔ یہ کتب بہت ہیں۔ جس کا ترجمہ ہے اس کا نام مع نام مصنف دیا جا چاہیے۔ اس قسم کی تالیف ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے۔ میرے علم میں ایسا نہیں ہوا ہے کہ غیر کی کتاب کو نام بدل کر اپنی طرف منسوب کر لیا ہو، ان کی کتابیں اقسام مذکورہ سے خالی نہیں ہیں۔

اب رہا بعض معاصرین کا انتقاد سو یہ کچھ نئی بات نہیں ہے ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔ کتب تاریخ و تراجم علماء میں اس کی تفصیل خوب لکھی ہے۔ معاصرت اصل منافرت ہوتی ہے۔ دیکھو حافظ ابن حجر و عینی و سیوطی و سخاوی و علامہ ابن تیمیہ و ابو حیان و غیر ہم جن میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ خطا و نسبیاں و سہو و غلط لوازم بشری سے ہے۔ سوائے انبیاء و علیہم السلام کے کوئی معصوم نہیں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دمن الذی ترضی سبحانہ کلہا کفی المرء نبلاً ان تعد معائبہ

صاحب اکتفارا لفقہ کو تو جیسے خیر پہنچی اس کے مطابق لکھا۔ بعض لوگ اور ہندوستان میں بھی اس قسم کا خیال رکھتے تھے۔ اس خیال کی بنا یا تو نادانی پر ہے یا حسد پر۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے اپنا دیکھا بخالا جانا بوجھا لکھا ہے۔ شیخنا المرحوم کو خاکسار سے ایک مناسبت

طبعی ایسی تھی کہ شاید ویسی کسی سے ہو۔ جب مدرسہ سلیمانہ کا اہتمام اُن کے سپرد ہوا، اور میں بھی وہیں مدرس تھا تو اکثر ملاقات و یکجائی رہتی تھی۔ عجب لطف و محبت سے پیش آتے تھے۔ ہر وقت ہنس کر کشادہ پیشانی سے ملتے بغایت حسنِ خلق کا برتاؤ رکھتے تھے۔ مسک الختام شرح بلوغ المرام کا مبیضہ مدرسہ ہی میں کیا۔ یہ کتاب دو مجلد کلاں میں ہے۔ دو بار اپنے ہاتھ سے اس کو لکھا۔ جب میر منشی ہوئے پھر نائب دوم، پھر نواب بنے تو مجھے باجارت سرکار عالیہ دام اقبالہا اپنی خدمت میں بلا لیا۔ اس وقت سے لے کر اُن کی وفات تک اُن کی خدمت میں رہا۔ جس لطف سے پیش آتے تھے وہی لطف ہمیشہ رہا۔ خفا ہونا کیسا! کسی فکر میں ہوں جب بلیں تو مسکرا کر ملیں۔ ایسا خلق کسی کا دیکھنا نہ سنا۔ شرح دررہ ہیہ مسمیٰ بہ روضہ ندیہ تالیف فرمائی۔ مسودہ خاص سے میں نے ایک نسخہ نقل کیا تاکہ طبع کے لیے لکھنؤ ہائے۔ بعد ازاں آٹھ ماہ میں فتح القدر سے فتح البیان ملخص فرمائی۔ پھر ملازک و خازن سے اس پر اضافہ کیا۔ پھر منظور ہوا کہ جمل (تفسیر۔ شرح۔ جلالین) وغیرہ سے کچھ اور زیادہ ہو چونکہ اصل مسودہ میں اس کی گنجائش نہ تھی۔ اس لیے مجھے حکم دیا کہ مسودہ سے مبیضہ کروں۔ دو تین سال میں خاکسار نے اُس کا مبیضہ کیا۔ جس قدر اجزا تیار ہوتے نعمت شریف میں پیش کرتا تو آپ جمل سے اس پر اضافہ فرماتے تھے۔ جب چھپنا شروع ہوا تو اس کی کاپی کا مقابلہ میں اور وہ کرتے۔ وہ پڑھتے تھے اور میں سنتا تھا۔ اسی طرح ساری کتاب کا مقابلہ ہوا۔ پھر پے درپے کتب تالیف فرماتے رہے۔ سوائے چند کتب کے جو کہ لکھنؤ یا قسطنطنیہ و مصر میں طبع ہوئیں۔ ساری تالیف کا مقابلہ میں نے اور انہوں نے کیا۔ وہ پڑھتے اور میں سنتا۔ اُن کی تالیفات عربی و

فارسی و اردو میں نے اُن کی زبان سے سنی ہیں۔ اور پھر دوسروں سے اس کا مقابلہ کیا ہے۔ اور تصحیح وغیرہ کی ہے۔ ان کے سارے مسودے میری نظر سے گزرے ہیں۔ اکثر تو تین بار اور بعض دو بار اور بعض ایک بار منصف مزاج ایسے تھے کہ عبارت پڑھنے میں اگر کہیں سہو ہو گیا تو ان کو ٹوکا، پس اس کو مانا اور صحیح پڑھا۔ گو کتنے ہی آدمی بیٹھے ہوں۔ میں نے ان کی بعض کتب کے مسودات جلد بند ہوا کر تہرکا اپنے پاس رکھ چھوڑے ہیں۔ اگر سچ پوچھو تو ان کا گوشت پوست سب علم تھا۔ ان کی طبعی بات سوائے ذکر و فکر کے اور کچھ نہ تھی۔ مجھے براہِ محبت تالیف پر بہت آگاہ کرتے اور رعیت دلاتے تھے۔ چنانچہ انہی کے زور دینے سے کتاب "المبتکر فی بیان المونث والمذکرہ" تالیف کرنا شروع کی۔ جب تمام ہوئی تو خدمت میں پیش کی۔ بہت خوش ہوئے اور پسند فرمائی۔ آپ کی برکت سے عالم میں مقبول ہوئی۔ چنانچہ صاحب اکتفاء القنوع نے بھی اُس کا ذکر کیا ہے اور یوں لکھا ہے:

ابراہیم ذوالفقار احمد لہ مبتکر فی بیان ما یتعلق بالمونث والمذکر وطبع فی بھوپال الہند ۱۲۹۷ھ ولا یقتصر ہذا المبتکر علی المونث والمذکر ہو مصنف نفیس فی اللغۃ مع کثیر من الشواہد والآداب۔ منہ ینظر للقاری حسن مسأ اہل الہند فی خدمتہ معرفۃ اللغۃ العربیۃ۔ انتہی۔

اس کتاب کو پچاس روپیہ ماہوار کے خوشنویس نے آٹھ ماہ میں لکھا پانچ سو نسخے اس کے طبع ہوئے۔ شیخنا المرحوم کی کتب کے ساتھ مصر، روم و یمن و مکہ معظمہ وغیرہ کو اکثر نسخے گئے۔ باقی نسخے یہاں تقسیم ہوئے اب اس کا نسخہ کمیاب ہے۔

پھر محاسن المحسنین فی حکایات الصالحین فی ترجمہ روضۃ الریاحین لکھی۔

پھر شرب المدام السلسال علی ذکر سلامان وایسال پھر طی الفرائخ الی منازل البرازخ
 پھر تشنیف الاسماع لبسوان المطاع پھر الروض الممطور فی ذکر علماء شرح الصدوق
 پھر حدائق الزہور فی رجال شرح الصدور بزبان عربی، یہ طبع نہیں ہوا۔ پھر
 القول المیسور فی رجال شرح الصدور نام میں رسالہ مذکور کی تلخیص کی۔ پھر
 مرآة النسوان ترجمہ حسن الاسوہ جب یہ کتب میں نے لکھیں تو بہت خوش
 ہوئے، اور پھر فرمایا الحمد للہ بھائی میری زبردستی اور تقاضے سے یہ کتابیں
 تالیف ہو گئیں۔ کتب کی طبع اپنے صلیبی مال سے کرتے تھے، مالِ زکوٰۃ سے
 نہیں۔ اس لیے سب نسخے مجھے عطا فرماتے تھے۔ اور میری ملک کر دیتے تھے
 میں جو چاہوں کروں۔

چنانچہ مبتکر کے سب نسخے ہدایا میں گئے۔ اس طرح محاسن کے
 سب ہزار نسخے کئی سو نسخے طی وغیرہ کے مفت تقسیم ہوئے۔ کئی سو نسخے
 کا تبادلہ کتب علمی سے کیا گیا۔ مرآة النسوان چونکہ سرکار عالیہ دام اقبالہا کے
 حکم سے طبع ہوئی تھی۔ اس لیے اس کے سب نسخے ملک سرکاری ٹھہرے
 ان کے حکم سے اس کی تقسیم ہوئی۔ اور ہوتی ہے۔ غرضیکہ سیدنا المرحوم
 کا مجھ پر خاص یہ اتنا عظیم الشان احسان ہے کہ مجھ سے اس کا ادنیٰ شکر
 ادا ہونا بھی محال ہے پورے شکر کا کیا ذکر ہے۔ اس کے سوا اور ان کے
 بہت احسان ہیں۔ ان کی خدمت میں دینی و دنیوی و علمی بہت سے فوائد
 حاصل ہوئے۔ مجھ عاجز سے سوا دعائے خیر کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اللہ
 پاک ان کو درجاتِ عالیہ عطا فرمائے۔ اور ان کی اولاد و احفاد کی عمر و
 دولت میں برکت دے اور اپنے مرضیات کی توفیق عنایت کرے۔ آمین
 شیخنا المرحوم کی آخری کتاب مقالات الاحسان ہے۔ یہ کتاب ترجمہ

ہے۔ ~~میں نے~~ کا جو کہ سیدنا مولانا حضرت سید عبد القادر گیلانی رحمہ اللہ کی تالیف ہے۔ جب اس کا طبع ہونا شروع ہوا تو میں نے اور انہوں نے اس کا مقابلہ کیا۔ جب صحت نامہ کا وقت آیا تو وہ بیمار تھے۔ میں نے اور ایک اور شخص نے اس کا مقابلہ ان کے رو برو کیا۔ مرض استسقا ہو گیا تھا۔ نہایت درجہ ایذا ہوئی۔ مگر طے مستقل مزاج تھے۔ وقت کے وقت تک استقلال رہا۔ ہر اس اور بے صبری کا کلمہ زبان سے ہرگز نہیں نکلا۔ ایام بیماری میں شب کو میں ان کے پاس رہتا تھا۔ رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ اور نہ لیٹا جاتا تھا۔ پلنگ پر قبلہ رخ بیٹھے رہتے سامنے تکیے رکھ لیتے تھے۔ ان پر سر رکھ لیا کبھی اٹھالیا۔ اسی طرح ساری رات بسر ہوتی تھی۔ اکثر یا رحم الراحمین کہتے تھے۔ بیماری کی تو شدت کھنے کی طاقت نہیں۔ مگر علم کا شوق وہی۔ مجھ سے کہا بھائی تم آخر اور جگہ بیٹھ کر لکھنے ہو، ہمارے سامنے ہی لکھا کرو۔ میں اس وقت مرآة النساء لکھتا تھا۔ پس میں نے ان کے رو برو لکھنا شروع کیا۔ ظہر سے عصر تک ان کے کمرے میں لکھتا پھر گھر جاتا۔ بعد عشاء کے پھر آجاتا تھا نورات کو بھی پڑانے کے رو برو بیٹھ کر ان کے سامنے لکھتا۔ اس سے ان کو انس ہوتا۔ اس اثنا میں باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ کئی دنوں سے اسی طرح ہوتا تھا۔ کبھی فرماتے بھائی آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک تو مش دوا کے کہ جب بیمار ہوں تو ان کی حاجت ہو۔ اور ایک مثل غذا کے۔ کسی حالت میں اس سے چارہ نہیں ہے۔ نیری یہی مثال ہے۔ غرضیکہ روز چار شنبہ بست و نهم ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۰۸ھ کو ناگاہ جی میں آیا کہ آج تین بجے سے ان کے پاس جاؤں۔ چنانچہ جلدی سے کھانا کھا کر ان کے پاس حاضر ہوا تو تکیے

پر سر رکھے ہوئے تھے۔ میں نے سلام کیا تو سلام کا جواب دیا۔ اور فرمایا اچھا ہوا۔ سویرے آگئے پھر باتیں کرتے رہے۔ بیقراری زیادہ تھی۔ دوا علاج ہوتا رہا۔

مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ اس طرح ہونے ہوتے رات کے بارہ بج گئے۔ اس وقت یا اس سے قبل کہا بھائی اگر سے سے ہماری کتاب نہیں آئی میں نے کہا وہ چھپ گئی۔ اس کا صحت نامہ بھی تیار ہو کر گیا۔ فرمایا اچھا ہوا۔ مہینہ بھی پورا ہوا۔ اور ہماری تالیف بھی پوری ہوئی۔ پھر کوئی دوا لایا تو پی لی۔ ذرا دیر بعد میں نے کہا کچھ آپ کو تسکین ہے۔ فرمایا کسی قدر۔ پھر کہا ہم اب دوا نہیں پیئیں گے۔ اتنے میں ایک بج گیا۔ ذرا دیر بعد بیقراری ہوئی تو بسرعت ٹوپی سر سے اتار کر ڈال دی اور ذرا پاؤں پھیلائے اور چہرے پر پسینہ آیا۔ بکشاہہ پیشانی بکمال درستی ہوش و حواس جاں بحق تسلیم کی۔ اس وقت ایک بج کرہ سمنٹ ہو گئے تھے۔

انالله وانا الیہ رجعون۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بعد نماز صبح غسل دیا گیا۔ نماز جنازہ میں ایک غلٹی کثیر تھی۔ کئی بار نماز ہوئی۔ بروز پنجشنبہ یکم ۱۳۰۷ھ کو قبل دوپہر کے اپنے خاص قبرستان میں مدفون ہوئے۔ آپ کے انتقال کا ایک عالم کورنجہ عالم ہوا۔ لوگوں نے مرثیے اور تارینجیں کہیں۔

بالجملہ بعد آپ کی وفات کے حسب فرمائش میر سید نور الحسن صاحب فرزند اکبر شیخنا المرحوم الدر المنظوم فی ترجمۃ ملفوظ المخدم لکھا۔ بعد اس کے حسب استبداد میر سید علی حسن خاں صاحب فرزند اصغر

شیخنا المرعوم بحکم سرکار عالیہ دام اقبالہا او اخر ماہ صفر ۱۳۰۸ھ سے ترجمان القرآن
کا مکملہ لکھنا شروع کیا۔ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے ماہ ذی قعدہ
۱۳۱۵ھ کو آٹھ جلدوں میں ختم کرادیا۔ اللہ سبحانہ قبول فرمائے اور سہو و
خطا و نسیان سے درگزر کرے۔ اور حسن خاتمہ روزی فرمائے۔ آمین
واقع میں بھوپال کے علم و فضل کی شہرت جو عرب و عجم و روم و شام
وغیرہ میں ہوئی۔ سو اس کے باعث صرف شیخنا المرعوم ہیں۔ وہ بنفسہ
مثل ایک خلیق کثیر کے تھے کما قیل ۵

لیس علی اللہ بستنکرا! ان یجمع العالم فی واحد
حقیقت میں یہ سارے اوج موج شیخنا المرعوم کے محض سرکار
عالیہ دام اقبالہا کی قدر دانی و شریف نوازی و قدر افزائی علم و فضل سے
تھے۔ چنانچہ ہمیشہ اپنی زبان سے اس کا شکر یہ کیا کرتے تھے، اور
اپنی تصانیف کے خاتمے میں بھی سرکار عالیہ دام اقبالہا کی قدر دانی اور
احسانات و انعامات کا شکر یہ لکھ دیا۔ تاکہ ابد الابد ہر روز گار پر
ثبت رہے اس لیے کہ زبانی شکر قائم نہیں رہتا ہے۔ اور کتاب میں
لکھا ہوا ہمیشہ ثابت و باقی رہتا ہے۔

والحمد لله اولاد آخر او ظاہر او باطناً والصلوة والسلام علی سیدنا
ومولینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین الی یوم الدین۔ آمین۔ آمین۔

تمت

علامہ محمد عبدالحی الکتانی الجزائری کا اقتباس

وبالجملة فهو كبار من لهم اليد الطولى في إحياء كثير من كذب الحديث وعلومه بالهند وغيره، جزاه الله خيراً. وقد عد صاحب عون المعبود على سنن أبي داود المترجم له أحد المجددين على رأس المائة الرابعة عشر.

وما لبعض المسيحيين في كتاب له اسمه در اكتشاف القنوع بما هو مطبوع، من ان المترجم كان هامياً وتزوج بملكة بوهبال فحدثا ما اغتفى بالمال جمع اليه العلماء وارسل يبتاع الكتب بخط اليد وكلف العلماء بوضع المؤلفات ثم نسبها لنفسه بل كان يختار الكتب القديمة العديمة الوجود وينسبها لنفسه الخ
فكلام اعدائه فيه والافان تاليفت تاليفه ونفسه فيها متحد.

(فرس الفهارس والاشات)

” نواب صدیق حسن خان ان کبار علماء میں سے ہیں جن کا ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں علوم حدیث اور ان کی کتابوں کے احیاء و اشاعت میں بہت بڑا حصہ ہے۔ جزاء اللہ خیراً صاحب عون المعبود علامہ شمس الحق ڈیابلی نے، جنہوں نے ان کے عربی میں مختصر حالات تحریر کئے ہیں۔ نواب صاحب کو اوائل چودھویں صدی ہجری کے مجددین میں شمار کیا ہے۔ بعض عسائی مستشرقین نے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام

”اكتفاو القنوع بما هو مطبوع“ ہے۔ اس میں نواب صاحب کا ذکر بڑے گھٹیا انداز میں کیا گیا ہے۔ اور ان کی بابت یہ افترا پردازی کی گئی ہے کہ والدیہ بھوپال کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد انہوں نے علاؤ کو پیسے دے کر کتابیں کھوائیں اور اپنے نام سے چھپوائیں بلکہ کئی عظیم الوجوہ کتابیں حاصل کر کے انہیں اپنی طرف منسوب کر لیا۔

لیکن یہ سب باتیں ان کے دشمنوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ان کی تمام تالیفات ان کی اپنی ہی تالیف کردہ ہیں۔ اور اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ ان کی تمام کتابوں کا اسلوب یکساں ہے۔“



نواب صاحب بھوپالی

اور انکی بابرکت تالیفات

از مولانا محمد حسین لوی مرحوم

اس نامور ڈہر ہر دل عزیز جامع ریاست دہلی و دیوی نے دین اسلام کے فروع و اصول میں بزبان عربی و فارسی و ہندی اس قدر تصنیفات کی کہ کہ اوق مسائے دین جن پر خواص علماء بھی کم مطلع تھے۔ اب اکثر عوام و اوساط الناس جاننے لگ گئے ہیں۔ ہندوستان و پنجاب بلکہ عرب میں کوئی ایسی جگہ نہ ہوگی یا کم ہوگی۔ جہاں کوئی اہل علم ہو یا علم کا ذکر و اثر ہو اور جناب ممدوح کی کوئی تصنیف وہاں نہ ہو۔ اسی نظر سے بعض علماء وقت نے ان کو اس صدی کا مجدد و قرار دیا ہے اور ان کے حق میں یہ کہا ہے۔

مجدد العلوم فی هذا الاوان من قد انقذ الناس من یدم و افترک
اس وقت میں علم کا مجدد ہے جس نے لوگوں کو بدعت و شرک سے چھڑایا
مروج العلوم فی بدوہنی حند بمنصل لدم الفجار سفالک
جنگلوں اور بستیوں میں علم پھیلانے والا ناسقوں کا تیر قلم سے خون بہانے والا۔

مفسرانہذاً کہ بالقول المبین فقد علابہ فوق اعلام واملاک
قرآن کا واضح بیان سے تفسیر کفندہ جس کے سبب وہ بڑے بلند
مرتبہ والوں پر فوقیت لے گیا۔

ابدی لسانی تالیف لہ ظہرت مقالہ خاب منها کل افاک
اس نے ہمارے لیے اپنی تصانیف ظاہر و باہر میں ایسی باتیں کھول
دیں جن سے جھوٹے ٹوٹے میں پڑے۔

مگر افسوس صد افسوس بعض اشخاص ہند جن کو دین کی طرف توجہ نہیں یا
یوں کہو کہ کم ہے۔ اور کتب و مسائل سے مطلق آشتائی نہیں یا یوں کہو کہ
نہایت ہی کم ہے۔ جناب ممدوح کی تصانیف کی قدر نہیں کرتے اور وقتاً فوقتاً
ان پر نکتہ چینی کرتے رہتے ہیں۔

ان دونوں ایک کتاب موسوم بہ اسلام اور مسلمانان کسی صاحب
مولوی محمد حسین اغلب موبانی نامی سابق آناچی ایڈیٹر اودھ انبار نے تالیف
کی ہے۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں کے اسباب ترقی و تنزل کی ایسے طور پر
تفصیل کی ہے کہ اس کے اکثر مطالب پر جو بندریعہ اس کے ریویو ۳۳ صفحہ کے
ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ پہلا بھی صادق ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے تو اب صاحب ممدوح کی تالیفات کا بھی
ذکر کیا ہے۔ اور گویا ان تالیفات کو اسباب تنزل حالت اہل اسلام کے شمار
کیا ہے۔ اور ان کے اور ان کے مؤلف کی نسبت یہ چند ناملائم الفاظ تحریر
کئے ہیں کہ یہ ایک اسلام کا عالم غت ربود اور انبار بے سوذ تصنیفات کا مصنف
ہو کہ مذہبی مباحثہ موحدوں اور حنیفیوں میں اوقات صنایع کرتے اور فضول
رو پیہ صرف کرتے ہیں۔

یہ ان کے الفاظ اس کتاب سے ریویو مندرجہ اخبار "کوہ نور" نمبر ۲۲ جلد ۳^۲ مطبوعہ ۲۶ جون ۱۸۸۲ء سے ہم نے نقل کئے ہیں۔ اصل کتاب کو ہم نے نہیں دیکھا خدا جانے اس میں کیا زیادتیاں اور بے جا نکتہ چینیوں جناب ممدوح اور ان کی تصانیف کی نسبت مؤلف کتاب سے سرزد ہوئی ہیں۔ یہ الفاظ کتاب مذکور جو اس ریویو میں منقول ہیں سراسر غلط و محض خلاف واقع ہیں۔ اور صاف یقین دلاتے ہیں کہ جس شخص کے قلم سے یہ الفاظ نکلے ہیں اس نے نواب صاحب کی مصنفات کو خواب میں بھی نہیں دیکھا۔

ان تصانیف پر یہ گمان کرنا کہ وہ مذہبی مباحثہ حنفیہ و موحدین پر مشتمل میں صرف خلاف واقعہ ہے۔ نواب صاحب کی کسی کتاب میں حنفی و شافعی یا وہابی و بدعتی یا شیعہ و سنی کا مباحثہ پایا نہیں جاتا۔ کوئی ہم کو ان کی کتاب میں اس قسم کا ایک مباحثہ دکھاوے تو ہم سے ہماری قدرت کے موافق جو انعام چاہے پاوے۔ کوئی مرد میدان ہے آوے۔

نواب صاحب کی کتاب تو درکنار اس قسم کے مباحثے ان کی زیر حکومت ریاست میں ہونے نہیں پاتے۔ کبھی کسی نے سستانہ جو گا کہ جیسے وہلی، مراد آباد، بریلی، لکھنؤ، بنارس، لاہور، امرتسر، وزیر آباد، سیالکوٹ، فرید کوٹ، وغیرہ پنجاب و ہندوستان میں مذہبی مباحثے حنفیہ و اہلحدیث و سنی و شیعہ و وہابی و بدعتی کے ہوتے ہیں۔ ویسا مباحثہ کبھی شہر یا ریاست بھوپال میں ہوا ہو یا اس مضمون کا کوئی رسالہ نواب صاحب یا ریاست بھر میں کسی اور کی طرف سے نکلا ہو۔

ہاں اوائل عمر میں اور زمانہ طالب علمی کے قریب نواب صاحب نے ایک دور سالہ مولود و ورد شیعہ میں لکھا تھا۔ جس کا نام کلمۃ الحق و کشف الالباس

انہوں نے رکھا تھا۔ مگر اس وقت نواب صاحب کو یہ کمال علمی و حکمت عملی حاصل نہ تھا۔ اس وقت ان کا خیال و حال و حال اس طرزِ محاصرتہ سے ایسا مخالف ہو گیا ہے کہ ایسے محاصرتہ رسائل کو انہوں نے اپنی تصنیفات کے عداد سے نکال دیا اور اپنی مصنفات کی فہرست سے خارج کر دیا ہے اس سے زیادہ واضح و روشن دلیل باہمی مناظرات سے فزرت و کراہت پر کوئی کیا دکھا سکتا ہے جو نواب صاحب بہادر نے قائم کر دکھائی ہے۔

اس حالت میں نواب صاحب یا ان کی تصنیفات کو مذہبی مباحثات حنفیہ و اہل حدیث کی طرف منسوب کرنا خلاف واقع نہیں تو کیا ہے۔ اور ان تصانیف کی نسبت یہ کہنا کہ وہ انبار بے سود ہے یعنی اس کو مسلمانوں کی قومی ترقی میں کچھ دخل نہیں ہے سراسر ناواقف اور کم فہمی پر مبنی ہے۔ یہ بات بجز اس شخص کے جو مذہب کو قومیت کا جہز نہ سمجھتا ہو کوئی نہیں کہہ سکتا۔ اور ایسا سمجھنے والا نہ صرف اپنی ناواقفی و لاعلمی معنی قومیت سے ظاہر کرتا ہے۔ بلکہ وہ اس بات کا بھی اظہار کرتا ہے کہ اس کو قومیت سے تعلق نہیں ہے گو وہ قومی ترقی کا زبان سے خواہاں ہے۔

راقم ریویو نے ان کا کلام نقل کیا ہے جس کا ٹھیک ٹھیک مطلب یہ ہے کہ مذہب میں پیروی اقوام یورپ جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے مذہب کو نقصان پہنچتا ہے جو ترقی قومی کے منافی ہے معلوم نہیں مولانا صاحب نے یہ بات کہہ کر وہ بات کیونکر کہی یہ بات بھول گئے یا وہ بے سوچے قلم سے نکل گئی۔ اور جب کہ بشادات اس بیان با برہان اور با اعتراف قومی ترقی خواہاں بلکہ با قراکتہ چینیاں تصانیف نواب صاحب والا شان یہ امر ثابت و محقق ہے کہ مذہبی ترقی بھی قومی ترقی کا جزو ہے اور قومی ترقی

بدوں ترقی مذہبی ناممکن و نامنظور و متصور ہے تو پھر اگر نواب صاحب
مدوح نے اپنی تصانیف میں مذہب کو ترقی دی اور مذہبی مسائل کی حفاظت
اور اشاعت کی تو ان کی تصانیف کو انبار بے سود کہنا کیونکر صحیح ہے اور
ان کو ترقی قومی اہل اسلام سے خارج و بے دخل ٹھہرانا کیا معنی رکھتا ہے
کہ موہانی صاحب ان کی نسبت ایسے الفاظ نا ملائم فرماتے ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ تصانیف نواب صاحب نے مذہبی ترقی کی ہے یا
نہیں اور ان تصانیف سے مذہبی مسائل کی حفاظت اور اشاعت ہوئی
یا نہیں جیسے کہ ان سے پہلے دینی تصانیف علماء سلف و خلف سے مذہبی
ترقی و اشاعت ہوئی ہے۔ اس کا تصفیہ ہم عموماً ناظرین اور خصوصاً حضرات
نکتہ چین پر چھوڑتے اور منجملہ تصانیف نواب صاحب دس بیس کتابوں
کا نام ایک نقشہ کے ضمن میں بتا دیتے ہیں۔ ناظرین و حضرات نکتہ چین
برائے خدا دچار برس لگا کر ان کتابوں کا مطالعہ کر کے خود ہی ہم کو بتاویں
کہ ان کتابوں میں حمایت اشاعت و ترقی دین پائی جاتی ہے یا نہیں اور اس کا
نفع دین میں ان کتب دینیہ سے جو ان سے پہلی تصنیف ہو چکی کچھ کم ہے یا
ان سے زیادہ۔

(نقشہ بر صفحہ آئندہ)

نقشہ بعض مؤلفات نواب صاحب بہادر بھوپال سلمہ اللہ بالتوفیق والاقبال

نمبر	نام کتب	علم	زبان	کیفیت
۱	فتح البیان فی مقاصد القرآن	تفسیر	عربی	چار مجلد میں ہے کہ ہر ایک ان میں سے تقریباً ہزار ہزار صفحہ میں ہے۔ صحت و سند میں سابقہ سب تفسیروں سے فائق ہے۔
۲	عون الباری شرح تجرید مختصر بخاری	حدیث	"	۸ مجلد میں ہے جو اکثر پانچ پانچ سو صفحہ میں ہے۔ اس میں صحیح بخاری کے عقدوں کو جو قرآن کے دوسرے درجہ میں ہے۔ مل گیا ہے
۳	مسک الختام شرح بلوغ المرام	"	فارسی	گیارہ سو صفحہ میں ہے۔ اس میں حدیث و مذاہب فقہیہ کی عمدہ تحقیق ہے۔
۴	اکسیر فی اصول التفسیر	تفسیر	"	۱۲۰ صفحہ میں ہے اس میں مسائل تفسیر اتقان و فوز الکبیر وغیرہ مؤلفات سلف و خلف کو عمدگی سے جمع کیا ہے۔

نمبر	نام کتب	علم	زبان	کیفیت
۵	منہج الوصول	اصول حدیث	فارسی	۱۳۳ صفحہ میں ہے۔ یہ کتاب اصول حدیث میں جامع کتاب ہے۔
۶	ہدایۃ السائل	فقہ حدیث	"	۵۲۲ صفحہ میں ہے۔ اس میں ادق دعوے کے آثار مسائل فقہیہ کو بطور سوال و جواب بیان کیا ہے۔
۷	اشحاف النبلاء	تاریخ	"	۲۴۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں ائمہ محدثین و فقہاء کے تاریخی حالات اور ان کی مصنفات کو بیان کیا ہے۔
۸	افادۃ الشیوخ بفتح النسخ والمسنون	اصول تفسیر	"	۸۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں تمام ناسخ و منسوخ آیات و احادیث کو ایسے طور پر ذکر کیا ہے کہ گویا دریا کو گوزہ میں جمع کیا ہے۔
۹	حصول المامول	اصول فقہ	عربی	۱۳۸ صفحہ میں ہے۔ اس میں اصول فقہ کے مسائل کثرت سے وارد کئے ہیں۔
۱۰	روضۃ تدبیر شرح دُرر بہیمہ	فقہ حدیث	"	دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ اس میں ان مسائل فقہیہ کو جو ظاہر حدیث کے موافق ہیں معہ بیان اختلاف مذاہب مدلل کیا ہے۔

نمبر	نام کتاب	علم	زبان	کیفیت
۱۱	حج الکرامۃ	تاریخ	فارسی	۵۰ صفحہ میں ہے اس میں تاریخ کے علاوہ مسائل دینی بھی کثرت سے ہیں۔
۱۲	ظفر اللامنی	فقہ	عربی	۱۶۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں ان احکام اسلام کا بیان ہے جن کی رعایت قاضیوں پر واجب ہے۔
۱۳	ذخیر المحتسب	فقہ	"	۱۱۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں منفقوں کے لیے واجب رعایت احکام اسلام بیان ہے۔
۱۴	لقطۃ العجلان	تاریخ	"	۱۰۰ صفحہ میں ہے۔ اس میں تاریخی حالات کے علاوہ مسائل اسلامی کثرت سے ہیں۔
۱۵	فتح المغیب	فقہ حدیث	اردو	اس میں ان مسائل فقہیہ کا بیان ہے جو حدیث سے ثابت ہیں۔
۱۶	ریاض المرئاض	سلوک و تصوف	فارسی	۳۲۸ صفحہ میں ہے۔ اس میں وہ سلوک بیان ہو رہے جو کتاب و سنت سے ثابت ہے۔
۱۷	رحلۃ الصدیق	فقہ	عربی	۹۲ صفحہ میں ہے اس میں مسائل حج و عمرہ بیان ہوئے ہیں۔

نمبر	نام کتاب	علم	زبان	کیفیت
۱۸	موائد العوائد	حدیث	فارسی	۲۵۴ صفحہ میں ہے۔ اس میں مختلف مضامین کی احادیث کو بحذف اسناد وارد کیا ہے۔
۱۹	جنہ فی الاسوۃ الحسنۃ بالسنتہ	اصول فقہ	عربی	۱۰۸ صفحہ میں ہے۔ اس میں اتباع سنت و تقلید کے مسائل کو بلا خطاب خاص کسی شخص یا فرقہ کے بیان کیا ہے۔
۲۰	شرح الاعتقاد الصحيح	عقائد	عربی	۷۶ صفحہ میں ہے۔ اہل سنت کے عقائد قدیمہ کا بیان ہے۔
..

اس قسم کی اور ان مضامین کی کتابیں مؤلفہ نواب صاحب اور بہت ہیں۔ جن کی تعداد ہمارے علم میں سو کے قریب ہے۔ حضرات نکتہ چین ایمان و انصاف کو پیش نظر رکھ کر کہیں کہ کیا یہ کتابیں بے سود ہیں۔ اور اہل اسلام کا ان میں دینی فائدہ نہیں ہے۔ ایسا کہیں تو براہ مہربانی یہ بھی ہم کو بتادیں کہ ان کے مقابلہ میں اور کون سی کتابیں سود مند ہیں جن سے مسلمانوں کو دینی فائدہ ہے۔ ان سے کتب مؤلفہ نواب صاحب کا موازنہ و مقابلہ کیا جاوے گا۔ اور عام مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں ان کا مفید و غیر مفید ہونا بتایا جاوے گا۔

بالجملہ جو کچھ موہانی صاحب نے نواب صاحب کی تالیفات کی

نسبت کہا ہے۔ اس کو صحت و نفس الامر سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ہم
 اُمید کرتے ہیں کہ موبانی صاحب اس اپنی رائے کو واپس کر لیں گے۔ یہ
 جرات و سختی پرستی حاصل نہ ہو تو اس پر نظر ثانی تو ضرور کریں گے۔
 دفتوس الکلمہ علی رؤس الجملہ ص ۱۰۶-۱۰۷

مجدد

کسی کے ذاتی و شخصی وصف متقصت یا کمال سے بحث کرنا چنداں
 ضروری امر نہیں ہے۔ مگر جب وہ ذاتی و شخصی وصف قومی وصف ہو جائے
 اور اس کا اثر ایک قوم پر پہنچے تو وہ وصف ذاتی و شخصی نہیں رہتا۔ اور اس سے
 بحث قومی ضروریات سے ہو جاتی ہے۔

مثلاً ایک شخص کسی کی نسبت شہادت دینا چاہتا ہے اور اس کے کلام
 کا اثر اس کی جان یا مال پر پہنچنے والا ہے تو اس کے ذاتی چال و چلن سے بحث
 کرنا ضروری و قومی امر ہے۔ ایسا ہی اگر کوئی شخص کسی قوم کا رہنما و مقتد ہے
 اور اس سے عام لوگوں کی ہدایت یا ضلالت متصور ہے تو اس کے ذاتی
 حالات سے بحث کرنا۔ ان لوگوں کا اعلیٰ فرض ہے جو قومی امور میں
 بحث کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اسی اصول پر محدثین نے سنہ سے خلف تک حدیث کے راویوں

لے اصول جمع یعنی قانون ہے اور لفظ کسی ایک قانون پر اس کا اطلاق صحیح نہیں
 ہے مگر چونکہ عام لوگ بجائے اصل لفظ اصول بولتے ہیں۔ اور اگر لفظ اصل بولا جائے
 تو سمجھ نہیں سکتے۔ لہذا ہم نے بھی وہی عام فہم لفظ اصول بجائے اصل بولا ہے

اور دین کے اماموں کے حالات سے بحثیں کی ہیں۔ اور فن اسما والرجال میں کتابیں لکھی ہیں۔ اور مؤرخین نے سلاطینِ زمان وغیرہ اعیان کے حالات میں تاریخیں تالیف کیں۔

اسی اصول پر ہم بھی بعض اوقات بعض اعیان اسلام کے حالات سے بحث کرتے ہیں۔ ان کے نشر مناقب و محامد کو موجب ہدایت ہزاروں اشخاص کا جو ان کی طرف رجوع کریں، ان کی تالیف سے ہدایت پائیں، خیال کر کے اشاعت السنہ میں ان کے فضائل و کمالات کو بیان کرتے ہیں اس امر کو اگر کوئی ذاتی و شخصی بحث سمجھے تو یہ اس کی تانہی ہے اور جو اس کو اخبار نویسوں کی سی خوشامد تصور کرے یہ اس کی سوزن و بدگمانی ہے۔ یہ بدگمانی ہر ایک کام میں (اچھے سے اچھا کیوں نہ ہو) ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک شخص دوپہر کی دعوت میں نماز کے لیے کسی مسجد میں آتا ہے۔ اس کے اس فعل میں یہ بدگمانی ہو سکتی ہے کہ یہ ریا کار ہے۔ اس فعل سے یہ تفسیر خلائق بد نظر رکھتا ہے) مگر خدا اور رسول قرآن و اسلام ہم کو اس بدگمانی سے مانع ہیں۔ اور ہر ایک مسلمان کے فعل میں (گو وہ بدعتی سے کیا گیا ہو) حسن ظنی و نیک نیتی کے گمان کرنے کو واجب کرتے ہیں۔ چنانچہ اشاعت السنہ نمبر اولیٰ میں بصفہ و کتاب و سنت سے اس کا ثبوت دیا گیا ہے) لہذا کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ ہمارے یا کسی مسلمان کے فعل میں وجہ تک کہ اس کے پاس ایسی قطعی دلیل بدگمانی کی جو خدا نے تعالیٰ کے سامنے قیامت کے دن چل سکے، موجود نہ ہو بدگمانی کرے۔ آئندہ اختیار ہے قیامت قریب

اور علق العام فصیح کا لحاظ کیا۔

ہے۔ خدائے تعالیٰ رقیب ہے۔ اگر اس بدگمانی پر قطعی دلیل نہ ہوگی تو خدا تعالیٰ سے جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی اس بات کو عوام نہیں تو مولوی صاحبان تو سوچیں جو قرآن کو موت کو حساب کو پس پشت ڈال کر ہمارے بعض معنایں پر جھٹ فتوے لگاتے ہیں کہ یہ فلا نے صاحب کی خوشامد کے لیے ہے۔ اور یہ انگریزوں کی تالیف کے لیے ہے و علیٰ ہذا القیاس۔

اسی اصول پر ہم نے پرچہ سابقہ (نمبر ۶ جلد ۶ میں ایک مضمون بعنوان ”نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیفات“ لکھا تو اس کے ضمن میں نواب صاحب ممدوح کی نسبت بلا اختیار یہ فقرہ مدحیہ قلم سے نکل گیا کہ:

”جناب ممدوح کو بعض علماء نے اس صدی کا مجدد و قرار دیا ہے؛

اس پر ہمارے ایک خیر خواہ دوست مولوی صاحب نے جو ایک لکھنوی اخبار کے ایڈیٹر ہیں یہ نکتہ چینی کی ہے کہ نواب صاحب ممدوح نے ایک مصور کو تصویر پر انعام دیا یا ریاست سے دلویا ہے اور اپنی تصویر قد آدم کو تاج محل بھوپال میں رکھوایا ہے“

اور ضمناً ہم پر بھی یہ اعتراض جڑ دیا ہے کہ:

”ہم نے ان کو ایسی حالتوں کے ساتھ مجدد کیوں قرار دیا ہے“

اس مقام میں ہم اس دوست کا ازالہ شبہ و شکایت کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اول تو نواب صاحب سے یہ فعل سرزد نہیں ہوا اور اگر بقول کسی مفتری و دروغ گو کے اس کا وقوع مان بھی لیا جاوے تو اس سے ان کا مجدد ہونا زائل نہیں ہوتا۔

مجدد ہونے کے لیے معصوم ہونا شرط نہیں ہے اور منصب مجددیت عین منصب نبوت یا اس کا مساوی نہیں ہے کہ مجدد سے کوئی خطا یا گناہ ہونا نہ پاوے۔ اس کی شرط اور معنی یہی ہیں کہ مجدد وہ ہے جو علم اور سنت کی اشاعت اور بدعت کی امانت عمل میں لاوے، اور دین کو مدد پہنچاؤ اور جناب ممدوح سے علم و سنت کی اشاعت اور اسلام کی معاونت اور بدعت و منکرات کی بیخ کنی اس کثرت سے ہوئی ہے کہ پچھلے مجددین میں اس کی نظر ٹرک پائی جاتی ہیں۔ اور اس کے مقابلہ میں وہ منکرات جن کو ہمارے دست ان کے ذمہ لگاتے ہیں۔ (اگر ان کو مان بھی لیا جاوے) بقول اے ارشاد واجب الانقیاد ان الحسنات یذہبن السيئات۔ لائق اعتبار و شمار نہیں ہے۔

ہم پہلے اسی شق (دوم) کا ثبوت دیتے ہیں۔ شق اول (ان افعال کے ان سے سرزد ہونے) کی سمجھے تفصیل کریں گے۔ وبالله التوفیق۔

ثبوت شق دوم

واضح ہو کہ یہ لفظ مجدد ایک حدیث نبوی کا لفظ ہے جس کو ابو داؤد نے اپنی کتاب سنن میں روایت کیا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قِيمًا أَعْلَمَ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى كُلِّ بَايْتَةٍ سَنَةً. مَنْ يُجِدِّدْ لَهَا
رَدِّيْنَهَا. (سنن ابو داؤد ص ۳۲۳ جلد ۲)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے خدا کے تعالیٰ اس امت کے لیے ہر ممدیٰ پر ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو ان کے دین

کو نیا کریں گے (یعنی رواج دیں گے اور قائم کریں گے)۔
 اس حدیث کی صحت پر محدثین کا اتفاق ہے گو اس کی تعبیر مصداق
 میں ان کا اختلاف ہے۔ کوئی کسی کو اس کا مصداق بناتا ہے۔ کوئی کسی کو
 اور اس لفظ مجدد کے معنی سمجھی یہی بیان کرتے ہیں کہ جو سنت کو بدعت
 سے جدا کرے اور علم کو پھیلاوے اور بدعات و منکرات کو ہٹاوے یہ کسی
 نے نہیں کہا کہ مجدد وہ ہے جو نبیوں کی طرح معصوم ہو، اور کوئی خطا یا گناہ
 نہ کرے۔

امام جلال الدین سیوطی نے مرقاة المصعود شرح سنن ابوداؤد میں کہا ہے
 هذا الحديث اتفق الحفاظ على تصحيحه منهم الحاكم في المستدرك
 والبيهقي في المدخل ومن نص على صحته من المتأخرين الحفاظ ابن
 حجر فآخذ الحاكم في المستدرك عن ابن وهب عن يونس عن الزهري
 قال فلما كان في راس المائة من الله على هذه الأمة بعمر بن عبد العزيز
 قال الحفاظ بن حجر وهذا يشعربان الحديث كان مشهوراً في ذلك
 العصور فقيه تقوية لسندة مع انه قوي الثقة رجاله انتهى وقال ابو جعفر
 النحاس في كتاب النسخ والمنسوخ قال سفيان بن عيينة بلغني انه
 يخرج من العلماء من يقوى الله به الدين وان يحيى بن آدم عنى منهم
 وقال ابو بكر البزاز سمعت عبد الملك بن عبد الحميد البجلي يقول كنت
 عند احمد بن حنبل فحجرت ذكر الشافعي فحدثت وقال يروي عن النبي
 صلى الله عليه وسلم انه قال يبعث الله لهذه الأمة على راس كل مائة سنة
 من يقدر بها دينها قال فكان عمر بن عبد العزيز على راس المائة الاولى
 وارجوان يكون الشافعي على راس المائة الاخرى واخرجه البيهقي عن طريق

ابن سعید الفریابی قال قال احمد بن حنبل ان الله يقبض من راس كل مائة سنة من يعلم الناس السنن وينقى عن رسول الله الكذب ننظرنا فاذا في راس المائة همير بن عبد العزيز في راس المائتين الشافعي واخرج ابو اسمعيل الهروي من طريق حميد بن زنجويه قال سمعت احمد بن حنبل يقول يروي في الحديث عن النبي صلى الله عليه وسلم ان الله يمتن على اهل دينه في راس كل مائة سنة برجل من اهل بيتي ليدين لهم امر دينهم۔

(مرقاۃ الصعود)

حدیث کے حافظ اس حدیث کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔ ازاں جملہ حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں اس کی تصحیح کی ہے۔ اور پچھلے اماموں سے حافظ ابن حجر نے اس کی صحت بیان کی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ متقدمین نے بھی اس حدیث کے ذکر سے زبان ہلائی ہے۔ حاکم نے مستدرک میں ابن وہب سے اس نے یونس سے اس نے زہری (تابعی) سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ پھر کہا زہری نے فرمایا ہے کہ جب پہلی صدی کا خاتمہ ہونے لگا تو خدا تعالیٰ نے اس امت پر عمر بن عبدالعزیز (خلیفہ) کے وجود سے فضل کیا یعنی پہلی صدی کا مجدد بنایا، حافظ ابن حجر نے فرمایا ہے کہ زہری کا یہ قول بتا رہا ہے کہ یہ حدیث تابعیوں کے زمانہ میں بھی مشہور تھی۔ اس میں اس کی سند کی تقویت پائی جاتی ہے۔ باوجودیکہ اس کی سند راویوں کی جہت سے بھی قوی ہے۔ ابو جعفر سخاس نے کتاب ناسخ و منسوخ میں کہا ہے کہ سفیان بن عیینہ (تابع تابعین) نے فرمایا ہے مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ خدائے تعالیٰ علماء سے ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا۔ جن سے دین کو قوت دے گا۔ میرے خیال میں یحییٰ بن آدم (محدث) ان میں سے ہے۔ ابو بکر بزار

نے کہا ہے میں نے عبد الملک سے سنا وہ کہتے ہیں میں احمد بن حنبل کے پاس بیٹھا تھا۔ وہاں امام شافعی کا ذکر چل پڑا تو میں نے امام احمد بن حنبل کو دیکھا کہ وہ امام شافعی کو اُونچا کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی پر ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا جو دین کو قائم کریں گے۔ سو پہلی صدی پر عمر بن عبد العزیز ہوئے اور مجھے اُمید ہے کہ دوسری صدی کے مجدد امام شافعی ہوں۔ بیہقی نے دوسری صدی سے امام احمد بن حنبل سے نقل کیا ہے کہ خدائے تعالیٰ ہر صدی پر ایسے لوگوں کو مقرر کرتا ہے جو لوگوں کو احکام دین سکھادیں اور آنحضرت کی حدیث سے لوگوں کا افترا ہٹاویں۔ ہم نے خیال کیا تو پہلی صدی میں عمرو بن عبد العزیز اور دوسری صدی میں امام شافعی کو پایا۔ ایسا ہی امام احمد بن حنبل سے ہر وہی نے اور سند سے روایت کیا ہے۔ اس میں یہ ذکر ہے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت سے خدا ایسے لوگوں کو پیدا کرے گا۔ جو اہل کو دین کی بات بناویں۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے تجدید دین کے یہ معنی ہیں کہ وہ شخص سنت کو بدعت سے جیتز کرے گا۔ اور علم کو پھیلانے کا۔ اہل علم کی عزت کرے گا اور بدعت کی بیخ کنی کرے گا۔ اور اہل بدعت کی شوکت توڑے گا۔

تیسرے شرح جامع صغیر میں ہے:

من یجدد مفعول ببعث لہا ای لہذا الامۃ دینہا ان یتبین السنۃ من البدعة دین اہلہ ویقیم البدعة ویکتسراہلہ -

(مرقاۃ)

اس حدیث میں مجدد سے مراد عام ہے ایک آدمی ہوں یا کئی ہوں۔ وہ ہے جو سنت کی بدعت سے تمیز کرے اور اہل بدعت کو ذلیل۔ ابن کثیر نے کہا ہے کہ:

ان الله يبعث لهداة الامة على راس كل مائة سنة من رجلا او اكثر
يحدد لها دينها اى يبين السنة من البدعة ويذل اهلها قال ابن كثير
ويدعى كل قوم فى امامهم انه المراد والظاهر حملہ على العلماء من كل
طائفة۔ (تيسير شرح جامع الصغير)

ہر ایک گروہ اس امر کا مدعی ہے کہ اس گروہ کا امام اس حدیث میں مراد
اور اس کا مصداق ہے۔ اور ظاہر یہ کہ سبھی گروہ کے علماء کو اس میں داخل
سمجھا جاوے۔

جمع البحار میں بشرح جامع الاصول سے نقل کیا ہے کہ:

وحدیث یبعث علی راس کل مائة سنة من یجدد دینہا اختلفوا فیہ و
کل فرقة حملوه علی امامهم والاولی الصل علی العموم ولا یختص بالفقهاء
فان انتفاعهم بالاولی الامر والمحدثین والفقهاء والوعاظ والزهاد ایضا
کثیر والمراد من انقضت المائة وهو حی عالم مشہور۔

ج والحدیث اشارة الى جماعة من الاکابر علی راس کل مائة ففی راس
الاولی عمر بن عبد العزیز ومن الفقهاء والمحدثین وغیرهم مالا یحصی
ففى الثانية المامون والشافعی والسن بن زیاد واثم شیب انصاکی وعلی بن
مرین ویحیی بن معین ومعروف الکرخی وعلی الثالث المقتدر و ابو جعفر
الطحاوی البصنی و ابو جعفر الرمامی و ابو الحسن الاشعری والنسائی و
علی الترابی القادر بالله و ابو حامد الاسفرائینی و ابو محمد الخوارزمی

الحنفی والسرقتی اخو الرضا الامامی وعلی راس الغمام المستظهر
بالله والغزالی والقاضی فخرالدین الحنفی وغیرہم۔ ش۔

(مجمع البحار ص ۱ جلد ۱)

اس مجدد کی تعیین مصداق میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ ہر ایک فرقہ
اس کو اپنے ہی امام پر لگاتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ اس کو عام سمجھا جاوے، اور
فقہاء مذاہب سے مخصوص نہ کیا جاوے۔ کیونکہ لوگوں کا دین میں نفع اٹھانا
سلاطین اور محدثین اور قاریوں اور واعظوں اور زاہدوں سے بھی بہت ہوا
ہے۔ اور اس سے مراد وہ شخص ہے جو صدی گزرنے کے وقت زندہ ہو
اور شرح شفاء سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں اس جماعت کا برکی
طرف اشارہ ہے جو ہر صدی میں ہوتے۔ سو پہلی صدی میں (خلفاء سے)
عمر بن عبدالعزیز تھے، اور فقہاء و محدثین وغیرہ سے بے شمار تھے۔ دوسری
صدی میں (خلفاء سے) مامون اور (فقہاء سے) امام شافعی و حسن بن زیاد و
اشہب مالکی اور (محدثین میں سے) علی بن موسیٰ و سیحی بن معین اور (زاہدوں
میں سے) معروف گرخی، تیسری صدی پر (خلفاء سے) مقدر باللہ اور (فقہاء
سے) ابو جعفر طحاوی اور ابو جعفر امامی اور ابو الحسن الاشعری اور (محدثین
میں سے) نسائی چوتھی صدی پر (خلفاء سے) القادر باللہ اور (فقہاء سے)
ابو حامد اسفرائینی اور ابو بکر خوارزمی حنفی اور مرتضیٰ امامی رضا کا بھائی پانچویں
صدی پر خلفاء سے مستظهر باللہ اور فقہاء و زاہدوں سے) امام غزالی و
قاضی خاں حنفی وغیرہم۔

ان عبارات اجلہ علماء و حنفیہ و شافعیہ میں ہمارے معترضین اور

ناظرین غمور کی نگاہوں سے نظر کریں، اور انصاف سے کہیں کہ مجدد کے کیا معنی ہیں۔ اور جن لوگوں کو پہلے علماء نے مجدد قرار دیا ہے۔ ان میں کیا اوصاف پائے جاتے ہیں؟ جن کے سبب وہ مجدد قرار پائے۔ اور وہ کسی گناہ یا خطا کے محل نہ تھے؟ پھر انصاف سے یہ بھی بتائیں کہ جس شخص (نواب صاحب بھوپال) کا مجدد ہونا ہم نے بعض علماء سے نقل کیا ہے ان میں وہ اوصاف (کل یا جز) پائے نہیں جاتے؟ اور ان میں پہلے مجددوں کی نسبت زیادہ خطا یا گناہ موجود ہیں؟

جہاں تک وہ فکر کو جو لانی دیں گے ان مجددین کے اوصاف وہ اس سے بڑھ کر نہ پاویں گے کہ ازاں جملہ مجددین خلفاء نے عدل و انصاف کیا۔ شعائر اسلام کو پھیلایا، ظلم و منکرات کو اٹھایا۔ اور مجددین علماء نے احکام شرعیہ کو کتاب و سنت سے مستنبط فرمایا اور کتاب و سنت اور ان دونوں سے مستنبط احکام کو عالم میں بذریعہ تقریر و تحریر و تالیف شائع کیا۔ اور مع ذلک ان اوصاف کے مقابلہ میں وہ ان میں کچھ نقص و خطا بھی پاویں گے جن سے کوئی بشر بعد انبیاء خالی نہیں ہے۔

یہی حال اس شخص کا ہے جس کا مجدد ہونا ہم نے بعض علماء سے نقل کیا ہے۔ پھر ہم پر کیا اعتراض ہے ہم اس مقام میں بعض سابق مجددین کے حالات بطور تمثیل بیان کرتے ہیں۔ اور ان کے مقابلہ میں اس شخص کے حالات بھی معرض بیان میں لاتے ہیں۔ ناظرین و معترضین ان کے اور ان کے حالات میں مقابلہ و موازنہ کریں۔ پھر انصاف سے کہیں کہ وہ شخص ان حالات کے نظر سے سابق مجددین کی نسبت اس لفظ کے اطلاق کا زیادہ مستحق ہے یا نہیں۔

پس واضح ہو کہ اگرچہ مجددین مذکورین سے بعض اکابر میں بعض ایسے
 انحصار اوصاف پائے جاتے ہیں جو آج کل کہاں، ایک مدت سے عنقا
 ہو رہے ہیں (جیسے امام شافعی میں اجتہاد مطلق مستقل - اور یحییٰ بن معین
 و نسائی میں حدیث کی امامت اور عمر بن عبدالعزیز میں کمال عدالت (جس
 کے سبب بھیڑ یا بکری ایک جنگل میں مل کر چلتے اور چوتے تھے - اور معروف
 کرخی رۃ میں زہد و ریاضت و علیٰ ہذا القیاس)

مگر ان ہی لوگوں میں اور بعض اور مجددوں میں وہ اوصاف (جن کی
 نظر سے وہ مجدد کہلائے) ایسے عام اور وسیع ہیں - جو اکثر زمانوں کے بہت
 سے علماء و ارباب شوکت میں بکثرت پائے گئے ہیں - جیسے عام عدالت و
 علم و فقہانیت و حدیث کی روایت و اشاعت اور کتابوں کی تالیف و
 تصنیف و اتباع سنت کا پھیلانا بدعت و منکرات کا مٹانا و علیٰ ہذا القیاس -
 تحلیف قادر بائند (چوتھی صدی کے مجدد) کے حالات و اعلیٰ اوصاف
 تاریخ الخلفاء وغیرہ میں یہ بیان کئے ہیں کہ:

وكان القادر بالله من النبیات والسیارة وادامة التهجید و كثرة
 الصدقات وحسن الطريقة علی صفة اشتهرت عنه تفقه علی العلامة
 ابی بشر الہروی الشافعی وقد صنفت کتاباً فی الاصول ذکر فیہ فضایل الصحاء
 و کفار المعتزلة و القائلین بخلق القرآن و كان ذلك الكتاب یقرؤ
 فی کل جمعة فی حلقة اصحاب الحدیث بجامعة المهدی و بحضرة الناس و
 ناهیک بان الشیخ تقی الدین بن الصلاح عدہ من الفقہاء الشافعیة و اذہ
 فی طبقاتہم - (تاریخ الخلفاء - ۴۳۳ - ۴۳۴)

وہ ہمیشہ تہجد پڑھتے اور کثرت سے خیرات کرتے تھے - انہوں نے

اصول میں ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ جس میں صحابہ کے فضائل بیان کئے اور معتزلہ اور قرآن کو مخلوق کہنے والوں کی تکفیر کی وہ کتاب حلیقہ مہدی کی جامع مسجد میں ہر جمعہ اہل حدیث کے حلقہ میں عام لوگوں کے سامنے پڑھی جاتی تھی۔ ان کی فضیلت کے لیے تجھے یہی کافی ہے کہ شیخ تقی الدین ابن الصلاح نے ان کو فقہاء و شافعیہ سے شمار کیا ہے۔ اور ان کے طبقات میں داخل کر لیا۔

اور حلیقہ مستنصر باللہ (پانچویں صدی کے مجدد) کے اعلیٰ فضائل یہ بیان کئے ہیں کہ:

قال ابن الاثیر کان لین الجانب کریم الاخلاق یسارع فی اعمال البر حسن الخط جید التویعات لایقارنہ فیہا احد یدل علی فضل عز یر و علو واسع سہجاً جواداً محبباً للعلماء والصلحاء وفی سنتہ احدی ونحس مایة رفع السلطان الضرایب والمکوس بیعداد وکنز الدعاء لہ وناذر العدل وحن السیاسة۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۳، ص ۳۴)

”وہ متواضع اور خوش اخلاق تھے۔ نیک کاموں میں جلدی کرنے والے خوشخط عمدہ فرمان نویس۔ ان باتوں میں کوئی ان کا قرین نہ تھا۔ صاحب فضل و علم وسیع و جواں مرد و سخی و علما، صلحا و دوست تھے۔ ان کی خلافت میں سلطان نے بغداد والوں سے جزیہ اٹھا دیا۔ اور عدل و انصاف بہت کیا۔ جس کے سبب ان کے لیے دعا بکثرت ہوئی۔“

اور حلیقہ مقتدر باللہ تیسری صدی کے مجدد کی فضیلت بیان کی ہے کہ:

وفی ثلث مایة ادخل الحسین الحلح مشہوراً اعلیٰ جمل الی بغداد فصلب

حیا و نودی علیہ هذا احد دعایة القرامطة فاعرفوه ثم حبس الی ان قتل
فی سنة تسع و اشیع علیہ انه ادعی لالوہیة و كان المقتدر جیدا لعقل
صحيح الدأى -

” انہوں نے حلاج (منصور) کی اونٹ پر سوار کر کے تشہیر کی۔ پھر اس کو
سولی پر چڑھایا اور لوگوں میں پکارا گیا کہ فرقہ قرامطہ کا داعی ہے۔ آخر نویں
سال وہ مارا گیا۔ اور یہ مشہور کیا گیا کہ یہ الوہیت کا مدعی تھا۔ اور لکھا ہے
کہ خلیفہ مقتدر راشد کی عقل جید تھی اور رائے صحیح۔“
خلیفہ مامون (دوسری صدی کے مجدد) کے اعلیٰ فضائل یہ بیان کئے
ہیں کہ:

جمع الفقہاء من الافاق و برع فی الفقہ و العربیة و ایام الناس و
كان افضل من رجال بنی العباس حزمًا و عزمًا و عدلًا و رأیًا و هدیة و
شجاعة و سوادًا و سماحةً قال ابو معشر المنجم كان المامون امانًا بالعدل
نقیہ النفس بعد من کبار العلماء۔ (تاریخ الخلفاء ص ۳۱۱)
” اس نے فقہاء کو جمع کیا اور فقہ و عربیہ و تواریح میں ماہر ہوا، اور وہ
عباسیوں سے عزم و علم و حلم و رائے و ہدیت و شجاعت و فراخ دلی وغیرہ میں
افضل تھا۔“

ابو معشر نے کہا ہے مامون عدل کرنے کا بہت حکم دیتا اور فقیہ النفس
تھا۔ بڑے علماء سے شمار کیا جاتا۔

اس قسم کے ان کے اور فضائل بیان کئے جن کا علم و فراست و
فہم و کیاست کئی طرف رجوع ہوتا ہے۔

یہ تو ان مجددوں کے اوصاف کمال ہیں۔ جن کے سبب وہ مجدد

کہلائے۔

ان کے مقابلہ میں ان میں ایسے اوصاف نقص بھی پائے جاتے ہیں جن کو خطار یا گناہ کہا جاسکتا ہے پھر ان اوصاف کی نظر سے ان لوگوں کو مجتہد ہونے سے خارج نہیں کیا جاتا۔

اس قسم کے اوصاف ہم ان سمجھی مجتہدوں کے بیان کریں تو یہ امر معیوب سمجھا جاوے گا۔ لہذا صرف ایک دو صاحبوں کے اوصاف کو بطور تمثیل بیان کیا جاتا ہے۔

خلیفہ مامون کی نسبت تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ :

ولمّا کذب عنی بالفلسفۃ وعلوم الازائل ومہر فیہا فجرہ ذلک الی القول بخلق القرآن وجعل ولی العہد بعدہ علی الرضا بن موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق حملہ علی ذلک افراطہ فی التشیع حتی قیل اندھم ان یخلع نفسه ویفوض الامر الیہ وفی سنۃ ثمان عشرۃ امتحن الناس بالقول بخلق القرآن فکتب الی نائبہ علی بغداد اسحق بن ابراہیم فی امتحان العلماء کتابا یقول فیہ الخ۔

(ایضاً ص ۳۱۳)

”جب وہ بڑا ہوا تو وہ علم فلسفہ اور حکماء قدیم کے علوم میں ماہر ہوا۔ اس امر نے اس کو اس بات کی طرف کھینچا کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونے کا قائل ہوا۔ اور اس کو تشیع میں افراط تھا۔ یہی امر اس کو امام علی بن موسیٰ کے ولی عہد کرنے پر باعث ہوا تھا۔ بعض کہتے ہیں اس نے یہ بھی ارادہ کر لیا تھا کہ خود خلافت سے دست بردار ہو جائے اور خلافت امام مذکور کے سپرد کر دے۔

اٹھارویں سال اس نے لوگوں کا مسئلہ قرآن کے مخلوق ہونے میں امتحان لینا شروع کیا اپنے نائب اسحق بن ابراہیم کی طرف (جو بغداد میں

تھا) خط لکھا جس کا مضمون طولانی ہے۔ اس پر اس نے علماء کو جمع کیا اور جواب لیا۔ علماء سے کسی نے ٹھایا کسی نے صاف جواب دیا۔ یہ حال اس کو پہنچا تو اس نے بعض علماء کی نسبت صاف حکم دیا کہ اُن سے قرآن مخلوق ہونے کا اقرار کروا دیا ان کا سر کاٹ کر میرے پاس بیچ دو۔ اس حکم کی تعمیل کا وقت نہ آنے پایا تھا کہ ملک الموت خدائے تعالیٰ کا حکم لے کر آپہنچا اور اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ:

واخرج عن محمد بن العباس كان المأمون يحب لعب الشطرنج شديداً
 ويقول هذا يشهد الذهن - واخرج من حدة طرق ان المأمون كان يشرب
 النبيذ واخرج عن اسحق الموصلي قال المأمون الذ الغنا صا طوبى لالام
 خطأ كان اوصوا بآنا - (من ۳۳)

• مامون شطرنج کھیلا کرتا۔ اور اس کھیل کو بہت دوست رکھتا تھا۔ اور کہتا کہ
 اس سے ذہن تیز ہوتا ہے۔

اور لکھا ہے کہ وہ بنیذ بھی پیا کرتا۔ اور اس کو راگ کا بھی شوق تھا وہ
 کہا کرتا کہ بالذت وہ سرود ہے جس سے سامع کو طرب (خوشی) حاصل ہو پھر
 خواہ وہ درست ہو خواہ نادرست۔

اور خلیفہ مقتدر باللہ کے حالات میں اس فقرہ منقولہ سابق کر:

وكان مقتدر بالله جيد العقل صحيح الرأي لكنه كان مؤثرا للشهوات الشرية
 صبيداً وكان النساء غلبن عليه فاخرج عليهن جميع جوهر الخلافة ونفاثتها
 واتفق امراء كثيرة وكان في دارة احد عشر من غلام نصيبان غير الصقالبة والروم و
 السود (تاريخ الخلفاء ص ۳۱۰) (في ص ۳۰۹ منه) وفي سنة ثنتين ختن المقتدر خمسة
 من اولاده فخرم على ختنهم ستمائة الف دينار وختن معهم طائفة من الايتام و حسن

تاریخ الخلفاء ص ۳۱۰ - (في ص ۳۰۹ منه) - وفي سنة ثنتين ختن المقتدر خمسة من اولاده فخرم على ختنهم ستمائة الف دينار وختن معهم طائفة من الايتام و حسن

وہ ”جید القول تھا“ کے ساتھ ہی فرمایا ہے کہ وہ نفسانی شہوتوں کو مقدم کرنے والا تھا۔ اور فضول خرچ۔ اس کی عورتوں نے اس پر غلبہ کیا تو اس نے خلافت کے جواہرات اور نفیس مال ان کو نکال کر دے دیئے، اور بہت سا مال تلف کر دیا۔ اس کے گھر میں قوم متقابلہ اور رومیوں اور جیشیوں کے سوا گیارہ ہزار خستی غلام تھے۔ یہ صفحہ ۳۹۴ میں بیان کیا ہے۔ اور صفحہ ۳۹۰ میں کہا ہے کہ اس نے اپنے لڑکوں کے ختنے کرائے تو ان پر پانچ لاکھ دینار خرچ کر دیئے۔ اور عید کی نماز شہر کی جامع مسجد میں پڑھائی۔ اس سے پہلے عید کی نماز جامع مسجد میں کبھی نہ پڑھائی جاتی تھی۔

اسی قسم کی باتیں بعض اور مجددوں میں پائی جاتی ہیں۔ ولکن ان سب کی تفصیل کی بالفعل مصلحت اجازت نہیں دیتی۔ سردست ہم ان ہی چند تمثیلات پر اکتفا کرتے ہیں۔ اور اگر ہمارے معترضین کسی مجدد کے بے گناہ و معصوم ہونے کا صریح دعویٰ کریں گے تو ہم بھی اس شخص میں اس قسم کی باتیں نکال کر گن سنائیں گے۔

اب ہم شہداء اوصاف کمال نواب صاحب بھوپال قلم میں لاتے ہیں اور ناظرین و معترضین سے ان اوصاف اور مجددین سابق الوصف کے اوصاف میں با انصاف مقابلہ و موازنہ کرنے کے خواستگار ہیں۔ واضح ہو کہ جس قدر اوصاف کمال علمی و عملی ہم نے مجددین سابقین کے نقل کئے ہیں۔ اور وہ ان میں فرادی فرادی پائے جاتے ہیں۔ وہ سبھی آپ کی ذات با برکات میں مجتمعہ موجود ہیں۔ لہذا ہم آپ کی نسبت بمقابلہ مجددین سابق الوصف بے شائبہ تکلف (شاعرانہ) یہ کہہ سکتے ہیں کہ

آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

اس کا سراور و بوجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے آپ کو علم و شوکت (نیابت سلطنت) و دونوں منصب مرحمت فرمائے ہیں۔ (جو اکثر مجددین سابق میں جمع نہیں ہوئے) اس لیے آپ ان سب مجددوں کے صفات کمال کے جامع ہوئے بلکہ اکثر مجددوں پر سبقت لے گئے۔

جس قدر تالیف و تصنیف کتب مختلف علوم کی اور ان کی اشاعت (جو منصب اول کے نتائج سے ہے) آپ سے ہوئی ہے۔ اس قدر مجددین سابق الوصف سے نہیں ہوئی یا کم ہوئی۔

آپ نے مختلف علوم (کتاب و سنت و فقہ و اصول وغیرہ) میں مختلف زبانوں (عربی، فارسی، ہندی) میں نہ صرف کتابیں تصنیف کر کے صدوقوں یا کتب خانوں میں رکھوا دی ہیں۔ بلکہ بصرہ ہزار ہا روپیہ جیب خاص سے چھپوا کر اکثر بلاد (ہندوستان و پنجاب و عرب و مصر و یمن و دمشق و بلغارو و بیروت وغیرہ) میں گھر گھر پہنچا دی ہیں۔ اور سارت بھا الرکبان ددارت فی البوادی و العمران کا مصداق بنا دیں۔

ان بلا میں ایسا کوئی شہر نہ ہو گا جہاں کوئی اہل علم ہو اور آپ کی تصنیف نہ ہو اور ان علوم اور ان کے خادموں میں ایسا کوئی علم نہ ہو گا یا کم ہو گا جس میں آپ نے کوئی تالیف نہ کی ہو۔

جن ادق مسائل اصول و فروع کو خواص فضلار کم جانتے تھے، ان کو آپ کی تصانیف کے ذریعہ سے ادنیٰ طلباء، بلکہ بعض عوام جانتے لگے ہیں۔ اور جن کتابوں حدیث و اصول کو اکابر علماء خواب میں دیکھنے کو بھی ترس رہے تھے۔ آپ کی توجہ سے اب وہ اصافہ طلباء کے مطالعہ

ہیں ہیں۔

علم ناسخ و منسوخ کتاب اللہ و سنت کو (جو اکابر محدثین و مجتہدین کے حصائص سے نفا) آپ نے ایک مختصر رسالہ میں بیان کر کے ایسا عام فہم کر دیا ہے کہ کس و ناکس (جو فارسی عبارت پڑھنے پر دسترس رکھتا ہے) اس کو ضبط کر سکتا ہے۔

علم اصول فقہ کو (جو انحصاراً جہاد سے ہے) آپ نے ایک مختصر کتاب میں اس آسانی سے واضح کر دیا ہے کہ غلطی سے استدعا و الا طالب العلم بھی اس علم پر احاطہ کر سکتا ہے۔

متون کتب حدیث (صحاح ستہ وغیرہ) کو آپ نے عام لوگوں کے لیے دستور العمل بنا دیا ہے۔ کئی کتابوں کا (جیسے موطا امام مالک، جامع ترمذی، و سنن ابو داؤد) آپ نے ہندی زبان میں ترجمہ کرا کے چھپوا دیا ہے۔ اور کئی کتابوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ) آپ کی توجہ سے مترجم ہو رہی ہیں۔

اور شروح کتب حدیث کی تصنیف و طبع و اشاعت سے آپ نے خواص علماء کو عمل بالحدیث و اجتہاد کا راستہ نکال دیا ہے۔ بعض کتب حدیث (جیسے مختصر صحیح بخاری و بلوغ المرام وغیرہ) کی شروح تو آپ نے خود تالیف کر کے چھپوا دی ہیں۔ اور بعض شروح متقدمین کی تالیف بصرہ زر کثیر طبع کرادی ہیں۔



کتاب مستطاب

نیل الاوطار شرح منتهی الاخبار (جو عمل بالمحدث واجتہاد کے لیے کافی ذریعہ ہے) آپ ہی کی توجہ سے آٹھ جلدوں میں مصر میں چھپی ہے۔ اور اب تھوڑی قیمت پر مل سکتی ہے۔ اور فتح الباری شرح صحیح بخاری تالیف شیخ الاسلام حافظ ابن حجر (جس کی نظیر کتب اسلام میں اس کے بعد نہیں پائی گئی) جناب کی عالی ہمتی سے مصر میں طبع ہو رہی ہے۔ تھوڑے عرصہ میں انشاء اللہ تعالیٰ وہ ہمدست عشاق اتباع ہوگی۔ اسی قسم کی تالیف و اشاعت آپ سے بقیہ علوم کے متعلق ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل و توصیف میں جولائی کرنے سے ہمارا اٹھب قلم لنگ ہے اور عرصہ قرطاس تنگ۔

شائقین تفصیل آپ کی کتب مؤلفہ کا حال آپ کی فرست موافقات (محققہ کتاب منبع الوصول اور آپ کے تراجم) جو اکثر تصانیف جناب کے ساتھ بطور تقریب شامل کی گئی ہیں) سے بلا حلف فرادین وہ میسر نہ ہوں، تو ہمارے پرچہ سابق (نمبر ۴ جلد ۶) کو جس میں کسی قدر ان کی تفصیل ہے مطالعہ میں لادیں اور ان کی اشاعت کا مشاہدہ و تجربہ جس ملک اور شہر سے چاہیں کر لیں۔

آپ کی تالیف با برکت میں ایک خصوصیت جس کو آپ کی کرامت کہیں تو بے جا نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا (جن کی سنت کے آپ خادم ہیں) معجزہ خیال کریں تو ناروا نہیں ایسی پائی جاتی ہے جو ایک عرصہ سے کتب مؤلفہ اہل اسلام سے مفقود ہے وہ یہ ہے کہ آپ کی تالیفات آپ

کی حیات میں اور آپ کے ہم عصروں میں مقبول و معمول بہا ہو گئی ہیں۔ اور اکثر علماء ہندوستان، پنجاب، عرب، مصر، دمشق، سیرت، بلغار، یمن وغیرہ نے سر آنکھوں پر رکھ لی ہیں۔ تعلقہا الافاضل الفصول و حبت علیہا قبول القبول اور یہ بات اور لوگوں کی تالیفات میں ایک مدت سے پائی نہیں گئی۔ ان کی تالیفات ان کے مرنے کے بعد ان لوگوں میں جو ان کے بعد پیدا ہوئے مقبول ہوئی ہیں۔ ان کے معاصرین نے قبول نہیں کیں۔ اسی وجہ سے اور ان ہی لوگوں کی نسبت یہ مثل: المعاصرة اجمل المناصرة

یعنی ہم عصری منافرت کی جڑ ہے مشہور ہو رہی ہے۔

اور جس قدر آپ سے احیاء سنت و اقامت خیرات و حسنات اور ازالہ بدعات و افعال منکرات (جو لوازم و نتائج منصب دوم جناب سے ہے) وقوع میں آئی ہے۔ وہ بھی اکثر مجددین سابق سے بڑھ کر ہے۔ ہمارے قلم میں کہاں طاقت ہے اور ہمارے پرچہ میں کب وسعت ہے کہ ہم اس کی تفصیل کر سکیں۔ ولکن بحکم مالا یدرک کلاہ لا یتولک کلاہ مشقے نمونہ اندر خردار و اند کے از بسیار بطور تمثیل ایک فرست کے ضمن میں ناظرین کے آگے پیش کرتے ہیں۔

فرست رسوم حسنہ جن کو جناب نے قائم کیا، اور رسوم سیئہ جن کا آپ نے ازالہ کیا یا ازالہ کے واسطے ہیں۔

(فرست اگلے صفحہ پر دیکھیں)

رسوم حسنہ

- ۱۔ علماء و فضلاء بہ نسبت سابق زیادہ ملازم و وہیل ریاست ہوئے۔
- ۲۔ طالب علموں کے وظیفے بہ نسبت سابق بڑھادیئے گئے۔
- ۳۔ یتیموں کی تعلیم کے لیے وقفی مدرسہ قائم ہوا۔
- ۴۔ قرآن پڑھنے والی لڑکیوں کے وظائف مقرر ہوئے۔
- ۵۔ سرکاری محل میں تلاوت قرآن بکثرت جاری ہوئی۔
- ۶۔ مساجد کے مصارف بہ نسبت سابق بڑھائے گئے۔
- ۷۔ اندر سے، اپاہج وغیرہ معذوروں کے وظیفے مقرر ہوئے۔
- ۸۔ رفاہ عام کے لیے شفاخانے بڑھائے گئے۔ اور اطباء زیادہ رکھے گئے۔
- ۹۔ تالاب و کنویں (جن کی بھوپال میں بہت حاجت ہے) کثرت سے کھدوائے گئے۔
- ۱۰۔ سڑکوں وغیرہ مواقع ضرورت عام پر درخت لگوائے گئے۔
- ۱۱۔ روشنی و صفائی شہر کا خرچ ریاست کے ذمہ کیا گیا۔ رعایا سے اٹھایا گیا۔

رسوم بدجن کا ازالہ ہو چکا

- ۱۲۔ زنا کاری عام شہر کہیوں کے شہر سے اخراج سے روکی گئی۔

- ۱۳۔ گانے بجانے کی تعلیم۔ تعلیم دینے والوں کے اخراج سے روکی گئی۔
- ۱۴۔ بیسجڑوں کا پیشہ سکھانا شہر سے روکا گیا۔ اور اکثر بیسجڑوں کا شہر سے اخراج ہوا۔
- ۱۵۔ مسلمانوں کو شراب خواری سے عام ممانعت ہوئی۔
- ۱۶۔ مسجدوں کے قریب باجا بجانا، جو بیابوں، شادیوں میں لوگ بجاتے ہیں، موقوف ہوا۔
- ۱۷۔ ربیہ کے دربار سے سرود موقوف ہوا۔
- ۱۸۔ تعزیر داری کی اکثر بدعات مہندی وغیرہ سے ممانعت ہوئی۔
- ۱۹۔ شادی و عقدہ کی رسوم، عطا شریعت کے بذریعہ اشتہارات عام ممانعت ہوئی۔

رسوم بدجن کا ازالہ پیش نظر جناب ہے اور تدریجاً وقوع میں آنا چاہتا ہے

- ۲۰۔ بیسجڑوں کا بازاروں میں گاتے، بجاتے پھرنے۔
- ۲۱۔ بعض اقوام اپنی اسلام کی مستورات کا شادیوں میں رات کے وقت زیب و زینت کے ساتھ سڑکوں پر پھرنے۔
- ۲۲۔ آمدنی سائیرات۔
- ۲۳۔ تعزیر سازی اور اس کے متعلق رسوم۔
- ۲۴۔ حقوق چوہدرایہ و رقوم سوداہن اسلام۔

۲۵۔ شہر کے باہر کبیوں کا آباد رہنا۔

۲۶۔ آمدنی آبکاری وغیرہ مسکرات۔

اسی پر صمد باور نظر اثر کو ناظرین قیاس کریں۔ جن کی تفصیل و بیان سے

ہم ناظر ہیں۔

نوٹ: یہ رسوم بد جن سے نواب صاحب بھوپال نے اہل اسلام بھوپال کو ممانعت کی ہے۔ ان رسوم کی مانند ہیں۔ جن سے گورنمنٹ انگلشیہ بھی اپنی رعایا کو مانع ہے (جیسے قمار بازی، تنگے پھرنا، مردوں کو، سچڑا بنانا وغیرہ وغیرہ) نواب بھوپال کی ان رسوم میں مداخلت و ممانعت کسی کے مذہب اور داعی آزادی میں بے جا مزاحمت و ناچائز دست اندازی (جو اصولی سلطنت برٹش گورنمنٹ کے خلاف ہے) نہیں ہے بلکہ اس میں ان لوگوں کے مذہب کی (جن کو ان رسوم سے روکا گیا ہے) میں تائید و پیروی پائی جاتی ہے۔

نواب صاحب نے ان رسوم بد سے صرف مسلمان رعایا کو روکا ہے سوان کے مذہب میں ان رسوم کا نام و نشان نہیں پایا جاتا بلکہ صاف ممانعت آپکی ہے۔ زنا، شراب خوری، ناچنا، گانا بجانا، سچڑوں کا پیشہ کرنا خود ان لوگوں کے (جو یہ کام کرتے ہیں) خیال میں بھی مذہبی رسوم نہیں ہیں۔ ایسا ہی عوام سنیوں کا تعزیہ بنانا یا ہندی مکالنا (گوان کے خیال میں مذہبی رسم ہو مگر ان کے علماء، بلکہ محقق علماء شیعہ کے خیال میں) بھی مذہبی رسم نہیں ہے اور اصل مذہب اسلام میں اس کی کہیں ہدایت نہیں۔ پھر نواب صاحب کا ان باتوں سے سنی مسلمان کو روکنا مذہبی دست اندازی کیونکر ہو سکتی ہے؟ مذہبی دست اندازی تب ہوتی جب ہندو یا عیسائی رعایا کو وہ ان کی مذہبی رسوم سے روکتے یا ان سے رسوم اسلام کا جبراً اتباع کرواتے

بلکہ غور سے دیکھا جاوے تو ایسی رسوم بد (مبذوشر و فساد) میں دست اندازی (ان کا مذہبی رسوم ہونا مانا بھی جاوے تو) بے جا مزاحمت و وا جہی آزادی میں دست اندازی و اصول سلطنت برٹش گورنمنٹ کے مخالف نہیں ہے برٹش گورنمنٹ نے خود بعض ایسی رسوم میں (جن کو اپنے خیال میں بد اور مبذوشر سمجھا ہے) کو کسی قوم کی مذہبی رسم ہی کیوں نہ کہلاتی ہوں، دست اندازی کی ہے۔ اور یہ بات خلاف اصول سلطنت نہیں سمجھی گئی۔ دیکھو سستی ہونا ہندوؤں میں ایک قدیم مذہبی رسم سمجھی (گو حقیقت میں یہ رسم مذہبی نہ ہو اور ان کی کتاب میں اس کی ہدایت نہ ہو) جاتی ہے اور تپسیا کر کے (بھوکے رہ کر یا آگ کی تپش میں جل کر) خودکشی کرنا بعض ہندوؤں میں کئی (نجات) کا سبب سمجھا جاتا ہے۔ اور بروہ فردوشی عموماً مسلمانوں میں ایک مذہبی رسم ہے۔ اور چور کا ہاتھ کاٹ دینا۔ اور زانی کو قتل کی سزا دینا ذی اختیار مسلمانوں کا اعلیٰ مذہبی فرض خیال کیا جاتا ہے۔ مگر انگریزی سلطنت میں اور جہاں تک اس کا اختیار و تعلق ہے۔ ان رسوم پر کوئی ہرگز عمل کرنے نہیں پاتا۔ ان رسوم میں گورنمنٹ کی مداخلت و مزاحمت کا یہی سبب ہے کہ گورنمنٹ ان رسوم میں اپنے خیال میں شر و فساد دیکھتی ہے۔ اور ان لوگوں کا ان رسوم کے ادا کرنے کا حق و واجب نہیں سمجھتے۔ پس اگر کسی مسلمان ذی اختیار نے کسی رسوم بد معمولہ اہل اسلام (جیسے زنا کاری و شراب خواری) کو بد و مبذوشر و فساد سمجھا اور بنظر مصلحت عام و اصلاح انتظام اس سے اپنے ماتحت مسلمانوں کو روک دیا (گو اپنے خیال میں کوئی ان باتوں کو مذہبی رسم سمجھ لے) تو اس میں بے جا مزاحمت و ناوا جہی مذہبی دست اندازی کہاں پائی گئی چہ جائیکہ وہ رسوم در حقیقت مذہبی رسوم نہ ہوں

مذہب ان رسوم سے خود مانع ہو۔

بعض متعصب یا پالیسی گورنمنٹ سے ناواقف انگریز ایسے مسلمانوں کو (جو اپنے حدود اختیار میں اپنے ہم مذہب اقوام میں مذہبی رسوم کو جن سے گورنمنٹ مانع نہیں جاری کرنا۔ اور ان رسوم کے مخالف رسوم سے روکنا چاہتے ہیں) حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ اور متعصب خیال کرتے ہیں۔ مگر جو خود تعصب سے خالی ہیں اور پالیسی گورنمنٹ سے خوب واقف ہیں۔ (جیسے ہمارے ہر دلعزیز فیاض واٹس رائے گورنر جنرل لارڈ رین بالقابہ ہیں۔) (عدا ان کو اپنی مرضیات کی توفیق بخشے) وہ ایسے مسلمانوں کو چکا دیا سنتا اور گورنمنٹ درعایا کا پورا وفادار خیال کرتے ہیں۔ اور وہ خوب جانتے ہیں کہ جس کو خدا کا مذہب کا پاس نہیں اس کو دنیا کے حکام کا رعایا کا کیا پاس ہوگا۔ اور جو خدا کا مذہب کا پکا مطیع ہوگا۔ وہ دنیا کا حکام کا رعایا کا بھی سچا وفادار رہے گا و حق شناس ہوگا۔

ان اوصاف کمال نواب صاحب (اجاء سنت و مراسم حسنات و اشاعت علم ازالہ منکرات) کا اوصاف مجددین سابق الوصف سے اور ان کے عیوب و خطاؤں (بقول مفریان تصویر پر انعام دینے یا اسی قسم کی اور باتوں) کا عیوب و خطاؤں مجددین سابق سے مقابلہ و موازنہ کریں پھر انصاف سے داوے کر فراویں کہ نواب صاحب مدوح بہ نظر اوصاف کمال مجددین سابق الوصف کی نسبت مجدد کہلانے کے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

اور ان کے عیوب و خطاؤں عیوب مجددین سابق سے بڑھ کر ہیں کہ وہ ان عیوب کے سبب اس رتبہ سے باوجود استحقاق و مستحق

کے محروم رہیں۔

اور یہ بھی فرمادیں کہ ہم نے اور ہمارے ہم عصر علماء نے جو نواب صاحب کو (ان کے اوصاف کمال کی نظر سے) مجدد کہا ہے اور ان کے عیوب و خطاؤں کا (ناحق ان کے ذمہ لگانے جاتے ہوں، خواہ واقعی ان میں موجود ہوں) اس خیال سے کہ مجدد ہونے کے لیے معصوم ہونا کسی کے نزدیک (بجز اہل تشیع) شرط نہیں اور اس قسم کے عیوب مجددین سابق میں بھی پائے گئے ہیں۔ لحاظ و اعتبار نہ کیا تو اس میں ہم نے کون سی آیت یا حدیث یا اجماع امت یا تعال سلف کا خلاف کیا۔ اور کیا گناہ ہم سے ہوا؟۔

شاید ہمارے معترض ہم سے اس بات پر آشفستہ خاطر ہوں کہ ہم نے صرف نواب صاحب ہی کو مجدد کہا ہے اور علماء وقت خصوصاً معترض کے ہم وطنوں (لکھنؤ والوں) کو مجدد نہیں کہا۔

اس میں ہمارا عذر و جواب یہ ہے کہ ہم نے وہ مضمون جس میں نواب صاحب کو مجدد لکھا ہے، بالاستقلال مجددوں کے بیان میں نہیں لکھا کہ اس میں مجددین لکھنؤ وغیرہ کا بھی ذکر آجاتا۔ اور تو کسی کا ذکر کیا ہوتا ہم نے اپنے شیخ حجۃ الخلف یغینۃ السلف مولانا سید محمد زبیر حسین محدث دہلوی کا ذکر بھی نہیں کیا۔ اور اگر وہ مضمون مجددوں کے بیان میں ہوتا تو ہم سے اپنے شیخ کا جن کو ہم اس وقت اول درجہ کا مجدد جانتے ہیں کا ذکر کیوں چھوٹتا۔ آئندہ ہم اگر مجددوں کے بیان و تعداد میں کوئی مضمون لکھیں گے تو اس میں ہم مجددین لکھنؤ وغیرہ کا نام بھی ضرور درج کریں گے۔ بشرطیکہ ہمارے معترض ہم کو ان کے ایسے اوصاف

کمال بتادیں۔ جیسے ہم نے نواب صاحب کے اوصاف نقل کئے ہیں۔

تفصیل شوق اول

یعنی نواب صاحب کا انعام نہ دینا

ہم نے جس روز وہ اخبار جس میں نواب صاحب پر یہ نکتہ چینی (کہ انہوں نے تصویر پر انعام دیا یا دلویا ہے) کی گئی اور ہم پر یہ چٹکی (کہ ہم نے ان کو ایسی حالت کے ساتھ مجتہد کہا ہے) کی گئی ہے پڑھا تو اسی دن فوراً خط متضمن دریافت اصل حال روانہ بھیج پال کیا۔ وہاں سے یہ جواب آیا کہ یہ خبر بالکل بے اصل و پوچھ ہے۔ نواب صاحب نے کسی مصتور کو انعام نہ جیب خاص سے دیا ہے نہ سرکار سے دلویا ہے، ایک لکھنؤ کے مصتور نے ایک اہلکار ریاست (نائب مدارالمہام) کے ذریعہ سے سرکار سے انعام پایا ہے۔ نواب صاحب کو اس کارروائی کا علم بھی نہیں ہوا یہ جائیکہ اُن کی رضایا سعی پائی گئی ہو۔ اب ہمارے دوست معترض موت کو، قیامت کو، قریب سمجھ کر اور یہ آیت لَا تَقْعُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُورٌ (بنی اسرائیل - ۳۶)

لہ جس کا تجھے علم نہ ہو اس کے بچھے مت لگ، کان، آنکھ اور دل سب سے سوال ہوگا۔

اور حدیث کئی بالسرہ کنڈیاں یحدث بكل ما سمعہ۔ پیش چشم رکھ کر انصاف سے فرمویں کہ اس کا روائی (انعام مصتور میں) نواب صاحب کا کیا دخل ہے اور اس میں ان پر یا ہم پر کیا الزام۔

آپ کی تصویر قد آدم کا کھینچا جانا اور تاج محل بھوپال میں رکھا جانا بھی آپ کی رضا و اختیار سے نہیں ہوا۔ تصویر گشتی تو دربار قیصری میں ہوئی تھی، جہاں اور نوابوں اور راجگان وغیرہ کی بھی فوٹو گراف میں تصویریں اتاری گئی تھیں۔ اس میں نواب صاحب کی بے اختیاری معنی نہیں ہے۔ ناظرین و معترضین خود خیال کر سکتے ہیں کہ نواب صاحب اس مجلس سے اٹھ سکتے تھے یا تصویر اتارنے سے منع کر سکتے تھے۔

اور تاج محل میں اس تصویر کا رکھا جانا بیگم صاحبہ رئیسہ کے حکم سے ہوا ہے۔ نواب صاحب اس میں بھی ہرگز ہرگز راضی نہیں ہیں۔ وہ تصویر کھینچنی یا کھینچوانی یا اختیار اگھر میں رکھنے کو بہت برا جانتے ہیں یہ بات ہم کو ایک

لہ آدمی کو جھوٹا ہونے یا جھوٹ بولنے کے لیے یہی کافی ہے کہ ہر سنی بات (بلا تحقیق) کہہ دے۔

اسے اختیار کی قید اس لیے لگائی گئی ہے کہ بلا اختیار تو اس وقت تمام ہندوستان بلکہ عربستان وغیرہ اسلامی بلاد میں کوئی گھر کسی مقدس سے مقدس (مولوی صوفی دلی متقی) کا بھی ایسا نہ ہوگا۔ جس میں بے اختیار تصویر موجود نہ ہو، آج کل اکثر اشیاء ساخت یورپ و یورومین اشخاص (روپیہ پیسہ بیگ، لمپ، چھری، کپڑوغیرہ وغیرہ) تصویر سے خالی نہیں۔ کسی مقدس و متقی کے گھر میں اور کچھ نہ ہوگا۔ تو دیا سلائی کا بکس بھی نہ ہوگا۔ وہ بھی تو تصویر سے خالی نہیں

خاص مراسلہ سے معلوم ہوئی ہے۔ اس پر اگر کوئی سوال کرے کہ نواب صاحب کو (بگم صاحبہ) ریٹسہ سے ایسا تعلق ہے کہ اس کے ذریعہ سے وہ جو چاہیں ریاست میں کر ڈالیں۔ پھر وہ ریٹسہ کو ایسے امور سے کیوں مانع نہیں ہوتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ باوجود اس تعلق کے آخر معلوم ریاست ہیں۔ با اختیار حاکم نہیں ہیں کہ جو چاہیں فوراً کرادیں۔ ہاں حسب موقعہ و مقتضائے مصلحت نیک صلاح دینے کا حق و منصب رکھتے ہیں۔ سو انہوں نے بہت موقعہ پورا کیا۔ بیسیوں منکرات کو ریاست سے ہٹایا جس کا نمونہ فرست میں بتایا گیا ہے۔ اور ہنوز کئی منکرات باقی ہیں (جن میں یہ امر جس سے بحث ہے بھی داخل ہے، ان کے ازالہ کے وہ فکر میں ہیں۔ خدا نے چاہا اور توفیق کو بڑھلایا تو رفتہ رفتہ ان سبھی منکرات کا اندفاع ہوگا، اور بھوپال میں بدلتا طیبہ و رب غفور کا مصداق ہو جائے گا۔ اس وقت تک جس قدر ریاست بھوپال سے منکرات کا ازالہ ہوا ہے۔ یہ بھی جناب کی کرامت و برکت ہے۔ اس قسم کا تعلق ان کے مدعیان ہمسری کو

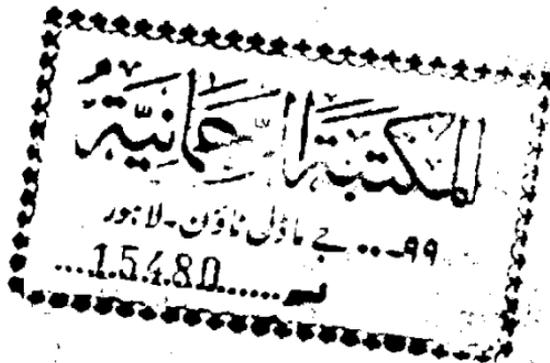
ہمارے معترضین (مولوی صاحب) کے کارخانہ اخبار میں علاوہ تصویر دارا خیاروں اور کتابوں کے کاغذ کے رم بہت ایسے نکلیں گے، جن پر کتوں و تیروں کی تصویروں کے ٹکٹ لگے ہوں گے۔ اس سے ضرور ناخوشاں ہوئے گا کہ اس منظر اور ابطال اختیار تصویر گھر میں رکھنے سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔ یہاں یہ بحث کہ کون سی تصویر گھر میں رکھنی ناجائز اور کون سی جائز ہے۔ بالفعل اجنبی معلوم ہوتی ہے جب کوئی یہ بحث پیش کرے گا کہ جو تصویریں ہمارے گھر میں ہیں وہ جائز ہیں اور جو بھوپال میں ہیں وہ ناجائز ہیں تو اس وقت ہم اس امر میں بحث کریں گے۔

کسی ریاست سے حاصل ہو تو ہم کو اُمید نہیں کہ ان سے اس کا عشرِ عشر بھی ہو سکے، بلکہ یہ خوف ہے کہ ان کو ایسے منکرات میں رئیسوں کے تابع اور شامل حال ہونا پڑے۔ یہ آپ ہی کا کام تھا جو حضور سے عرصہ میں کر دکھایا۔

ہذا ما اعتقد فیہ واحسب واللہ حسیبہ دھو بیکل شیء و حسیب۔

یہ مضمون گویا مضمون نواب صاحب بھوپال اور ان کی بابرکت تالیف ہے۔ "کا بئیہ ہے۔ اس وجہ سے اس مضمون کا ابا لقی مستقل طور پر لکھا نہیں گیا۔

(منقول از مہاشاخۃ السنۃ، جلد ۶، شمارہ ۲/۴ جون ۱۸۸۳ء و شمارہ نمبر ۶)



طبوعات دار الدعوة السلفية

- ۱۔ مفتی انصار : (سراج مدعا مع عربی متن) : از : شیخ الاسلام
جلد نظام ابن تیمیہ : صفات دو ہزار سے کم گندہ دونوں ہجرت مدخل میں
- ۲۔ الجہدیش اور اہل تقلید : حافظ صلاح الدین یوسف
- ۳۔ صدر جمہور کی شرعی حیثیت : حافظ صلاح الدین یوسف
- ۴۔ تعلیم القیام : نواب سید صدیق حسن خان قسری
- ۵۔ تعلیم الزکوٰۃ : نواب سید صدیق حسن خان قسری
- ۶۔ تیممہ العقبیٰ فی ترجمۃ الاربعین من احادیث النبی
نواب سید صدیق حسن خان قسری
- ۷۔ البقاء لمن بالقاء : نواب سید صدیق حسن خان قسری
- نواب صاحب کی خودنوشت سوانح سے غالب میں
- ۸۔ مسائل رمضان المبارک (زیلعین) مولانا احمد رضا صاحب دہلوی
- ۹۔ الجہدیش کا مذہب : مولانا شاد اللہ امرتسری
- ۱۰۔ کرم الی کہ انی حضرت ابو جعفر بن ابی : ترجمہ : مولانا محمد طاہر شریف
- ۱۱۔ اسلام اور قرآن پر غرر : مولانا محمد عطاء اللہ منیر
- ۱۲۔ پاک و بے گناہ کے علمائے اسلام کا اہم ترین متفقہ فتوے
رانا دیانی دوس کے سپرد کاروائی اسلام کے شاخ میں (۱۹۸۰ء میں جاری)
- ۱۳۔ الحقیقۃ السخی : از : علامہ محمد امجد علی صاحب دہلوی
- ۱۴۔ احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ : مولانا ارشد الحق اشرفی
- ۱۵۔ الخلیفۃ اردو، جلد اول : ترجمہ : مولانا غلام احمد حسینی

- ۱۶۔ تنقیح الزواۃ فی تخریج حدیث مشکوٰۃ۔ الجہدیش (عربی)
از : سید احمد حسن دہلوی
- جلد سوم : مولانا محمد طاہر شریف کی رحمت و رحمت کے ساتھ
- جلد چہارم : _____ زیر طبع
- ۱۷۔ مبتکرات اللالی والدردنی الحاکمۃ بین العینی وابن حجر عسقلانی
شیخ عبد الرحمن البوصیری
- ۱۸۔ مشکاۃ الاحادیث (عربی) عبداللہ القسیمی النجدی
- ۱۹۔ صحیح مسنون : مولانا محمد رضا احمد ندوی

بلا قیمت تقسیم کی جائے والی کتب

- ۲۰۔ علمی جائزہ بسلسلہ زبائت : مولانا فضل الرحمن صاحب
- ۲۱۔ آخری چہار شہد کی تاریخی حقیقت : مولانا فضل الرحمن صاحب
- ۲۲۔ حکم کبیر کی شرعی حیثیت : مولانا فضل الرحمن صاحب
- ۲۳۔ کتاب التوجیہ : شیخ محمد بدر شاہ
- ۲۴۔ چند غلط فہمیوں کا ازالہ : حافظ صلاح الدین یوسف
- ۲۵۔ قبر پرستی : حافظ صلاح الدین یوسف
- ۲۶۔ امام خمینی اور شیعتیت : مولانا منظور احمد خان
- ۲۷۔ دین انسانی کی حقیقت : صفی زہرا احمد شہید
- ۲۸۔ زیارت القبور : شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ
- ۲۹۔ اسلام اور مسائل جاہلیت : مولانا محمد رضا احمد ندوی
- ۳۰۔ قرآن خوانی اور اسباب ثواب : مولانا محمد رضا احمد ندوی

دار الدعوة السلفية

شیش محل روڈ لاہور ع
فون ۵۲۲۰۶